urdukutabkhanapk.blogspot
یہ آسماں بھی رستہ ہے
اردو کتب خانہ
URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT
پروفیسر احمد رفیق اختر

یہ آسماں بھی رستہ ہے

افکار کی معنوی شعاعوں کا ارتعاش

ہم فکری طور پر اس قدر غریب اور مفلس ہو گئے ہیں کہ ہمارے نزدیک نظریات، تصورات اور اصطلاحات کا یکسر مفہوم ہی بدل گیا ہے۔ ہمارے سامنے افکار نئے مفاہیم کے پیکر میں ڈھل رہے ہیں۔ اقدار مسلسل بدل رہی ہیں۔ ضعیف الاعتقادی کی یہ حالت ہے کہ ہر دیوانہ فرزانہ دکھائی دیتا ہے۔ مجنون اور فاتر العقل دانا اور حکیم بن بیٹھے ہیں۔ پستی بلندی ہو گئی ہے اور بلندی کا نشان تک دکھائی نہیں دیتا ہے۔ کرن سورج کو ڈسنے لگی ہے۔ قطرہ سمندر پی رہا ہے اور خوشبو پھول کے وجود پر الزام ہے۔ انہی فکری مغالطوں اور ہوشربا تغیرات نے ہماری زندگی کے حسن کو چاٹ لیا ہے۔ ہر لہر کے تعاقب میں دوسری لہر ہے۔ ہر مفہوم کے پیچھے ایک نیا مفہوم ہے۔ اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں روشنی، پھول اور سچ کا نعم البدل میسر آ گیا ہے حالانکہ یہ مانی ہوئی حقیقت ہے کہ جس قوم اور معاشرے کو حق کا نعم البدل مل جائے تو پھر اس کا تباہ و برباد ہونا یقینا ٹھہر جاتا ہے۔ درحقیقت روشنی، پھول اور سچ کا Substitute ہوتا ہی نہیں ہے۔ کاش ہم ان کائناتی سچائیوں کو اپنے اصل روپ اور حقیقی مفہوم ہی میں دیکھ سکتے اور ان کا عرفان حاصل کرنے کے لیے اپنی مرضی، خواہش اور پسند کو ہرگز شامل نہ کرتے۔ کاش ہم سچ اور حق کے تابع ہوتے اور سچ اور حق کو اپنا تابع نہ بناتے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا ہے۔ اس کی اساسی وجہ یہ ہے کہ ہمیں فکری اور مذہبی اعتبار سے آزاد ہی نہیں چھوڑا گیا ہے۔ ہمیں ہمیشہ محدود اور مخصوص نقطۂ نگاہ کا پابند اور عادی بنایا گیا ہے۔ اس کا فطری نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہم منطق اور حقیقی فلسفے کی دنیا میں غریب ہو گئے ہیں اور رفتہ رفتہ ہماری علمی اور فکری ترجیحات ہی بدل گئی ہیں۔

ہم بے یقینی کے اس اندھے جنگل میں اپنا رستہ کھو چکے ہیں۔ ہمیں اپنی منزل سے کوسوں دور فاصلوں کی خلیج نے نگل لیا ہے۔ فرعون اور نمرود کی زندگی ہماری خواہش ہے اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کا انجام ہماری حسرت ہے۔ اس دوغلے پن نے ہمارا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ یہی ہمارا خوفناک اور المناک المیہ ہے۔ ہم مومن بنتے بنتے منافق ہو گئے ہیں۔ اب ہم نے دنیا کی ہوس میں آخرت بھی گنوا دی ہے۔ ہم نے اپنا سب کچھ اپنے پیر کے حوالے نہیں کیا ہے۔ ہم ایک نمبر مرید بھی نہیں بن سکے ہیں۔ ہم جہنم کے خوف سے عابد ہیں اور جنت کے لالچ میں زاہد ہیں۔ ہمارا خارج خوبصورت ہے اور باطن بدصورت ہے۔

ہم ساجد ہیں مگر مسجود سے دور ہیں۔ ہم عابد ہیں مگر معبود سے لاتعلق ہیں۔ ہمارے اعمال کھوکھلے ہیں۔ ہمارا اخلاق مصنوعی ہے۔ ہم ظاہر کے بندے ہیں اور ہمارے اندر اندھیرا ہے۔ ہماری عقیدت ایک دھوکہ ہے اور ایثار مشکوک ہے۔ ہم بھنور کے قیدی ہیں۔ ہم دائروں میں رہتے ہیں اور سفر سے ڈرتے ہیں۔ چاندنی پہ مرتے ہیں اور روشنی سے ڈرتے ہیں۔ ہم لکیر کے فقیر ہیں۔ ہم دائرے کے سفر میں ہیں۔ ہم فکری رسموں اور روایات کے پابند ہیں۔

اس کربناک منافقانہ کلچر سے ہمارے عقائد، اعتقادات اور نظریات کو بھی شدید دھچکا لگا ہے۔ ایمان ہمارے سینوں سے جلاوطن ہے۔ خوبصورت عقائد کی مضبوط دیواروں میں دراڑیں پڑ چکی ہیں۔ مذہب محض رسم ورواج کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اسلام کے آنگن میں اندھیرا ہے۔ اللہ اپنے گھر میں اجنبی ہے۔ یہاں جادوگر، کاہن، عامل اور جوتشی طاقتور ہیں اور اللہ کمزور ہے۔ ہم اپنی بہترین صلاحیتیں اور کوششیں ان اوٹ پٹانگ اور بے بنیاد کاموں میں صرف کر رہے ہیں۔ ہمارے مولوی اور مذہبی طبقے نے مذہب کو چیستاں اور گورکھ دھندا بنا دیا ہے۔ خدا کی ہمسائیگی اور شناخت مشکل ہو گئی ہے۔ ایسے میں پروفیسر احمد رفیق اختر ایک معتبر آواز بن کر سامنے آتے ہیں۔ انہوں نے عام انسانوں کے لیے دین کے عرفان اور خدا کی شناخت کو آسان بنانے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو اللہ پر اعتماد کرنے کا حوصلہ اور شعور عطا کیا ہے۔

ان کے نزدیک خدا رحمٰن ورحیم ہے اور رحمت کا سب سے بڑا حوالہ ہے۔ لہٰذا جو لوگ مذہب کو صرف اور صرف سزا، خوف، ملال اور عذاب کی چبھن سے تعبیر کرتے ہیں، یہ ان کا ذاتی خیال تو ہو سکتا ہے لیکن اس کا مذہب سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ رحمت، اللہ کا ایک انسٹی ٹیوشن ہے جہاں فقط رحمٰن اور رحیم کی حکمرانی ہے۔ اللہ کے انہی دو ناموں کا سکہ سارے عالم پہ چلتا ہے۔ یہ ساری کائنات اللہ کی رحمت اور کرم کے سایہ عاطفت میں ہے۔ اللہ کی رحمت گمان کی طرح ہے یعنی جو گمان کرے گا کہ اللہ سے بڑا رحیم، کریم اس کائنات میں کوئی نہیں ہے اور وہ اپنی مخلوق پر ہر صورت میں ایک ماں کی محبت سے بھی سوگنا زیادہ مہربان ہے تو ایسا شخص کبھی بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہو سکتا ہے اور اس کے نصیب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بخشش اور نجات لکھ دی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر کوئی شخص سو بار بھی خطا اور گناہ کا مرتکب ہو اور اس کا ایمان اور یقین اس بات پہ کامل ہو کہ اللہ معاف کرنے پر قادر ہے اور اس نے ہر حال میں اپنے بندے کو معاف کرنا ہے کیونکہ وہ غفور ورحیم ہے تو ایسے صاحب ایمان اور صاحب ایقان پر اللہ کی رحمت ارزاں ہو جاتی ہے۔ اللہ ایسے انسان کے گمان سے از حد خوش ہوتا ہے جو گناہ کرنے کے بعد یہ سمجھتا ہے کہ اس کائنات میں، اسے کوئی بخشنے والا موجود ہے۔ اس فلسفے سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ گناہوں اور خطاؤں کی بخشش اللہ کا اختیار ہے اور اللہ کو اپنے اس قطعی اختیار کے استعمال سے کون روک سکتا ہے؟ اللہ جس طرح چاہے، جب چاہے اور جس کے لیے چاہے اپنی رحمت کو عام کر سکتا ہے۔ اس کی رحمت تو گناہ گاروں اور خطا کاروں کو معاف کرنے کے بہانے تلاش کرتی رہتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ اس مفہوم کو جا بجا بیان کرتا ہے کہ تم میرے بندوں کو کیوں خبر نہیں دیتے ہو کہ میں تو ہر حال میں انہیں بخشنے اور معاف کرنے والا ہوں لیکن بعض صورتوں میں میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔ اس نکتے کا سیدھا سا مطلب یہ بنتا ہے کہ اگر انسان ہر صورت میں اپنے رب کو رحمٰن، رحیم، کریم، غفور اور رؤف مانتا ہے تو پھر اس کے لیے کسی طرح کے عذاب، سزا اور خوف کی

وعید نہیں ہے۔ اصل میں بنیادی بات یہ ہے کہ انسان رحمت پروردگار کو اپنے لیے گناہ اور خطا کی آمادگی کا مستقل ذریعہ نہ قرار دے اور اپنے آپ کو اسراف کا شکار اور عادی نہ بنائے کیونکہ اسراف گناہ اور خطا کی ایک ٹیکنیکل وضاحت ہے۔ اسراف میں کوئی خیر کا پہلو نہیں ہے۔ اس میں انسان کے لیے خسارہ ہی خسارہ ہے۔

اس سے ہر حال میں بچنا از بس لازم ہے لیکن اللہ کی رحمت سے مایوسی بھی تو ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے والے لوگوں کے نصیب میں کبھی بھی کامیابی نہیں ہوتی ہے۔ جب اللہ قرآن میں اعلان کرتا ہے کہ وہ بے شک تمام گناہوں کو معاف کرنے والا ہے تو پھر کسی انسان کی کیا مجال ہے کہ وہ اللہ کے اس قطعی اختیار اور حق کو چیلنج کرے اور اس کی رحمت سے مایوس ہو کر اپنے لیے بربادی اور ناکامی کا سامان اکٹھا کرے۔ ان کو ہر حال میں اپنے مالک اور خالق کے حکم کا پابند ہونا چاہیے۔ یہ انسان کو قطعی زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ اللہ کے اختیارات اور نظام کو اپنی محدود حکمت اور دانائی کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرے۔ پروفیسر احمد رفیق اختر کا اس زمانے میں علمی کنٹری بیوشن یہ ہے کہ انہوں نے خدا اور مذہب کی معرفت کو عام انسانوں کے لیے آسان اور عام فہم بنا دیا ہے۔ پروفیسر صاحب مسلسل اس نکتے کو واضح کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ خدا اپنی مخلوق کے لیے از حد مہربان ہے۔ وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس کرۂ ارض پر بسنے والے تمام افراد اس کی نظر میں برابر ہیں۔ وہ سب کے ساتھ عدل کرنے والا ہے۔ وہ کسی کے ساتھ بھی ظلم نہیں کرتا ہے۔ وہ اپنے دوستوں اور چاہنے والوں کو کیونکر فراموش کر سکتا ہے؟ جبکہ وہ تو اپنے دشمنوں کی بھی پرورش کرتا ہے اور اس کے دستر خوان پر ہر قوم پلتی ہے۔ قرآن میں اس طرح کا مفہوم جا بجا ملتا ہے کہ اللہ ساری کائنات کو رزق عطا کرتا ہے۔ وہ موافق ہوائیں چلاتا ہے۔ بارشیں برساتا ہے۔ دھوپ اور چاندنی تقسیم کرتا ہے۔ زمین کو روئیدگی سے نوازتا ہے۔ اس کی نوازش اور نعمتیں سب کے لیے یکساں ہیں۔ اللہ ہر حال میں اپنی مخلوق پر رحم کرنے والا ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ تمام لوگ جنت میں اللہ کی رحمت ہی سے داخل ہوں گے۔ اس کی رحمت بے پایاں اور مسلسل ہے۔ وہ اپنی مخلوق کا امتحان اپنے ظرف کے مطابق ہی لے گا اور اس کا ظرف یقیناً عالی اور لطیف ہے۔ اس کا کرم اور التفات ہماری خطاؤں، فروگزاشتوں اور کج اداؤں سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عالم کبھی بھی کم علم کو سزا نہیں دیتا ہے۔ اس نورانی نکتے کے تحت یقیناً اللہ کی آزمائش اور حساب کتاب بھی اس کے اپنے علم، حکمت، اور ظرف کے مطابق ہی ہوگا۔ توحید کے اس مثبت اور مشفقانہ پہلو کا نفسیاتی فائدہ یہ ہوگا کہ خلق خدا کو اعتماد اور محبت سے خدا کے قرب میں آنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور جب انسان دامن رحمت پروردگار کے سائے میں بیٹھنے کے لائق ہو جاتا ہے تو پھر اس کو شریعت کے تمام احکامات پر عمل پیرا ہونے کا موقع بھی میسر آ سکتا ہے۔ اسی بلند تر مقصد کے حصول کے لیے پروفیسر صاحب اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہر حال میں انسان کا خدا سے تعلق مضبوط ہو کیونکہ وہ اس تلخ حقیقت سے آگاہ ہیں کہ ہمارے نام نہاد مذہبی طبقے اور افراد نے اپنے سخت متعصبانہ اور رکرخت رویوں کی وجہ سے مذہب کو ایک ہوا بنا دیا ہے اور عام لوگ مذہب کی اس خوفناک غیر حقیقی اور غیر سائنسی صورت کو قبول کرنے سے گریزاں ہو چکے ہیں۔ اس پرفتن اور پر آشوب دور میں لوگوں کے دلوں میں مذہب کی رغبت کا احساس دلانا اور مذہب کی حقانیت اور صداقت کو دلائل اور براہین سے ثابت کرنا یقیناً ایک مستحسن عمل ہے۔ میں یہاں پروفیسر احمد رفیق اختر کو اس بات کی داد دیتا ہوں کہ وہ بطریق احسن مذہب کی روحانی اور فکری صداقتوں کی لافانی خوشبوؤں کو عام

کرر ہے ہیں اور اس بات کو Establish کرر ہے ہیں کہ مذہب میں انسان کی نجات ہے اور مذہب ہی انسانی زندگی کی فلاح کا ضامن ہے۔ پروفیسر صاحب کا یہ کمال ہے کہ وہ عصر حاضر میں قرآنی حقائق، مذہبی فلسفے اور دین کی تعلیمات کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ اس میں فکری تازگی، جمالیاتی شگفتگی، سائنسی جدت اور روحانی پاکیزگی کا احساس ہوتا ہے۔ میرے نزدیک پروفیسر صاحب لحہ موجود میں ایسے دانشور ہیں جو علامہ اقبال کی طرح دنیا بھر کے قدیم اور جدید فلسفہ ہائے فکر کو کھنگالنے کے بعد بھی اپنے مذہب کی آسمانی سچائیوں اور تہذیب وتمدن پر پختہ یقین رکھتے ہیں اور انہیں کسی لمحے بھی نام نہاد ترقی یافتہ اور جدید مغربی نظریات وتصورات کا حامل دانشور بننے کے لیے قرآن، مذہب اور خدا سے فکری برگشتگی کا اعلان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قرآن اور مذہب کی ہر بات حتمی اور قطعی حقیقت ہے۔ اس میں کسی قسم کا فکری، علمی اور سائنسی ابہام نہیں ہے۔

پروفیسر احمد رفیق کے نزدیک مذہب فکری خلجان اور علمی انتشار کا نام نہیں ہے بلکہ مذہب کو وہ ایک ایسا روشن راستہ قرار دیتے ہیں جس پر انسان گامزن ہو کر اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب کے فلسفۂ مذہب کی آخری منزل اللہ ہے۔ وہ ہمہ وقت اسی منزل کے حصول کے لیے بے تاب رہتے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ اللہ مومن کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن اس کی قربت اور ہمسائیگی کا حصول انسان کی شدید تڑپ، بے پایاں جستجو اور صادق طلب کے بغیر ممکن نہیں ہے یعنی انسان جس شدت محبت سے اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہے گا، اسے اسی شدت اور خلوص سے سرفراز کیا جائے گا اور جو لوگ غفلت اور بے عملی کا شکار ہیں اور جنہوں نے اپنے رب کو فراموش کر دیا ہے یقیناً خدا بھی ان کو فراموش کر دیتا ہے۔ جو لوگ اپنی حالت بدلنے کے لیے بے چین اور بیتاب نہیں ہوتے ہیں، خدا بھی کبھی ان کی حالت نہیں بدلتا ہے۔ یہ قرآن کا واضح اعلان ہے کہ جو افراد اپنے باطن میں تغیر کے قطعی متمنی نہ ہوں تو ان کے خارج میں کیونکر انقلاب رونما ہو سکتا ہے؟ یعنی جو ہجرت ہی نہیں کرنا چاہتے انہیں کبھی بھی وصال نصیب نہیں ہو سکتا ہے۔ دراصل پروفیسر صاحب کا مقصود یہ ہے کہ مومن جہالت کے اندھے کنویں کا قیدی نہیں ہو سکتا ہے بلکہ وہ فراست کے آسمان پر مسلسل امکانات کے روشن آفاق دریافت کرتا رہتا ہے اور اپنے آپ کو تمام فکری، سائنسی اور زمینی حقیقتوں کا امین اور مظہر بنا لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پروفیسر صاحب ہر لحہ تحقیق اور تجسس کے تازہ جہانوں کی دریافت کو زندگی کا اولین مقصد قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی سوکھے پتے کی رگوں میں چھپ کر بیٹھی بے حسی کا نام نہیں ہے بلکہ دائرہ در دائرہ پھیلتا ہوا عزم اور امکان کا آسمان ہے۔ پروفیسر صاحب ہر منزل کو ایک مرحلے کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک آسمان دنیا کے نیلگوں وسط میں سے گزرنے والی دودھیا پٹی اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ یہ آسمان بھی ایک راستہ ہے۔ اس آسمانی گزرگاہ سے کون صاحب توفیق گزرا ہے؟ اس عظیم راہرو افلاک کے نقوش پا ہمیں ہر لحہ اک جہان تازہ کو سر کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے ۔۔۔ کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

یعنی جب حضرت انسان کو اپنے مالک حقیقی کی عطا کردہ غیر معمولی صلاحیتوں کا مکمل عرفان ہو جاتا ہے تو پھر یہ بسیط کائنات اس کے لیے ایک جولاں گاہ بن جاتی ہے اور وہ اپنے خدا کی آرزوؤں کا حقیقی ترجمان بن کر ستاروں سے

آگے آباد دنیاؤں کو سر کرنے کا عزم بالجزم کرتا ہے۔ جب حضرت انسان اس عظیم ترین سفر کا آغاز کرتا ہے تو اس وقت یہ آسمان بھی اس کے لیے ایک راستہ بن جاتا ہے اور پھر یہ سورج، چاند اور ستارے اس کے زیر نگیں آجاتے ہیں۔ یہ ''یہ آسماں بھی رستہ ہے'' میرے نزدیک حضرت انسان کی انہی عظمتوں کو خراج تحسین پیش کرنے کا ایک استعارہ ہے۔ پروفیسر احمد رفیق اختر کی اس کتاب کے نام کے ہر حرف کی آنکھ میں ارتقاع آدم خاکی کا سویرا جذب ہے اور ہر لفظ کی روح چراغ طور کے اجالے سے منور دکھائی دیتی ہے۔ اس کتاب کے افکار کی معنوی شعاعوں کا ارتعاش جب آسمانوں تک پہنچے گا تو سدرہ نشینوں کا ردعمل کیا ہوگا؟ یہی بات دیکھنے کی ہے!

عروج آدم خاکی کے منتظر ہیں تمام   یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیلگوں افلاک

اب میں آخر میں اس کتاب کی ترتیب و تالیف کے حوالے سے اپنے جن بے بدل دوستوں کے تعاون کی محبتوں کا مقروض ہوں، ان کا قرض چکانے کے لیے محمد آصف اور ظہیر عباس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مؤلف

پروفیسر سید نسیم تقی جعفری

شعبہ اردو

سرور شہید (نشان حیدر) گورنمنٹ کالج گوجر خان

مذہبی فکر میں انحطاط

اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم

خواتین وحضرات میں 1962ء میں پہلی دفعہ مظفر آباد آیا تھا اور اس وقت اور آج کے تاثر میں میں نے شہر کو دیکھا تو مجھے عجیب سا لگا۔ اس مرتبہ آتے ہوئے مجھے اس کے حسن وخوبصورتی سے واسطہ پڑا

And I was shocked with the previous identity of the city.

اتنا خوبصورت شہر، اس قدر مہمان نواز لوگ اور اس قدر عزت افزائی کہ مجھے اپنے انکسار پر بھی شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔ ایک دیرینہ غلطی ضرور ہوئی۔ یہ علمی اور فکری موضوع جو مجھے اظہار گفتگو کے لیے دیا گیا ہے۔ دراصل یہ کم از کم ایک صدی پر محیط ہے میں سوچتا ہوں کہ اسے کہاں سے شروع کیا جائے، کتنا وقت میرے پاس ہے کس نوعیت کی بات کی جائے، جب مذہبی فکر کی بات ہوگی تو یقیناً اعلیٰ ترین وجدانی فکر کی بات ہوگی، انسانی اخلاق ترقی کی انتہا کی بات ہوگی اور یہ بڑا دشوار عمل ہے کہ اتنے زمانوں کو اتنے مختصر وقت میں کسی بھی Accomplishment کے ساتھ ان کا احاطہ کیا جائے۔ بہرحال میں اسے ایک ایسے وقت سے شروع کر رہا ہوں جب سلطان سلیمان ذی شان کی افواج یورپ کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں اور یوگوسلاویہ، البانیہ، بوسنیا ترک شہسواروں کی تگ وتاز کی زد میں تھی۔

اتنا بڑا بادشاہ اور اتنا Magnificent کہ تاریخ میں آج بھی وہ سلیمان ذی شان کے نام سے جانا جاتا ہے اور ایک ادھر صرف ایشیا Minor اور یورپ کے دروازوں پہ ہی دستک نہیں دے رہے تھے بلکہ اسی زمانے میں پندرھویں اور سولہویں صدی میں دوسری طرف روئے عالم پر جن شہنشاہوں کے ناموں کا سکہ چلتا تھا وہ تینوں کے تینوں مسلمان تھے سلطان عباس صفوی

And again he was called Abbas the great ہندوستان میں جلال الدین محمد اکبر And again he was called Akbar the great. ایک ایسے زمانے میں قوت وشوکت وسطوت اسلامیہ اپنے انتہا درجے کی بلندی پہ تھی کہ دنیا میں اگر کوئی تین بڑے بادشاہ تھے تو تینوں مسلمان تھے اور اسی وقت پورے یورپ پر ایک ایسا زمانہ تھا جسے متفق علیہ Dark Ages کہتے ہیں، اندھیرا اور تاریک دور۔ Mediterranian بحیرہ روم کو ترکوں نے Seal کیا ہوا تھا۔ The only way of products and business یہ پورا بحیرہ روم امیر خیر الدین باربروسہ کی زد میں تھا۔ اس کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ یورپ میں اس وقت ماؤں کو جب بچوں کو ڈرانا ہوتا تھا تو کہا کرتی تھیں

"Hush the Turks are coming." نہ وہ بلی سے ڈراتی تھیں، نہ وہ چوہوں سے ڈراتی تھیں بلکہ اس وقت یہ عالم تھا عثمانی ترکوں اور خاص طور پر امیر خیرالدین باربروسا کہ Mediterranian پہ Single Handed وہی Rule کرتا تھا۔ یورپ کی مائیں اپنے بچوں کو جب ڈراتی تھیں تو یہ کہتی تھیں Hush the Turks are coming کہ خاموش ہو جاؤ ورنہ ترک آجائیں گے۔ اس کے Back Ground میں جب سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کیا تو ایک بہت بڑی Shift ہوئی۔ مذہبی فکر میں بنیادی انحطاط فتح سے ہوا جب فتح ونصرت کے علم بلند ہوئے اور مسلمانوں نے معاشرتی اخلاقی اور علمی طور پر بہت زیادہ عروج پایا اور انہوں نے مملکت اسلامیہ کو بڑی دور تک پہنچا دیا لیکن اس کے ساتھ ہی مسلمان حکمرانوں نے تکبرات کی ایک دبیز چادر ان کے اردگرد ڈال دی They became careless تمام فتح بڑی اچھی رہی لیکن فتح کا سب سے بڑا نقص یہی ہے کہ انسان اس کی پائیداری اور اس کے تحفظ میں Relax کر جاتا ہے اور تفاخرات میں ڈوب جاتا ہے۔ یہی Tragedy اس وقت انڈیا میں ہوئی، ایران میں ہوئی اور یہی Tragedy سلطنت عثمانیہ میں ہوئی تو Exactly قطعی طور پر مسلمان کا انحطاط سلطنت عثمانیہ کے زوال کے ساتھ شروع ہوا۔ یہ سب کیسے شروع ہوا؟ ہتھیاروں سے تو نہیں شروع ہوا!

Fall of Constantinople کے وقت اہل یورپ کا یہ حال تھا کہ جب کسی کے سر میں درد ہوتا تھا تو وہ کسی پادری کے پاس جاتے تھے تو وہ یہ کہا کرتا تھا کہ سر میں شیطان گھس گیا ہے

And the only way to cure it was.

اس کے سر پر بڑے ڈنڈے مارے جاتے تھے یوں سر بھی جاتا اور شیطان بھی چلا جاتا۔ سر درد کی گنجائش ہی نہ رہتی۔ اس وقت جو پادری تھا وہ عیسائیت کی تبلیغ کرتا تھا، وہ سرٹیفکیٹ Issue کرتا تھا۔ اس کو Certificate of Redemption کہتے تھے۔ نجات کے سرٹیفکیٹ میں کہا جاتا تھا کہ اگر تم نے جنت میں جانا ہے تو پانچ پاؤنڈ اور اگر درجات جنت میں بلندی چاہیے تو دس پاؤنڈ اور اگر اعلیٰ ترین جنت میں جانا ہے تو بیس پاؤنڈ۔ معاف کیجیے گا آج یہ سلسلہ مسلمانوں میں بھی شروع ہے۔ اس وقت بھی مولوی Priest سرٹیفکیٹ Issue کیا کرتا تھا۔ میں آپ کو اس کے بالکل Comparative بتاتا ہوں کہ پاکستان میں اس Latest زمانے میں ایک مولوی صاحب نے شاگردوں سے کھل کے کہا کہ فلاں جماعت کو چندہ دو تو میں لکھ کر دینے کے لیے تیار ہوں کہ آپ جنت میں جائیں گے۔ تو وہ برخوردار کسی طرح پریشان حال مجھ تک آ گیا۔ یہ بات میں نے سنی، کہنے لگی تھی، کیا یہ سچ ہو سکتا ہے؟ تو میں نے کہا کاغذ پنسل لے جاؤ اور مولوی صاحب سے یہ کہہ دو کہ آپ اپنی جنت کی تصدیق لکھ دیں تمہاری بات تو بڑی دور کی ہے۔ فتح کا ایک ناقص ترین نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان

Lost researches, lust for knowledge, acquisition for knowledge, lust for curiosity.

ایک جنرل Satisfaction مسلمان ممالک پہ چھا گئی اور جہاں ابن سینا پیدا ہوتا تھا اور محمد طوسی پیدا ہوتے تھے اور وہ تحقیق والے لوگ جیسے محمد غزالی یا ابن رشد جیسے محقق پیدا ہوتے تھے وہاں علم و تعلیم اتنی خسارے میں چلی گئی کہ

Over a very long period of time, I have not seen a muslim scholar outshining in the field of philosophy, knowledge, sciences and technology.

یہ بہت بڑی بدقسمتی کی بات تھی کہ فتح نے ایک General mental shift پیدا کر دی۔ تفاخرات میں ڈوب کر ملت اسلامیہ اس بنیادی عنصر فتح سے محروم ہو گئی جسے ہم علم کہتے ہیں۔ قوموں کے عروج و زوال تحصیل علم اور تحقیق و جستجو سے مرتب ہوتے ہیں۔ جب مسلمانوں سے علم رخصت ہوا شروع ہو گیا تو شہر فارابی سے، شہر ابن رشد سے تحافتہ الفلاسفہ سے قرطبہ سے Travel کرتا ہوا لندن یونیورسٹی تک آیا، کیمبرج تک آیا، آکسفورڈ تک گیا۔ یورپ میں نئی تحریکات نے جنم لیا جنہیں ہم Renaissance اور Reformation کہتے ہیں۔ تحریک احیائے مذہب اور تحریک احیائے علوم شروع ہو گئیں یہ کتنی عجیب سی بات ہے

What we lost, they started gaining. تحریک احیائے علوم سے بڑے بڑے سکالرز نے جنم لیا اور آج بھی Modern فلاسفی کا باوا آدم ڈیکارٹ ہے۔ اگر آپ اس کی کتابیں پڑھیں تو حیرت سے یہ انکشاف ہو گا کہ غزالی کی مثالیں لفظ بلفظ اس نے اپنے نام سے درج کر دیں۔ حجتہ الاسلام محمد بن احمد الغزالی نے جو Proposition اور مثالیں دی تھیں، ڈیکارٹ نے وہ اپنی کتاب میں بالکل اسی طرح بغیر شرمائے نقل کر دیں۔ یہ کسی اور کی چیز تھی اس نے اپنے نام سے منسوب کر دی۔

یہ زوال مملکت اسلامیہ میں ایسا ظاہر ہوا کہ رفتہ رفتہ ان کی تعلیم، افکار اور ترقی سب زوال آمادہ ہوئے اور

Muslims lost their supremacy, military supremacy and above all supremacy in knowledge and understanding.

یہ وہ دور تھا جس میں یورپ کی آگہی نے اسے تیزی سے آگے بڑھاتے ہوئے مسلمانوں کو Outpace کر دیا اور جہاں جہاں ایک متقابل صورت حال پیش آتی گئی تو مسلمان بتدریج انحطاط کا شکار ہوتے گئے اور اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ اس دوران کوئی بڑا Mystic ٹیچر بھی پیدا نہیں ہوا۔ اسلام میں ہمیشہ جو سب سے بڑا Survival رہا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسلام میں جب کبھی بھی انتہائی Critical Moment آیا تو ضرور کوئی بڑا صوفی استاد پیدا ہوا، جس نے ایسا غیر معمولی وژن دیا کہ عالم اسلام کو از سر نو اپنی ذہنی علمیت اور عظمت رفتہ برقرار رکھنے میں مدد ملی اور امت مسلمہ پر اپنے ذہنی اور اخلاقی اثرات چھوڑے۔ جب Spain میں مسلمان حکومت تباہی کے کنارے پہنچی تو غزالی کے ایک شاگرد ابویعقوب المومن نے المواحدین کی تحریک کا آغاز کیا اور دو سو سال کے لیے اسلام پھر Spain میں قائم ہو گیا۔ المواحدین کے بعد المرابطین جو یوسف بن تاشفین کی تحریک تھی ان دونوں نے اسی علمی Source سے حیات پائی اور اسی علمی زمانہ کی صحبت کا شرف حاصل کر لیا اور مذہبی ماحول کو ایک تازگی بخشی

And they were able to resurrect Islam out of the deluge of defeat.

یہی حال بغداد میں ہوا اور خلفاء مکمل تباہی اور مکمل اضمحلال کا شکار ہو گئے تو فطرت نے بغداد ہی سے الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو پیدا کیا اور ان کی وجہ سے یہ انحطاط زمانہ رکا۔ انہی کی وجہ سے مسلمان دوبارہ اپنے

Original and genuine prestigeous religion

کی طرف آئے اور انہوں نے اس زوال کو دو سو سال تک تھامے رکھا۔ ہندوستان میں سلطان محمود آف غزنہ جہاں فتوحات کی ایک بارات لے کر آیا وہاں علم کی بھی اک سوغات لے کر آیا اور سید علی بن عثمان ہجویریؒ جن کے ورودِ مسعود نے علم و معرفت کی ایک ایسی شمع روشن کی جسے بعد میں چشتیہ اصحاب نے اپنی محبت، اخلاص، نرمی، مروت اور حسن عالمگیر سے اٹھایا اور اس وقت سے خدا کے دین کی طرف Local Inhabitance کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ہوں یا خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ ہوں یا بختیار کاکیؒ ہوں یا چراغ دہلویؒ ہوں خداوند کریم نے ان بندوں میں محبت کے ایسے سوتے رکھے کہ اہلِ کفر اور اہلِ شرک خدا کی واحدنیت کی طرف مائل ہوئے۔ دنیا میں جہاں جہاں بھی اسلام پہنچا اور جہاں جہاں بھی اللہ کے یہ بندے پہنچے، یہ خالی عالم نہ تھے، یہ فقط علمائے دین نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ ان کی مذہبی وضاحتوں کے ساتھ ساتھ، ان کے اخلاق رستے چلے اور ان کی اعلیٰ ترین ذہنی صلاحیت بھی تھی۔ یہ پورے مذہب کو بار بار اس نقطے پہ لاتے تھے جہاں آج ہم Discuss کر رہے ہیں۔ تمام Mystics کا ایک رویہ رہا اور انحطاطِ اسلامیہ میں ان کا ایک رول رہا کہ عالموں کی انہوں نے Shift نہیں کی۔ انہوں نے اعمال کو خالی Shift نہیں کیا۔ انہوں نے اعمال کو Overstress نہیں کیا بلکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق "انما الاعمال بالنیات" سب سے پہلے، انہوں نے عمل سے پہلے انسانوں کی نیتوں کو درست کرنے کے لیے ایک ذہنی جدوجہد کی کیوں کہ نیت کے بغیر عمل صرف قول وفعل ہے اور قول وفعل کی ہم آہنگی بھی منافقانہ ہو سکتی ہے۔ تصوف میں 'Mystic' میں مومن میں، ولی میں، متقی میں اور اللہ کے ان نیک بندوں میں اور تمام علماء میں صرف ایک فرق تھا کہ جہاں اچھے عالم قول وفکر کے تضاد کو ختم کرنے پہ زور دیتے تھے۔ تو اہلِ خدا قول وفعل وفکر نیتوں کے تضاد ختم کرنے پہ زور دیتے تھے۔ یہ ایک حتمی تعلیم تھی جو صوفیاء اور مومنین کے گروہ نے ہمیں دی کہ تمام افعال مذہب کے بجائے خدا کے لیے رائج ہونے چاہئیں۔ رستے میں گم ہونے کے بجائے منزل کی طرف بڑھنا چاہیے، مذہب چلنے کا راستہ ہے اور Destination صرف اللہ ہے۔ جب تک آپ اپنی حتمی Destination کو پہلے متعین نہیں کریں گے، ایک بہت بڑی غلطی کا پوری امتِ مسلمہ شکار رہے گی۔ یہ غلطی ہے۔

Confusion in the sense of priority

جب تک آپ ذہنی طور پر اس بنیادی سوال کو حل نہیں کرتے کہ آپ کے ایمان کے مطابق اسلام میں ترجیح اوّل کیا ہے اس وقت تک آپ کو خدا کا مس نہیں ہو سکتا، چاہے آپ ساری عمر طلب خداوند میں گزار دیں۔ پروردگارِ عالم کسی بھی صورت میں Top Priority سے نیچے اترنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

This is one habit of God, on which he never compromises

وہ ایک اعلیٰ ترین اور مکمل ترین Priority ہے۔ تخلیقات سے نیچے اپنے مقام سے گریزاں ہے۔ جس دن کوئی مسلمان ذہناً اسے Top Priority ڈیکلیر کرتا ہے خدا اس کی ہمسائیگی میں اتر آتا ہے۔ وہ کبھی بندے سے دور نہیں ہوتا۔ پھر کیا عجیب بات ہے کہ جس مذہب کے چرچے ہم صبح وشام کرتے ہیں، جس مذہب کے قصیدے صبح وشام اخباروں میں رسالوں میں، کتابوں میں کرتے ہیں، جس کو ہم خدا کا دین کہتے ہیں، جس کو اللہ کی شناخت کا واحد

valid مذہب کہتے ہیں کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ یہ مذہب ہمیں ایک خدا شناس نہیں دے رہا۔ یہ ٹریجڈی ہے کہ آپ سوچتے نہیں ہیں کیا اپروچ میں غلطی نہیں ہے؟ کیا ہمیں یہ خیال نہیں آتا کہ اگر تمام مذہب اسلام مل کر بھی ہمیں ایک خدا شناس نہیں بخش رہا۔ ایک عبدالقادر جیلانیؒ نہیں بخش رہا، ایک علی بن عثمان ہجویریؒ نہیں بخش رہا تو دورِ حاضر میں یہ غلطی ہو گئی

Why do'nt we go back and try to think? credentials in our religion.

کیوں ہم سختی سے ایک مؤقف پہ قائم رہنے کی کوشش کرتے ہیں؟ کیوں ہم صحت خیال کو ہی Ultimate سمجھتے ہیں؟

Why do not we come back, try to think?

یہ کیا وجہ ہے کہ ہمیں خدا نہیں مل رہا وہ خدا جو "نحن اقرب الیه من حبل الورید" (ق: آیت ۱۶) کہتا ہے کہ ہم تمہاری رگِ جان کے قریب ہیں وہ لوگ کون ہیں جنہیں وہ رگِ جان کے قریب محسوس ہوتا ہے مگر خدا نے کہا "زین للناس حب الشہوات من النسآء والبنین والقناطیر المقنطرة من الذهب والفضة والخیل المسومة والانعام والحرث" (آل عمران: آیت ۱۴) اور بیویاں بچے، گھوڑے، سونے چاندی کے برتن ساری کی ساری چیزوں میں زینت دی۔ میں ان کی تلاش میں نہیں ان کی جستجو کی مسابقت میں تمہیں نہیں مل سکتا۔ اگر تم نے میری ہی مخلوق کو مجھ پر ترجیح دینا ہے اگر تم نے اپنی بہترین صلاحیتیں عقل اور وقت ان کو دینا ہے تو میں پھر تم سے نہیں مل سکتا۔ کچھ عرصہ پہلے، "50 سے 70 سال پہلے"، علامہ اقبال نے بہت بڑے مسئلے کی نشاندہی کی کہ جب یورپ اپنی جدید ترین ٹیکنالوجی Knowledgeability میں ہمارے سامنے آیا تو مسلمانوں کے دو Attitude پیدا ہوئے ایک رویہ کو Fundamentalism کہتے ہیں اور جو دونوں Attitude پیدا ہوئے وہ دونوں مسلمان کے لیے صحت مندانہ نہ تھے، ایک تقلید اور ایک تردید مغرب۔ جنہوں نے تردید مغرب اختیار کی انہوں نے علم کی کسی بھی شناخت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے یہ بالکل نہیں سوچا کہ یورپ جس سوغات علم پر آج قائم ہے، وہ ہمارے آباؤاجداد کے ورثے ہیں۔ انہوں نے اس حدیث پر غور نہیں کیا کہ حکمت میراثِ مومن ہے جہاں سے اس کا ایک ذرہ بھی ملے اٹھا لو۔ انہوں نے اس چیز پر غور نہیں کیا Fundamentalist رویوں کا صرف ایک مطلب ہے کہ علم کو قبول نہ کرنا Fundamental کا اصلی ترجمہ یہ ہے کہ اس وقت کی کسی علمی تحقیق کو قبول نہ کرنا اور اس پر غور و خوض نہ کرنا جب وہ آپ تک پہنچے اس کی تردید کرنا۔ اور یہ Fundamentalist Attitude یورپ سے اور Spain کی Inquisition سے شروع ہوا۔

اتنے Religious Barriers کے بعد جب مسلمانوں کو سپین سے ملک بدر کرتا تھا تو Inquisition بیٹھی اور Inquisition نے دو Choices دیں کہ Christianity یا Expatriation یا عیسائیت قبول کر دیا ملک چھوڑو Inquisition اس وقت لگی جب ایک متجسس فکری روح Galileo نے کائنات پر غور کرتے ہوئے کوپرنیکس کی مخالفت میں ایک اصول Cosmos دریافت کیا تو صرف اس دانشور نے Inquisition کے خوف سے معافی نامہ لکھ کے دے دیا کہ میں اپنے خیالات سے باز آیا اگرچہ وہ صحیح تھے۔ اگرچہ وہ تکنیکی علمی طور پر صحیح تھا اور آج ہم جدید

Cosmology کا بانی گلیلیو کو کہتے ہیں تو Fundamentalist Attitude یورپ سے ہی شروع ہوا اور آج بھی ہے آج اس کی شکل بدل گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان اس الزام سے بری ہے اگر وہاں ایک Adamant Attitude قائم ہے تو یہاں بھی یہ Attitude قائم ہے اور آپ غور کیجیے کہ پہلی مرتبہ جب لاؤڈ سپیکر آیا تو علمائے اسلام نے اس پہ شیطنت کا فتویٰ دیا۔ ایک سوالنامہ دیا کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دیوبند بیچ اس مسئلے کے کہ آلۂ مکبر الصوت کا استعمال جائز ہے یا ناجائز، جواب ملا کہ ناجائز۔ اس طرح قرآن حکیم بھی ایک وضاحت کرتا ہے۔

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

وہ آیت یہ کہتی تھی کہ جب حضور گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ اللہ کی تعریف کر رہے تھے تو بیچ میں لات و منات کے لفظ آئے تو اہلِ کفر نے کہا لو آج سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمارا جھگڑا ختم ہوا وہ بھی آج لات و منات کی بات کر رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنا صدمہ ہوا، اتنی رنج محسوس ہوئی کہ اللہ نے اس پر قرآن میں آیت اتاری کہ اے پیغمبر یہ تجھ سے پہلے بھی کئی پیغمبروں سے ہوا، وہ بولتے کچھ تھے اور شیاطین اس میں کچھ ملا کر دوسروں کی سماعت تک کچھ اور پہنچا دیتے تھے تو ایسا کوئی فکر و غم نہ کر۔ اس آیت کو فتویٰ میں Quote کیا گیا اور کہا گیا یہ لاؤڈ سپیکر کا ایک جگہ واقع ہوتا ہے اور آواز ادھر سنائی دیتی ہے تو بیچ میں شیطان کچھ ملا دیتا ہے۔ ایک چیز جسے Cult کہتے ہیں، جسے خود پرستی کہتے ہیں۔ بت پرستی فزیکل کم ہوتی ہیں، ذہنی زیادہ ہوتی ہیں۔ عقل جہاں رکتی ہے وہاں ایک بت پیدا ہوتا ہے۔ چاہے وہ تعصبات کا بت ہو۔ چاہے وہ کسی کی محبت کا بت ہو۔ عقل جہاں رکے گی وہاں ایک Cult ایک مندر بن جاتا ہے اور انسان صحتِ خیال کا اس قدر قائل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی Narcissisim میں نرگسیت، لذت وجود خیال میں جھک کر اپنے آپ کو Accomplished اور مکمل سمجھنے لگتا ہے، سوائے خدا کے، سوائے ان لوگوں کے جو عقل کا واحد مقصد خدا تک پہنچنا گنتے ہیں جو علم و حکمت کی بنیادی اساس قربِ خداوند کو سمجھتے ہیں جو اپنے شوق کی منزل پروردگارِ عالم کو قرار دیتے ہیں اور جو اس عظیم و حکیم رب کی قربت کی سعی کے لیے دن اور رات ''الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموت والارض'' (آلِ عمران: آیت ۱۹۱) یہ ان اہلِ صوف کا قاعدہ ہے۔ میں جذبۂ ولایت کی بات نہیں کرتا۔ جب زمانے میں بحران بڑھا Scepticism بہت بڑھا شکوک و شبہات پیدا ہونے شروع ہو گئے معتزلہ اٹھے اشاعرہ۔ ماتریدلاطینی فلسفے نے بنیاد پرستی کی دھجیاں اڑا دیں۔ اس وقت کوئی عالم انہیں جواب دینے کے قابل نہیں تھا آج بھی نہیں ہے۔ اس وقت تحقیق و جستجو کے میدان میں ایک ایسا Group of Thinkers اٹھا جنہوں نے اعلیٰ ترین تحصیلِ علم کی، جنہوں نے انہی کے ہتھیاروں سے انہی سے سیکھا لاطینی فلسفہ بھی سیکھا Roman Conjuncture بھی سیکھے، انہوں نے غور و فکر سے علومِ اسلامیہ کو نئی جہت بخشی اور ہر زمانے میں خدا پہ حجت، دلیل اور برہان قائم کی ''لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حی عن بینۃ'' (الانفال: آیت ۴۲) کیسے پروردگار نے کہا جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا، جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہو۔ کیسی عجیب بات ہے کہ خدا یہ کہہ رہا ہے جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا اور جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ Blind faith is odd خداوند کریم نے Blind Faith کے بارے میں کیا کہا۔ ذرا غور کیجیے جسے آپ اساس سمجھتے ہیں جذباتی تعلق کی، بغیر غور و فکر و تجسس

کے۔ پروردگار کو آپ اتنی Importance نہیں دیتے جتنی ایف اے اور بی اے کے امتحان کو دیتے ہیں۔ آپ اتنا ٹائم بھی اللہ کو نہیں دیتے۔ بغیر غور و فکر کے آپ نے ایک سوغات سنبھالی ہوئی ہے جو پچھلی نسلوں سے چلی آ رہی ہے۔ خدا اہل کفر کو طعنے دیتا ہے تم اگر آبا و اجداد کے دین پر قائم نہ ہوتے اور تھوڑا سا غور و فکر کرتے تو مجھے ضرور پہچان لیتے۔ یہی بات شاید ہمارے اوپر بھی لاگو ہوتی ہے۔ آپ اللہ کو بے انصاف سمجھتے ہیں کہ جو طعنہ وہ کافر کو دیتا ہے آپ کو نہیں دے گا تو تم جو اندھا دھند پیچھے سے آئی ہوئی بات کو نیچرل کر کے بلائنڈ Faith کو معراج زندگی بنا بیٹھے ہو خدا کے ساتھ انصاف تو نہیں کر رہے۔ اس نے تو عقل و شعور کا مقصد ہی صرف ایک بتایا ہے۔ اس نے عقل و شعور کا مقصد سیاست نہیں بتایا، Solving of Personal Problems نہیں بتایا، اس نے حکومتیں چلانا نہیں بتایا، اس نے تو ایک مقصد بتایا (آیت) ان ھدینا ہ السبیل میں نے تو عقل و شعور تمہیں صرف اس لیے بخشا "اما شاکرا واما کفورا" چاہو تو مجھے مانو، چاہو تو نہ مانو۔ یہ عقل و شعور تو Instrument of judgement ہے۔ معاملات زندگی میں ہمیں پرکھ کا ایک Instrument دیا گیا ہے۔ کیا جدائی کے بعد، میثاق کے دن کی جدائی کے بعد، جب ہم نے خدا کے جواب میں کہا جب اس نے ہم سے ایک سوال پوچھا "الست بربکم" (الاعراف: آیت ۱۷۲) کہ جانتے ہو پہچانتے ہو "قالوا بلیٰ" (الاعراف: آیت ۱۷۲) سوال ہی نہ تھا انکار کا۔ ایمان اس وقت جبر تھا۔ جلوہ یزداں سامنے تھا "قالوا بلیٰ" (الاعراف: آیت ۱۷۲) کسی نے سید ہجویریؒ سے پوچھا کہ خدا ظاہر کیوں نہ ہو گیا۔ اگر خدا ظاہر ہو جاتا تو یہ ایمان و بے ایمانی کا مسئلہ تھا۔ جناب شیخ نے فرمایا اگر خدا ظاہر ہو جاتا تو ایمان جبر ہو جاتا۔ مگر ایمان جبر نہیں ہے۔

All instrument of wisdom and thinking is only given to make one decision.

من ربک Who is your God? اس انحطاط کے ذمہ دار، اس علمی فکر میں جب خدا مسلمان قوم کی Top priority نہیں رہا، رسول پروردگار کی خواہش امت مسلمہ میں نہیں رہی، جب وہ سکالر جنہیں ہم صوفیاء کہتے ہیں، وہ عالم جو جنید بغدادی کی صورت میں نکلے شیخ علی بن عثمانؒ کی صورت میں نکلے، ایک ایک وہ درس، ایک ایک وہ بات جو انہوں نے انسان کی Understanding میں کہی۔ حیرت کی بات ہے کہ آج تک یورپ کا کوئی بھی Psychologist کوئی Gestalt کا فلاسفر، کوئی Ethical سکول کا مدبر، اس بات تک نہیں پہنچا جس کو آج Mystic علوم نفس میں Explain کر گئے ہیں۔ تصوف کے ساتھ بھی بڑی زیادتی ہوئی۔ یہ کیا چیز ہے؟ Greek فلسفے کا اثر ہے کسی نے کہا۔ یہ خانقاہی نظام ہے کسی نے کہا انسان کے ذہن کی اسیری ہے کسی نے کہا۔ گئے گزروں کا Stamp ہے اور اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ طریقت شریعت کی نیت تھی مختصر یہ تھا کہ جسے ہم طریقت کہتے ہیں یہ شریعت کی نیت تھی۔ جب آپ تمام شرعی اعمال بغیر نیت حصول خداوند کے کئے جا رہے ہیں تو وہ شرع ہے جب تمام اعمال رضا و محبت خداوند کے لیے کئے جائیں تو وہ طریقت ہے۔ اسی لیے بخاری نے جب حدیث بخاری مرتب کی، اعمال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقل کیا اس کے پس منظر کو بیان کیا تو ساتھ ایک بات ابتدائیہ میں لکھی کہ میں باب الایمان میں سب سے پہلے اس حدیث کو لایا ہوں کہ تمام افعال بغیر فلاسفی آف ایکٹ کے بے کار ہیں اور تمام اعمال بغیر ذہنی تصدیق کے بے کار ہیں اسی لیے میں پہلی حدیث

ایمان میں یہ لایا ہوں کہ "انما الاعمال بالنیات" (صحیح بخاری) جب تک آپ کا کوئی موقف واضح نہ ہو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگر تمہیں یہ دیکھنا ہو کہ یہ کام تم کیوں کر رہے ہو تو پہلے اس کی نیت کرلو تمہیں خود ہی پتا چل جائے گا کہ کوئی کام تم کیوں کرتے ہو؟ یہ وہ وقت ہے جب اقبال نے آکر یہ محسوس کیا کہ یورپ کے اس چڑھتے ہوئے اک فتنہ کی وجہ ہے، ابلاغ کی وجہ ہے اور اتنی زیادہ مشہور کن ایجادات کی وجہ سے، فائیو سٹار ہوٹلز کے کلچر کی وجہ سے، یہ کتنا عجیب سا لگتا ہے کہ فائیو سٹار ہوٹلز میں خدا کی بات نہیں ہوتی، اس لیے نہیں ہوسکتی کہ وہ ماحول خدا کے ماحول سے جدا ہے۔ اس لیے کہ خدا کا Concept روبہ انحطاط ہے۔ ایک پرانی سی شے ہے علی بابا کی طرح سرخ ٹوپی پہنے ہوئے بیٹھا ہوا ہے وہ دور رفتہ سے آگے نکلا ہی نہیں ہے۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ ہمارے علمی انحطاط کا یہ عالم ہے کہ قرآن کی تفسیر اور قرآن کا ابلاغ دور وسطیٰ سے آگے نہیں آیا بارھویں اور تیرھویں صدی سے آگے نہیں آیا۔

کچھ جدید مفکر جن کے علم بعض اوقات اتنے ناقص ہوتے ہیں کہ وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ جو رائے دیتے ہیں، وہ ان کی اپنی احمقانہ عالمانہ سند بن جاتی ہے۔ مثال کے طور پر حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ کیا ابوذرؓ تمہیں پتا ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ فرمایا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ کہا ابوذرؓ یہ سورج عالم بالا میں عرش بریں پر جاتا ہے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے کہ تو لوٹ۔ پھر یہ پلٹتا ہے پھر ایک دن اسے کہا جائے گا کہ تمہیں پلٹنا نہیں ہے اسی جانب سے طلوع ہونا ہے۔ اس حدیث پہ بہت اعتراض ہوتا ہے کہ غلام جیلانی برق نے اعتراض کیا۔ اس پہ غلام احمد پرویز نے اعتراض کیا۔ کہنے لگے کہ یہ حدیث خلاف واقعہ ہے خلاف واقعہ اس لیے ہے کہ سورج تو کہیں نہیں جاتا سورج تو Ecliptical Movement میں گردش کرتا ہے۔ انہوں نے اتنا صبر نہیں کیا کہ اگر کوئی چیز سمجھ نہیں آتی تو انسان کا صبر اس کا ٹھہراؤ ہے۔ وہ نئے نکتۂ علم کی تلاش کی خاطر کچھ رکتا ہے اور اپنی رائے کو Cult اور بت پرستی نہیں بناتا۔ کچھ سوچتا ہے کہ میری علوم معرفت میں کچھ کمی ہوگئی ہے۔ میں تھوڑا سا صبر کرلوں تو اگر وہ جلدی نہ کرتے اور کچھ دیر ٹھہر جاتے۔ اسی اور نوے کی دھائی کی سائنس کے انکشافات دیکھ لیتے کہ سورج مع اپنی Constellations کے بالائے عرش بریں تک جاتا ہے اور اس حدیث پر اعتراض نہ ہوتا اکثر ہمارے علماء جو اس دور میں پیدا ہوئے بجائے علمی فکر کے اضافے میں وہ مزید انحطاط کا باعث بنے۔ اور اس طرح کے ہر ایک آدمی کو اس وصف سے آگاہی نہیں تھی۔ اس کی تلاش سے آگاہی نہیں تھی۔ قربت یزداں میسر نہیں تھی۔ وہ Sincerity میسر نہیں تھی جس سے اللہ کا قرب چاہا جاتا ہے اور تلاش کیا جاتا ہے۔ جب انہوں نے اردگرد بھی وہ لوگ نہ پائے، وہ اساتذہ نہ پائے جو علم و معرفت کی انتہا پہ تھے اور قلبی علوم اور انکشافات ذات کی انتہا پر بھی تھے تو انہوں نے ایک چیز فرض کرلی کہ تصوف یا درجہ ایمان مفقود اور میسر نہیں ہے اور تمام کا تمام عملیات پہ چلتا ہے۔ تمام کا تمام زور اعمال پہ چلتا ہے۔ اس طرح Pragmatist مسلمان پیدا ہوتا ہے۔ Pragmatist مسلمان نماز اور روزہ کی پابندی کرتا ہے مگر اسے کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ وہ آرگنائزیشن میں پڑا رہتا ہے اور یہ خیال کہ امت مسلمہ کے فکری انحطاط کا باعث صرف اعمال میں کمی ہے۔ ناقص ہے انہوں نے بہترین کوششیں کیں دین کو Organise کرکے انجمنیں بنا کر ستر برس سے زیادہ عرصے تک Uplift کیا۔

Over the years not a single organisation has worked good, not a single organisation has succeeded.

ان چیزوں سے مقابلہ کیجیے کہ دس سے پندرہ سالوں میں ان صوفی اساتذہ نے چاہے وہ غزالیؒ تھے، چاہے علی بن عثمان ہجویریؒ تھے، چاہے عبدالقادر جیلانیؒ تھے انہوں نے پوری کائنات اسلام بدل دی۔ یہاں یہ ہوا کہ جن لوگوں نے ستر سال سے Organisations عملیت کی Build کیں، وہ امت مسلمہ پر کوئی اثر نہ ڈال سکے، انحطاط جاری رہا۔ یہ انحطاط اس لیے جاری رہا کہ Power is not the purpose of religion. یہ انحطاط اس لیے جاری رہا ہے کہ خدا کے بغیر دین کا کوئی مقصد نہیں ہے جب لوگوں کے دلوں سے آرزوئے طلب وجستجوئے پروردگار اٹھ جائے تو تمام دین بالکل اسی طرح ہے جیسے Christianity ہے۔ تمام دین اپنے اپنے ایک ضابطہ اصول پر قائم ہے۔ ہم کسی دین کو اس لیے برا نہیں کہتے کہ وہ دین نہیں ہے وہ ایک نظام ضرور ہے۔ وہ تبت کا لاما ہو یا Jewish Order ہو یا Free Mason ہو یا افریقہ کے شامان ہوں۔

They all believe in thier religion, what is so particular about Islam?

اگر سارے مذاہب کا مقصد God ہے تو پھر سارے مذاہب کی Approaches کو کیوں لوگ اپنا نہیں سکتے۔

Why do'nt I accept Christianity why do'nt, I accept Judaism why do'nt I become Buddhist.

بڑے خوبصورت Humanitarian فلاسفر بھی دنیا میں موجود ہیں اور اگر وہ تمام کے تمام یہ Claim کرتے ہیں کہ ان کا تفکر ان کا خیال بنیادی طور پر خدا کی طرف جاتا ہے But they have Never achieved God. اسلام اہل دل کی مجبوری ہے ”ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہُ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین“ (آل عمران: آیت ۸۵) جو اللہ کو چاہتے ہیں اسلام ان کی مجبوری ہے اگر کسی اور مذہب سے خدا مل سکتا تو دوسرے مذاہب کے لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوتے جیسے تبت کے ایک لامہ کا واقعہ مشہور ہے کہ جب اس نے ایک مسلمان عالم کے سامنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تو اس سے پوچھا گیا

Can you explian, why did you change your religion?

تو اس نے جواب دیا کہ I want God, I want peace. مجھے پچیس سال سے لاما ہونے کے باوجود یہ دو چیزیں نہیں ملیں۔ خدا ملا اور نہ امن ملا۔ اس لیے میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ اس سے کہا گیا You are telling a lie. اصل میں تمہاری Powers as a lama. ختم ہو گئیں تھیں۔ اسی لیے تو نے اسلام قبول کیا۔ اس نے کہا No this is not the case اس بات کا عملی ثبوت حاصل کرنے کے لیے تو ہانگ کانگ میں ایک بہت بڑا مناظرہ ترتیب دیا گیا جس میں اس لاما کو Challange-able پوزیشن پہ لایا گیا۔ وہاں ٹی وی کے کیمرے نصب کیے گئے۔ اور وہاں اس سے پوچھا گیا Why did you accept Islam? اور تم نے کیوں لاماز کے Order سے بغاوت کی۔ اس نے

کہا میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ پورے پچیس سال لاما رہا ہوں اور میں نے اس فیلڈ میں انتہائی پختہ ریاضت کی ہے مگر مجھے خدا ملا اور نہ امن ملا۔ اس لیے میں نے خدا کے حصول کے لیے اسلام قبول کیا انہوں نے کہا کہ تو غلط کہتا ہے You lost your Powers جب بات بہت بڑھ گئی تو اس کے بڑے لاما نے کہا تو آؤ پھر تم آجاؤ میرے ساتھ Powers کا میچ کرلو۔ اسی طرح Stage بنی ہوئی تھی وہ Stage پر چڑھا اور اس نے بڑے لاما سے کہا کہ All right If you are powerful then jump. اس کے بڑے لاما نے کہا کہ یہ کوئی بات ہے جو تو نے مجھے کہی ہے۔ اگر تو کہتا ہے کہ میری Powers ختم ہوگئی ہیں تو اس سٹیج سے مجھے Jump کر کے دکھاؤ The whole world was excited جب وہ نیچے اترنے لگا تو اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ اس کا آدھا پاؤں نیچے بالکل ساکت کسی Statue کی طرح لٹک گیا۔

Above 20 minutes it was so shocking moment.

کہ تھوڑے عرصے کے بعد اس نے پھر ہاتھ سیدھا کیا اور وہ نیچے گر گیا اور کہنے لگا کہ میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا I did not lose my powers مجھے 25 سال لاما رہنے کے باوجود خدا نہیں ملا۔

Because the only way to God, is Islam

خواتین وحضرات! یہ نعمت ہم میں موجود ہے مگر اس نعمت کو ہم کیسے ضائع کرتے ہیں؟ اس کی توہین کر کے ہم خدا کے قرب کی سعادت، اس کی محبت اور چاہت کو اس طرح ضائع کرتے ہیں کہ ہم اپنے غور وفکر کو معطل کر کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے عاری ہو کر خدا کو Totally Neglect کرتے ہیں۔ جب ہمارے پاس بہترین اور اعلیٰ صلاحیتیں اور طاقتیں ہوتی ہیں ہم اس وقت خدا کی ہمسائیگی اور قرب میں نہیں آتے۔ اور جب کسی کام کے نہیں رہتے اس وقت ہمارے دل میں خدا کی محبت جوش مارنے پہ آمادہ ہو جاتی ہے جیسے ایک بار کسی صحابیؓ رسولؐ نے گندی پڑی ہوئی کھجوریں مسجدِ نبوی میں لٹکا دیں۔ رسم یہ تھی جس کا جو کچھ زیادہ ہوتا، وہ مسجدِ نبویؐ میں رکھ دیتا اور وہ اصحاب جو رزق اور روزگار کی سبیل نہیں رکھتے تھے وہاں سے لے کر کھا لیتے تھے۔ ایک صحابیؓ نے گندی کھجوریں وہاں رکھ دیں تو پروردگارِ عالم کو اتنا غصہ آیا کہ آپ نے کہا آپ اپنی بہترین چیزیں میرے لیے نہیں دے سکتے تو بدترین تو نہ دو، کم از کم درمیانی ہی دے دو۔ ذرا غور کیجیے ہم اپنے اللہ کو بہترین عمر نہیں دے سکتے تو بدترین عمر تو نہ دیں، جب سماعت نہیں رہی جب بصارت نہیں رہی، جب زندگی کی تمام لذتیں ختم ہوگئیں۔ جب تمام Senses معطل ہوگئیں اس مجبوری میں جب دنیا نے ہمیں ریٹائر کر دیا، ہم نے اپنی بہترین صلاحیتیں دنیا کو دیں اور پھر دنیا نے ایک دن ہمیں کہا کہ بڑے میاں اب ینگ بلڈ Young Blood کی ضرورت ہے اب آپ گھر جایئے۔ اللہ اللہ کیجیے آپ ریٹائر ہوئے، جب یہ نوبت آئی کہ اب کوئی اور رستہ نہیں رہا تو اس بڑھاپے میں، اس ذلت کی عمر میں جسے پروردگار ''ارذل العمر'' (النحل: آیت ۷۰) کہتا ہے۔

آپ کائنات کے سب سے بڑے مقصد کی Achievement کو جاتے ہیں۔ اس سے بڑا تضاد فکر اور کیا ہو سکتا ہے کہ جو بہترین صلاحیتوں کا زمانہ تھا، جب ہمیں پروردگارِ عالم کے لیے محبت سے جدوجہد کرنی چاہیے تھی تب ہم نے تمام Energies اور طاقت، تمام شعور چھوٹے چھوٹے Purposes کو دے دیا۔ اور جب ہم بے کار محض ہو گئے، جب ہماری زندگی کے Protective سیل سے دنیا نے ہمیں خارج کر دیا، اب ہم چلے ہیں کائنات کے خالق پر تحقیق کرنے It

Pitiful is یہ علمی فکر کی بنیادی انحطاط ہے۔ ہم نے خدا کو کبھی Serious نہیں لیا

Less than the top priority, and untill you make him the top priority.

وہ کبھی آپ کو نہیں مل سکتا۔ یہ اعمال میں نہیں، ذہن میں ہے۔ یہ آپ کے تجسس فکر کا نچوڑ ہونا چاہیے اور یہ بات بھی یاد رکھ لیجیے کہ تمام علمیت اور تمام ذہنی فکر کا ایک صرف فطری نتیجہ ہے اور وہ اللہ ہے۔ اگر آپ غور و فکر کے باوجود تحقیق و جستجو کے باوجود آپ اللہ تک نہیں پہنچ پاتے تو واپس مڑ کر دیکھیے کہ علم کہاں غلط ہے؟ آپ کی فکر میں کہاں کمی ہے؟ یہ ایک نیچرل انجام ہے غور و فکر کا۔ اللہ کے سوا غور و فکر کہیں اور پہنچتا نہیں ہے۔ دیکھیے ہر جگہ علم رک جاتا ہے۔ کوئی علم آ کے Russell پر رک جاتا ہے، کوئی Wittgenstein، کوئی گسٹالٹ اور کوئی فرائیڈ پر آ کے رک جاتا ہے۔

In one day you can finsih one full subject.

چند بڑے نام چند بڑی تحریرات۔ دو کوانٹم کی تھیوریز ایک Relativity ایک گسٹالٹ کا سکول ایک behaviourism اس کے علاوہ علم کچھ نہ تھا

If you spend one serious year you can finish the whole knowledge

علم اتنا زیادہ نہیں ہے مدتیں گزریں انسان نے تحقیق و جستجو میں اتنی تیزی سے ترقی نہیں کی! آپ اللہ اللہ کیجیے۔

اٹھارھویں صدی 1876ء کے قریب The firstly law of relativity کا Rule دیا گیا

E=mc^2 Energy can be converted into matter and vice versa is also

اور آج 1997ء تک دوسرا law true Confirm نہیں ہوا آج تک اتنی Slow Movement ہے اب جا کے کہیں Fussion Establish ہوا ہے۔ انرجی کا جو آئن سٹائن نے کہا تھا سو سال گزر چکے ہیں۔ انسانی ترقی کتنی محدود کتنی دھیرے ہے۔ اس کا اندازہ ان ترقیوں سے جو انسان کر رہا ہے

The maximum best, this is obout thirty to fourty years time

جس میں انسان نے ایک Leap لی ہے۔ اک بڑے کام میں جس کو اقبال یہ کہتا ہے۔ جس کو مختصراً علامہ نے یوں کہا ہے Reconstruction of religious thought میں تشکیل الہیات جدید میں جب انہوں نے مذہب کا دفاع کیا تو اس میں بھی انہوں نے ایک نقطے کو Point out کیا جو

I am pointing out second basic law in the Muslims mind, is that he generally feels inferior to the intellect of the West.

ہم میں اتنی خود اعتمادی نہیں ہے۔ ہم آج بھی

We generally feel inferior to intellect of the West.

ہم میں سے بہترین لوگ بھی یورپی فکر سے مرعوب ہیں۔ آج بھی ہم اپنی ہدایت عقل و شعور ایک طرف مولوی جو مغربی فکر سے مکمل طور پر انکاری ہیں اور دوسری طرف Seculars ہیں جن کا خدا اور رسول بھی یورپی فکر ہے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کو اسی فکر سے مرتب کرتا ہے جو اس نے مارکسی فلاسفی کی روشنی میں حاصل کیا ہے جو اس نے Union

Concept سے حاصل کی ہیں جو رسل کا ماننے والا ہے۔ اس فکر سے مرتب کرتا ہے اور یہ دونوں بعد المشرقین ہیں۔ ایک جہالت کی ابتدا اور انتہا میں ہے اور ایک تقلید اور مغلوبیت کی انتہا میں ہے۔

There is no independent Muslim

ہمارا دین علم کی جستجو کی بات کرتا ہے جس دین نے علم کے حصول کو فرض قرار دیا ہو اس دین کے پیروکاروں کی علمی استعداد آج ناظرہ قرآن سے آگے نہیں جا سکی ہے۔ کیونکہ ہمارے عالم اس سے زیادہ ہمیں کچھ دے ہی نہیں سکتے ہیں۔ علمی فکر میں انحطاط کیسے نہ آئے؟ کیوں کہ قرآن حکیم کے Standard پہ مسلمان پہنچ نہیں رہا۔ اللہ میں انحطاط نہیں آیا اللہ نے یہ پیکیج دین مکمل کر دیا ہے۔ کائنات کی Interpretation دے کے کتاب مبین میں لکھ کر انجام کی نشاندہی کر کے اس نے پیکیج مکمل کر دیا ہے وہ دن اس نے بتا دیا ہے۔ "اذا زلزلت الارض زلزالھا O" (الزلزال: آیت ۵) کہ اے انسان تو نے اس منزل تک آنا ہے "اذا الشمس کورت O واذا النجوم انکدرت O" (التکویر: آیت ۱) کہ سورج لپیٹ لیا جائے گا، چاند مدھم پڑ جائے گا، ستارے بجھ جائیں گے، سورج اور چاند کو ہم دوبارہ جمع کر لیں گے Big bang ختم ہو جائے گی Session پورا ہو جائے گا "کل من علیھا فان" (الرحمٰن: آیت ۲۶) خدا کہتا ہے کہ یہ تیرا انجام ہے۔ اب وہ پروردگار جو آخرت کا وقت متعین کر چکا ہے، جو آپ کے لیے انجام متعین کر چکا ہے کیا اس سے بعید ہو گا کہ درمیان میں انسانی ذہنی Intellectual Process سے نا آگاہ ہو، جو عرصہ حیات متعین کر چکا ہے، عرصہ دہر متعین کر چکا ہے، جو انجام دنیا کو مکمل کر چکا ہے۔ کیسا بے سبب انسان ہے جو Modern ہو کے سمجھتا ہے کہ اتنی Intellectual Progress کی۔ انسان کو کوئی خبر نہیں میں جب Atomic کو بحث کر رہا ہوں یا میں جب Genetic Engineering کے ماڈرن لاز کو Discover کر رہا ہوں تو

Perhaps God is not so modren today.

آج کا انسان اس Fundamental Mistake میں مبتلا ہے۔ اس کے نزدیک خدا کا خیال Judaism خدا کا ہے۔ یہودیت کا تصور خدا ہے۔ وہ اسلام کے Concept کو بھی یہودی تصور خدا کہتا ہے۔ اس کو قطعاً اس بات کا علم نہیں کہ خدائے کائنات جو ہے وہ اپنی کتاب میں مکمل انسان اور خدا تو بہت ہی دور کی بات ہے وہ تو Galaxies کا شہنشاہ ہے۔ جس کی ایک Galaxy کو سمجھنے میں ابھی تک انسانوں سے اس کی مدت کے Distance کا تعین نہیں ہو سکا۔ ایک معمولی ترین Galaxy Limit ابھی حضرت انسان کو پتا نہیں لگی۔ ایک حیرت انگیز انکشاف ہبل ٹیلی سکوپ والا، انہوں نے 11.5 ملین نہیں بلین سالوں قبل وہ دھماکہ نقل کیا جس سے نئی Galaxies بن رہی تھیں۔ 11.5 بلین سال پہلے کا جو دھماکہ ہو رہا ہے، جس میں ستارے ٹکرائے تھے اس کی لائٹ اب ہبل ٹیلی سکوپ تک پہنچی ہے۔ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ جس Galaxy میں ہم رہ رہے ہیں، یہ پندرہ ارب سال کی ہے اور اگر ہم زیادہ موثر، زیادہ طاقتور ٹیلی سکوپ بنا لیں تو ہم ابتدائے کائنات کو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ حیران کن ہے جو دنیا ہمارے ارد گرد آباد ہو رہی ہے۔ یہ قرآن کو غلط ثابت نہیں کر سکتی اور یہ قرآن کو غلط ثابت نہیں کر رہی ہے۔ ابھی بارھویں یا تیرھویں صدی میں کسی نے ابن رشد سے ایک بات پوچھی کہ تو نے عاد و ثمود کا حشر نہیں پڑھا اس نے کہا کہ تم حشر کے عذاب کی بات کرتے ہو، مجھے تو یہ بھی نہیں پتا نہیں کہ

عاد وثمود تھے کہ نہیں۔ اپنے زمانے کا سب سے بڑا فلاسفر ابن رشد تھا مگر اپنی تحقیق کے بغیر کسی چیز کو تسلیم کرنے سے بالکل عاری تھا۔ جب اسے کہا کہ تو نے عاد وثمود کا حشر نہیں دیکھا تو اس نے کہا عاد وثمود کون تھے؟ تم مجھے حشر کی بات کرتے ہو؟ میں عاد وثمود کے وجود سے ہی منکر ہوں۔ یہ Deviation تھی۔ محقق بغیر تحقیق کے قرآنی آیات کو بھی تسلیم نہیں کرتا اور حضرات کرتا بھی کیسے؟ یہ تو اب Precedents نکلے ہیں۔ Jordan اب آکے پہاڑوں کے اندر جنہوں نے گھر بنائے تھے جن کی اللہ بات کرتا ہے یہ Piece علماء نے نہیں نکالے Archaelogist نے نکالے ہیں۔ یہ تو Archaelogy کا کمال ہے کہ عاد وثمود کی بنیاد اولی اور بنیاد ثانیہ کو کھود کر قرآن کی بات کو سچ ثابت کر دیا ہے۔ اور کیا اس بات کے لیے ہمیں ان تحقیقات کا حامل نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ تمام زمانوں کے علوم میں اس امت کا حصہ ہے اگر آپ Modern علوم کی آگہی حاصل نہ کریں گے تو آپ کی تحقیق وجستجو ناکافی رہ جائے گی دو آیات ہی پر صرف غور کر لیں۔ یہ آیات کسی طور پر بھی آپ کو سمجھ آ سکتی ہیں "اولم یر الذین کفروا ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنھما" (الانبیاء: آیت ۳۰) تم میرا کیسے انکار کر سکتے ہو یہ Challengeable Statement ہے۔ تم ہوتے کون ہو میرا انکار کرنے والے You have no authority ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقنھما یہ زمین وآسمان پہلے اکٹھے تھے، ملے ہوئے تھے پھر ہم نے ان کو پھاڑ دیا "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ" (الانبیاء: آیت ۳۰) کہ ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا یہ دونوں آیات آپ کو سمجھ نہیں آ سکتیں جب تک کہ آپ علم ہیت پر نظر نہیں رکھتے۔ اس وقت تک جب آپ کی حیاتیات پر پوری تحقیق نہ ہو

These are only twenty seven thesis on the existence of earth.

اور ہر Thesis صرف ایک بات پہ Agree کرتا ہے کہ

The earth and skies were one in the bgeinning then with a big bang, and with the very big bang, the earth was torn apart.

کبھی یہ Thesis رہا کہ زندگی پانی سے پیدا ہوئی، کبھی یہ Thesis رہا کہ زندگی ہوا سے پیدا ہوئی، کبھی یہ Thesis رہا کہ زندگی Spontaneous ہے۔ کبھی یہ Thesis رہا کہ زندگی آگ سے پیدا ہوئی مگر آج کا حرف آخر سائنس پہلے Hypothesis بناتی ہے۔ ایک نظریہ Non Confirmed پھر اس کو Degree بناتی ہے It turns out to be degree, ultimately it becomes a law. بننے کا مطلب یہ ہے کہ مدتوں کی تحقیق وجستجو کے بعد ہم نے ایک Final Chapter کر دیا اور وہ Science Chapter نے یہ Final کیا ہے کہ All life is created out of water. قرآن نقل نہیں کرتا۔ قرآن اپنی Statement دیتا ہے۔ اگر آپ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں تو قرآن سے پہلے جتنے علوم گزرے ہیں، ان کی آگاہی بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر آپ قرآن نہیں سمجھ سکتے Ptolemy of Greece نے Thesis دیا جسے آپ بطلیموس کہتے ہیں کہ زمین کھڑی ہے اور ستارے اس کے گرد گردش کر رہے ہیں یہ Thesis 1523ء تک کرنٹ میں رہا اور اس کے بعد کاپرنیکس نے کہا کہ Ptolemy غلط ہے The fact is that sun is stationary. سورج کھڑا ہے اور باقی ستارے اس کے اردگرد گردش کر رہے ہیں۔ ان کے درمیان قرآن

آیا۔ ذرا دیکھیے تو سہی قرآن نے بطلیموس کا ساتھ دیا یا کاپرنیکس کا۔ قرآن نے دونوں کا ساتھ نہیں دیا۔ قرآن نے بالکل مختلف بات کی "و سخر الشمس و القمر" (الزمر: آیت ۵) قرآن نے بحیثیت ایک لاء کے کہا کہ یہ سورج چاند ستارے میں نے مسخر کیے مگر ان میں سے کوئی بھی کھڑا نہیں ہے "کل یجری لاجل مسمی" کہ یہ تمام چل رہے ہیں۔ وقت مقررہ تک۔ کوئی Laboratory نہیں ہے جنہوں نے آتو گرافیہ یا معلومات پڑھا ہوگا۔ ہم کتابوں میں پڑھا کرتے تھے کے کچھ ثابت ہیں کچھ سیار ہیں There are some stationary stars seems moving stars. مگر ان لوگوں کو قرآن پڑھنے میں کتنی مشکل پیش آئی ہوگی۔ قرآن تو کہتا تھا کہ ایک بھی ثابت نہیں ہے سب سیار ہیں۔ اٹھارہویں صدی میں آ کر بڑی بڑی دوربینیں لگیں اور کائنات کا ٹیلی سکوپ یا ریڈیو ٹیلی سکوپ مطالعہ ہوا تو ایک فائنل حجت سامنے آ گئی کہ

There is nothing stationary in the universe

پروردگار عالم کی بات حجت نکلی۔ پروردگار سچا نکلا تمام فلاسفی آف سائنسز غلط نکلیں۔

The science had to confirm the only saying of the God Almighty, they had to confrim that everything is moving in the universe. Ptolemy was wrong, Copernicus was wrong .

کیا ہمیں معیار قرآن کو پہنچنے کے لیے مطالعہ کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا ہمیں اپنی زندگی کی بہترین جد جہد کی ضرورت نہیں؟ اور کیا ہمیں ذہنی تفکر کی ضرورت نہیں؟ کیا ہمیں اس محبت اور انس کی ضرورت نہیں؟ جو ہمیں پروردگار سے محسوس ہو۔ ایک بات اچھی طرح یاد رکھیے کہ انسانی تجسس کی ایک ہی ترجیح ہے اور وہ ترجیح اول و آخر اللہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ذہن باقی کام کیوں کرتا ہے۔ غور تو کیجیے کہ جو جبر و قدر کے مسائل پر آپ اتنا غور و فکر کرتے ہیں کہ اگر میں قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہوں تو میری تو اس سے بڑی بے تکلفی ہے وہ تو مجھے سوال کرے گا۔ میں تو اسے جواب دے دوں گا۔ ساری عمر اس کے ساتھ ادھر ادھر گزاری ہے کبھی اس سے بھاگتے ہوئے کبھی اس کے پاس جاتے ہوئے تو جب وہ مجھے یہ کہے گا اے برخوردار میں نے تجھے اپنی پہچان اور اپنی شناخت کے لیے عقل و معرفت بخشی تھی تو تو نے مجھے جانا پہچانا کیوں نہیں؟ میں نے قبر کے ائیر پورٹ پر تم سے ایک ٹیکنیکل سوال پوچھا تھا کہ آگے جانا ہے تو یہ پاسپورٹ دکھا کے جاؤ گے من ربک تو تم نے صحیح جواب کیوں نہیں دیا؟ اس وقت کیا میں کہہ سکتا ہوں کہ اے پروردگار، اے مولائے کریم تو نے مجھے اس مسئلے پر سوچنے کی فرصت کب دی؟ میں تو رہا بیوی کی فکر میں، میں رہا بچوں کی فکر میں، میں رہا مکان کی فکر میں، میں رہا Status کے تجسس میں، مجھے تو نے ایک لمحہ کی فرصت تو دی ہوتی۔ میری تو ساری عقل ادھر لگ گئی، میں تو Perceive میں رہا۔ خدا کہتا ہے میرے بندے نے جھوٹ بولا۔ میں نے اسے ان میں سے کسی چیز کی ذمہ داری نہیں دی۔ تمام مقدر پروٹوکول ہے۔ ان میں سے کسی چیز کی ذمہ داری آپ پر نہیں تھی۔ آپ کو جس کام کے لیے بھیجا گیا تھا، وہ بڑا Different تھا۔ انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا (الدھر: آیت ۳) عقل و شعور، تجسس و فکر صرف شناخت خداوند کے لیے دی گئی تھی۔ آپ اسے Lesser ترجیحات پر زور دیتے رہے۔ آپ نے بیوی بچوں پر لگا دی۔

اشیائے صرف پر لگا دی اور جب وقت چلا گیا۔ ہم مسلمان تو ہیں مگر اللہ کے محبوب بندے نہیں بن سکے۔ اللہ نے آپ کو ضرور بخشنا ہے۔ یہ تو دعا ہی دیجیے حضرت معاذؓ کو ان کی آنکھوں سے لرزتے ہوئے آنسوؤں نے آپ کی نجات کا بندوبست کر دیا ہے ورنہ جو نعمت اللہ نے دی تھی، ہم اس کے حقدار نہیں تھے۔ ہم نے اس کو اس کے Basic Purpose کے لیے استعمال نہیں کیا۔ ہم نے اپنے تجسس کو Mis-use کیا۔ اگر میں اپنے ایک بھائی کو کہتا ہوں کہ بھائی پیسے لے لیں اچھے ہوٹل میں رہنا، اچھے کپڑے پہننا اور اچھا کھانا اور اپنے دوستوں سے ملنا مگر میرا ایک Letter ڈیلیور کر دینا۔ وہ تین دن کے بعد میرے پاس آتا ہے کہ میں نے بہت انجوائے کیا بڑی اچھی لائف گزاری، دو موویز دیکھیں، میں نے بہت سیر کی۔ ٹھیک ہے تم نے سرمایہ بھی لگایا اور سیر بھی کی لیکن

What about that letter,

Sorry I could not deliver the letter.

میرا حشر کیا ہوگا۔ میرے غصے اور جھنجلاہٹ کا کیا عالم ہوگا؟ کہ خدا نے رزق دیا، بیوی بچے دیے تفریح دی "وما الحیوٰۃ الدنیا الا متاع الغرور" (آل عمران: آیت ۱۸۵) ہر چیز اس نے دے دی مگر ہم نے اللہ کو جو لیٹر Deliver کرنا ہے مں ربک یہ ذہنی نفسیات کا اول اصول ہے کہ جس چیز نے آپ کو زندگی میں Possess کیا، وہی مرتے دم تک آپ کے ساتھ رہی، زندگی میں جس چیز کو آپ نے ترجیح دی، جس کی خاطر صبح و شام اپنے تصور کے چراغ جلائے اور جس خیال کو اپنے آغوشِ ذہن میں پالا اور جس کی خاطر آپ نے راتیں جاگیں وہی آپ کے ساتھ قبر تک رہی۔ اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشورہ دیا کہ دیکھو اللہ پر گمان ٹھیک رکھنا یہ گمان کیا چیز ہے؟ کہ ایک بدو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔ پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت میں حساب کون لے گا فرمایا اللہ۔ وہ ہنسا اور ہنس کے چل دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حیرت ہوئی کہ یہ ہنسنے کی تو کوئی بات نہیں۔ فرمایا دوڑو اسے واپس بلا کے لاؤ۔ آیا۔ پوچھا تو ہنسا کیوں۔ اس بدو نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے دیکھا ہے کہ زندگی میں جب کوئی اعلیٰ ظرف حساب لیتا ہے تو نرم لیتا ہے۔ لہٰذا اللہ سے بڑا اعلیٰ ظرف کون ہوگا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دیکھو اس بدو کا گمان اللہ پر کتنا اچھا ہے؟ فرمایا آخری وقت میں اپنا گمان اللہ پر درست رکھو۔ لوگ کہتے ہیں کہ تقلید اچھی نہیں ہوتی۔ بہت سارے مذاہب فکر ایسے پیدا ہوئے کہ انہوں نے کہا تقلید اچھی نہیں ہے مگر ہر ذہن کی Capacity اتنی محدود ہے کہ اگر میرے والے کو آپ کا Brain دے دیں تو آپ اگلے دن وفات پا جائیں۔ اسے تو صبر و سکون اور طاقت و استطاعت اللہ نے بوجھ اٹھانے کی دی ہے مگر وہ آپ میں نہیں ہے۔ آپ کا ذہن اسے دے دیا جائے تو وہ بے چینی اور اضطراب سے مر جائے خدا نے تمام اذہان کو ان کے کام کے مطابق ترتیب دیا ہے۔ جبر کی تعریف یہ نہیں کہ مقدر میں کیا لکھا ہے اور کیا نہیں لکھا۔ جبر کی سب سے خوبصورت تعریف اللہ کے بعد ایک مغربی مفکر نے کی۔ اس نے سائنٹفک Determinism کا فلسفہ دیا اور عجیب خوبصورت بات اس نے کی کہ جبر یہ ہے کہ ایک لمحہ زمانہ اک مقام میں سمو دیا جائے۔

A moment of time is fitted into a piece of space

اگر اللہ ایسا نہ کرتا تو زمین پر ایک بحران زندگی ہوتا ۔ کسی کو گھر نہ ملتے، کسی کو شناسائی نہ ملتی ۔ It would have been a big jumble of human beings. ایک کے بجائے سارے اکھٹے ہوتے، نہ کسی کو گلی ملتی نہ دروازہ نہ ہم آج یہاں ہوتے تو خدا نے اس لحہ زماں کو اس مکان کے ساتھ جوڑ کر آپ کو زحمت شنوائی دی اور مجھے ہمت گفتار بخشی ۔ اللہ کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس محدود دروبے کو رد کرنا ہوگا جس پر ہم قائم ہیں ۔ ایک لڑکا ایف ایس سی میں داخل ہوتا ہے ۔ ایم بی بی ایس کرتا ہے آپ بہت کہتے ہیں ۔ He has progressed ۔ وہ Specialize کرتا ہے آپ کہتے ہیں کہ اس نے ترقی کی ۔ ایک وقت آتا ہے کہ وہ اپنی Professional Heights تک پہنچتا ہے ۔ زندگی میں بڑی علمی تحقیق و جستجو کے بعد یہ مقام عالی حاصل کیا ہے ۔ It is true with every profession ایک سادہ سا موٹر میکینک بھی بیس سال کے بعد اس کا عالم یہ ہوتا ہے کہ وہ سیلف کو کنجی لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس گاڑی میں فلاں فلاں نقص ہے

Every where the professional is progressing .

ہر جگہ علم اور حکمت ترقی کرتی ہے سوائے اسلام کے ۔ یہاں ایک شخص نماز روزے سے شروع کرتا ہے اسی پر مرتا ہے ۔ کیسی عجیب بات ہے کہ دنیا کی چھوٹی چھوٹی یونیورسٹیوں کے طالب علم بہت ترقی کر جاتے ہیں اور خدائے علیم وحکیم کی طرف جانے والا بالکل وہیں کھڑا رہتا ہے جہاں وہ ازل سے کھڑا ہے ۔ مجھے تو اللہ میاں میں کوئی قصور نہیں لگتا بنیادی طور پر It is our thought ہم اس مرتبہ علیت تک نہیں پہنچتے جس پر خدا اور اس کا قرآن قائم ہے ۔ جس پر وہ تعلیم قائم ہے ۔ بنیادی طور پر دو Faith ہیں ایک تو ہماری مذہبی فکر کے سامنے ہمارا جو احساس کمتری ہے کبھی ہم اس کا شدت سے انکار کر کے Stubborn Animals ہو جاتے ہیں اور دوسرا یہ کہ کبھی اسے شدت سے قبول کر کے ہم بعینہٖ اپنا احساس ذہن کھو بیٹھتے ہیں ۔ یہ دونوں Faith ہم میں موجود ہیں اور دوسری اہم بات مدت ہوئی ہماری ترجیح اول کھو گئی ہے ۔ ہم اسلام مانگتے ہیں ہم Religion کی پرستش کر رہے ہیں ۔ ہم خدا کی پرستش نہیں کر رہے ۔ جب تک ہمارے اذہان میں یہ ابہام Clear نہیں ہوگا کہ

Riligion is not important, God is important. And riligion is for God and God is not for riligion.

اس وقت تک ہمارا مذہب ایک صحیح بنیاد پر استوار نہیں ہو سکتا

This is matter of totality.

اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو خدا نے وعدہ کیا ہے ۔ بہت بڑا وعدہ اور اتنا کھلا اور کشادہ وعدہ کہ پروردگار کے وعدے پر اعتبار نہ کرنا، عجیب سا لگتا ہے "ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنینO " (آل عمران : آیت ۱۳۹) غم اور سستی نہ کرنا ۔ غم نہ کرنا ۔ مجھے قسم ہے اپنے رب ذوالجلال کی تم ہی غالب ہو، اگر اہل ایمان ہو ۔ ہم غالب کیوں نہیں ہیں؟ بڑی مدت سے نہیں ہیں، بہت صدیوں سے نہیں ہیں ۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ کو سمجھ نہیں آتی ۔ As simple is that ہمارے علمی فکر میں مکمل انحطاط نے ہمیں Basic ترجیحات سے غافل کر دیا ۔ ہم دین اور عمل کی

بہت زیادہ باتیں کرتے ہیں مگر دین کی غرض و غایت سے آگاہ نہیں ہیں۔ ہماری زندگی کی نفسیات اللہ کے احکام سے مرتب نہیں ہوتی۔ ہماری فکر پر کسی Guiding Spirit کا سایہ نہیں ہے۔ ہم تمام تر جہات سے نپٹنے کے بعد عمر آخر میں اللہ کی طرف جاتے ہیں۔ ہم اپنے علمی مسلک میں اتنے کمزور ہیں کہ ہم نے اپنی Interpretation کا کام سب سے کم تر علوم والوں کو دے رکھا ہے اور ہم نے کبھی محنت نہیں کی۔ سوچا تک نہیں کہ ایک بی اے کے لیے چودہ برس گزر گئے۔

سوالات و جوابات

حقیقی شہید کون ہے؟

سوال: دوست کہتے ہیں کہ آپ کی باتیں بڑی اچھی ہیں اور ہمیں سمجھ بھی آرہی ہیں لیکن اگر مسلمانوں کے پاس پندرہ سو سال سے واقعی یہ سارا کچھ تھا تو یہ اس وقت کیوں ہو رہا ہے کہ مارنے والوں کو یہ نہیں پتا کہ کیوں مار رہا ہے۔ مرنے والے کو یہ نہیں پتا کہ میں کیوں مارا جا رہا ہوں اور کہنے والا دونوں کو شہید کہہ رہا ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! بڑی سادہ سی بات ہے۔ شاید میں پھر کہوں گا کہ Scientific Temper میں ایک بات تو ہونی چاہیے کہ کم از کم اعتراض کرنے والے کے پاس بھی Data ہونا چاہیے۔ جواب دینے والے کے پاس بھی تو کوئی معقول بات ہونی چاہیے۔ اگر آپ ذرا، یعنی پچھلے کوئی تین ہزار سال کی تاریخ دیکھیں تو After the advent of Islam، اسلام کے آنے کے بعد، پوری دنیا پر مسلمانوں کا تیرہ سو برس غلبہ رہا۔ رومن ایمپائر ڈیڑھ سو سال کے بعد ختم ہو گئی، Greeks پچاس سال کے بعد ختم ہو گئے، بڑی بڑی جو ایمپائرز دنیا میں قائم ہوئیں ان کی زندگیاں نظریاتی نہیں شخصی تھیں۔ کوئی سو سال بعد ختم ہو گئی، کوئی ڈیڑھ سو سال بعد ختم ہو گئی۔ صرف ایک ہی System of thought ہے۔ تیرہ سو برس مسلسل اس دنیا پہ حکمرانی کی ہے بلکہ سولہویں صدی تک یہ عالم تھا کہ دنیا پہ تین بڑے بادشاہ تھے اور تینوں مسلمان تھے۔ ایک طرف اکبر اعظم تھا۔ ایک طرف سلطان سلیمان ذیشان تھا اور ایک طرف سلطان عباس اعظم تھا۔ بہر حال تبدیلی تو ہوتی ہے کیونکہ یہ قانون فطرت ہے لیکن مسلمانوں کے زوال کے اسباب علم سے پہلو تہی، آباؤ اجداد کے شعار سے دوری، اخلاقی اور معاشرتی بے راہ روی، فتح کو مستقل سمجھنے کی غلطی اور خدا کی بندگی سے انکار شامل تھا۔ پھر اللہ جیسے فرعون کے بارے میں کہتا ہے کہ ہم نے چاہا کہ اس کی قوم کو رسوا کریں۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا حائل نہ ہوتی تو اس وقت پورا عالم اسلام غلام ہوتا۔ مگر شب معراج، سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعا فرمائی کہ اے میرے اللہ میری امت پر کسی کو غلبہ نہ دینا۔ امت کا لفظ استعمال کیا تو جزوی غلبے تو ضرور ہوئے مگر پوری ملتِ اسلامیہ پر کبھی کوئی دوسری قوت غالب نہیں آئی اور جس پر تھوڑا چند عرصہ غالب ہوئے سو پچاس سال میں تمام مسلمان ملک آزاد ہو گئے۔ اور ماشاءاللہ مگر اس آزادی کے بعد بھی مسلمانوں نے رجعت اسلام نہیں فرمائی۔ اب چونکہ ذلت رسوائی اور اپنی کچھ Shortcomings کا احساس شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے۔ کچھ غیرت بھی رفتہ رفتہ جاگ رہی ہے۔ اب

انشاء اللہ تعالیٰ العزیز کوئی زیادہ دنوں کی بات نہیں ہے ہم چونکہ ایک دورِ ابتلا اور Transition کی پیداوار ہیں اور بظاہر یہی لگتا ہے کہ مغرب کا تسلط اب اور زیادہ دیر تک قائم نہیں رہے گا۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ Within twenty five years اگر مہدیؑ اور عیسیٰؑ نہ آئیں تو پھر بھی مشرق کو مغرب پر دوبارہ غلبہ حاصل ہوگا۔ اور اس کے لیے کسی معجزے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ قانونِ پروردگار ہے کہ کائنات میں برابر تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن یہ الگ بات ہے کہ اللہ اگر خصوصی عنایت فرمائیں اور بندگان عالی پہ ترس فرمائیں اور حریم ناز کے ان متلاشیوں میں خدا کی تلاش اور جستجو پیدا ہو جائے تو پھر معاملہ کچھ مختلف ہوگا۔

گناہ اور ثواب کے اثرات

سوال: پروفیسر صاحب آپ نے اپنی تقریر میں کہا کہ کچھ لوگ ساری زندگی نیکیاں کرتے ہیں اور عمر آخر میں ان سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو جاتا ہے کہ خدا فیصلہ کرتا ہے کہ وہ جنت میں نہیں جائے گا' دوزخ میں جائے گا یا اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ کیا یہ ناانصافی نہیں ہے؟

جواب: اب دیکھیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث واضح ہے کہ لوگوں کو اپنا پتا نہیں ہوتا یا پتا ہوتا ہے تو تمام عمر اپنی غلطیوں کا احساس نہیں کرتے لیکن اللہ ایسا نہیں کرتا بلکہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کا عمل ضائع نہیں کرتے جیسے ایک شخص ہے جو پانچ وقت نماز پڑھتا ہے ساری عمر ذکر کرتا ہے مگر ایک ایسا عمل کر بیٹھتا ہے کہ اپنے سارے کیے دھرے پر پانی پھیر دیتا ہے۔ میں لٹریچر کی آپ کو مثال دیتا ہوں۔ انگریزی ادب میں ''چاسر'' کو بہت بڑا شاعر کہا جاتا ہے۔ پندرھویں صدی کی شاعری کی ابتدا اس سے ہوئی۔ اس نے ایک خاتون اور ایک پکانے والے کا بہت ذکر کیا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق ایسا بہترین Cook سارے زمانے میں نہیں۔ وہ سلاد بنا لیتا تھا اور پلاؤ بھی پکا لیتا تھا۔ جہاں جاتا تھا اس کے کھانوں کی دھوم ہوتی تھی مگر ساتھ ہی اس نے ایک چھوٹا سا جملہ لکھا ہے کہ اس کی ٹانگ پر ایک بڑا ذلیل پھوڑا تھا۔ اب بتائیے اس Cook سے کون کھانا پکوائے گا۔ جس کی ٹانگ سے غلاظت ٹپکتی ہو۔ اس سے کون کھانا پکوائے۔ یعنی اتنی ساری تعریفوں کے بعد ایک جملے نے اس بے چارے کک کی مٹی پلید کر دی۔

اب خواتین و حضرات ایک آدمی ساری زندگی عبادت کر رہا ہے اور یہ واقعہ میرے اس شہر میں پیش آیا آپ کو سناتا ہوں۔ مسجدوں کا غلام' پانی پلانا اس کا کام' صفیں بچھانا سب کچھ اس کے سپرد' اذان بھی دے رہا ہے۔ بے چارہ' جمعہ کو نعت بھی پڑھ رہا ہے اور ساری زندگی ہو گئی۔ ایک دن کوئی پچاس سال کے بعد ایک باہر سے International Narcotics کی ٹیم آتی ہے اور موصوف کو اٹھا کے لے جاتی ہے کہ یہ تو ہیروئن کا ڈیلر ہے۔ اب آپ بتائیے وہ سارے نیک کام کس کھاتے میں جائیں گے؟ خدا اور حدیث یہ تو نہیں کہتی ہے کہ وہ نیک کام کرتا تھا۔

آپ دور کیوں جاتے ہو تخلیقِ پاکستان کے وقت دیکھو مسجدیں' عمامے' لبادے شیخ العرب والعجم' مجتہد العصر سارے کے سارے ایک طرف جب کہ دوسری طرف ایک ایسا آدمی تھا جسے نہ نماز روزہ کا اور نہ نیکی کی پروا تھی بلکہ وہ ایسا نازک مزاج اور نازک تن آدمی تھا کہ جس کا سگار ہوانا سے' ہیٹ انگلستان سے اور کپڑے فرانس سے بنتے تھے۔ نہایت

مشکل سے ڈھونڈ کرلایا گیا مگر پاکستان قائم کر کے ہٹا اور تربیت کا یہ عالم تھا کہ کسی نے پوچھا کہ اے قائد اعظمؒ تجھے اتنی محنت کر کے اس مصیبت میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی تو اس نے جواب دیا کہ وہ صرف یہ جانتا ہے کہ جلد از جلد اپنا کام پورا کرے اور جب خدا کے حضور جائے تو اسے خدا کہے کہ

Well Done Mr. Jinnah.

حدیث کے اس Pattern اور اس Pattern میں بس اتنا سا فرق تھا کہ تمام عمر کا ایک کام ایک لمحے میں نمایاں ہو جاتا ہے اور لمحہ صداقت کا قیدی ہو جاتا ہے۔

حضورؐ پر جادو کیسے اور کیوں ہوا؟

سوال: آپ نے اپنی گفتگو میں جادو کے تصور کی نفی کی ہے اور حضورؐ پر جادو کیسے ہوا اور قرآنی آیات کا نزول اس کے توڑ کے لیے کیوں ہے۔

جواب: صاحب! یہ آپ کا سوال بہت اچھا ہے۔ اللہ نے پیغمبر کو ایک Demonstration کا کام دیا ہے۔ وہ آیات الٰہی کو Demonstrate کرتا ہے۔ پیغمبر اور عام استاد میں فرق ہوتا ہے کہ میں ایک پریکٹیکل کیفیت سے گزرے بغیر بھی Lesson دے سکتا ہوں۔ فرض کیجیے میں آپ کو تصوف پہ Lesson دے رہا ہوں تو آپ مجھ سے پوچھ سکتے ہیں کہ کیا میں اس کیفیت سے گزرا ہوں۔ تو میں کہوں گا نہیں۔ میں اس کیفیت سے نہیں گزرا ہوں مگر پھر بھی یہ باتیں میں نے بائی کیلگری حاصل کی ہیں اور آپ کو پہنچا رہا ہوں۔ مگر چونکہ قرآن کی ٹیچنگ کا Law یہ ہے کہ "لم تقولون مالا تفعلون" (الصف: آیت ا) تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پہ عمل نہیں کرتے۔ لہٰذا پیغمبر کا کام قرآن کی ہر آیت کی Proper Demonstration دینا اور Cause اینڈ Effect کے چینل سے Demonstrate کرنا ہے۔ اب دیکھیے اس زمانے میں کہانت، جادو، سحر بہت زیادہ تھے۔ ابن خلدون نے مقدمہ میں لکھا کہ اس زمانے میں لوگ چالیس چالیس دن کے لیے، مٹکوں میں روغن بادام بھر کر ان میں بیٹھ جاتے تھے ان کا صرف سر مٹکوں سے باہر ہوتا تھا اور وہ صرف بادام کھاتے تھے۔ چالیس دن تک ان کا مسلسل بادام کھانا اور روغن بادام میں بیٹھنے کا اثر ہوتا تھا کہ وہ ایسی Concentrations Gain کر لیتے تھے کہ وہ جنات سے محو کلام ہو سکتے تھے۔ اور اس کو کہانت کے علوم کی Base کہا جاتا ہے۔ یہ کاہن بننے کا طریقہ تھا۔ اب اس زمانے میں کہانت موجود تھی۔ کہانت اور سحر کے چھوٹے موٹے واقعات ہوتے رہتے تھے۔ خاص کر یہودیوں میں علم سحر زیادہ تھا۔ اگر آپ کو قرآن یاد ہو تو حضرت سلیمان علیہ اسلام کے زمانے میں ابتدائے سحر ہوئی اور لوگ بڑی بڑی ساحری کے کام کرتے تھے۔ قرآن حکیم میں اللہ کہتا ہے کہ میں نے سلیمان کو سحر نہیں سکھایا بلکہ۔ "وما کفر سلیمن ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر" (البقرۃ: آیت ۱۰۲) کہ شیاطین کفر کرتے تھے اور ذرا غور کیجیے گا۔ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا۔ شیاطین اللہ کا انکار کرتے تھے، Counter Powers ڈھونڈتے تھے اور لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ یہ سحر کی ابتدا کیا انجام ہے۔ پھر خداوند کریم فرماتا ہے۔

"وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت" (البقرۃ: آیت ۱۰۲) کہ ہم نے ہاروت و ماروت کو مملکت بابل اور نینوا میں صرف آزمائش کے لیے اتارا۔ سحر سکھانے کے لیے نہیں اتارا تھا۔ اللہ نے ان لوگوں کو اپنے یقین میں آزمانا چاہا اور کس چیز کی آزمائش کی کہ ملائکہ Power Intoxicant لائے، قوتوں کے فریب لائے سحر میں قوتوں کا فریب تھا، جیسے آج کل ہے۔ آج جادوگری، تعویذ دھاگے والے لوگوں کو اپنی قوت کا فریب دیتے ہیں۔ اپنی حکمت عملی کو غالب کرتے ہیں تو انہوں نے کیا فریب دیا۔ مگر فریب سے پہلے ایک معمولی سی ایمان کی Testing تھی یعنی ملائکہ لوگوں کو کہا کرتے ٹھیک ہے ہم تمہیں جادو سکھا دیتے ہیں مگر ایک بات یاد رکھنا کہ وہ کسی کو "وما یعلمان من احد" وہ کسی کو علم نہیں دیتے تھے اس جادو کا، "حتی یقولا" جب تک یہ بات ان کو کہہ نہیں لیتے تھے۔ "انما نحن فتنۃ فلا تکفر" (البقرۃ: آیت ۱۰۲) دیکھو ہم فتنہ ہیں، ہم تمھاری آزمائش ہیں۔ اس چکر میں نہ پڑو۔ کفر کے مرتکب ہو جاؤ گے! آپ نے دیکھا کہ بار بار جادو سحر اور کفر مشترک آ رہے ہیں یعنی کفر نہ کرو، اللہ پہ یقین کرو، ہماری پاور، سراب کی طاقتیں ہیں۔ ہم جھوٹے ہیں ہم پہ اعتبار نہ کرو۔

اور سکھاتے کیا تھے۔ حب کے تعویذ، فراق کے تعویذ۔ جدائی پیدا کرنا، محبتیں ملانا۔ یہ وہ لوگ کیا کرتے تھے۔ اگر آپ ارد گرد ذرا نظر ڈال لیں تو پھر ان سارے تعویذ والوں کی حیثیت آپ کو نظر آ جائے گی کہ یہ جادوگری جو آپ کے معاشرے میں بابل اور نینوا سے بڑھ کر جاری ہے پانچ ہزار سال قبل کی تہذیب جس کو آپ ایک پرانی اور دقیانوسی تہذیب کہتے ہیں، اسی تہذیب کو آپ آج کے ماڈرن زمانے میں Repeat کر رہے ہیں۔ مگر اللہ کی سحر پہ رائے کیا ہے۔" ویتعلمون مایضرھم ولا ینفعھم" (البقرۃ: آیت ۱۰۲) تم ایسی بات کیوں سیکھتے ہو جس میں نہ نفع ہے نہ ضرر ہے اس کا کوئی نقصان ہے نہ کوئی فائدہ ہے۔ مگر جس شخص نے اسے مان لیا۔ اسے نقصان پہنچنا شروع ہو گیا جس شخص نے اس کو ماننے کے بجائے خدا پہ بھروسا کیا، اس کو اس کا نقصان نہیں پہنچا۔

اب آیئے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف سحر ہو رہا تھا۔ قرآن اتر رہا تھا۔ دو سورتیں ابھی منصہ شہود پہ نہیں آئی تھیں۔ ابھی دو انتہائی قیمتی اور خوبصورت سورتیں خدا کے خزانے میں اُمت محمدیہ کے لیے پڑی تھیں۔ یہ دافع سحر آیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو عطا کرنا چاہتا تھا۔ مسلمانوں پہ یہ رحمت ہونے والی تھی۔ اب پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ ان آیات کے مقاصد کو Demonstrate کریں کہ کیا حالات ہوں گے! کس قسم کی Condition سے گزرو گے اور کن حالات میں والناس اور فلق کام آئیں گی۔ سوید بن عاصم کی بیٹیوں نے جادو کیا۔ آپ ایک بات بتائیں۔ میں آپ سے سوال پوچھ رہا ہوں۔ ٹیکنیکلی کیا پہلے خدا نہیں تھا پہلے جبرائیل نہیں تھے؟ جب جادو ہو رہا تھا۔ یہ عجیب سا لگتا ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی قصور ہوا تھا کہ ان کو سزا دی جانی چاہیے تھی سو ان پہ جادو کا اثر ہو گیا تھا۔ تو پیغمبر کو "لم تقولون مالا تفعلون" (الصف: آیت ۱) Demonstrate کرنا تھا۔ وہ Effect، جس کی وجہ سے ان آیات کے نزول ہونے تھے۔ پیغمبر نے Demonstrate کیا کہ جادو اور سحر یادداشت پہ اثر ڈالتا ہے۔ پیغمبر نے ہمیں بتایا ہے کہ جادو دو کیفیات پہ مشتمل ہے۔ یہ نظر اور مائنڈ کا Obsession ہے۔ دماغ پہ جب ایک خیال Recurrance شروع کر دے جسے آپ نیوروسس یا سائیکاسس بھی کہتے ہیں، سحر ہے۔ پیغمبر نے demonstrate

کیا کہ جب میموری مسنگ شروع کر دے یا Over Concentration کی وجہ سے Simple Attitude ضائع ہونے شروع ہو جائیں تو یہ سحر کا اثر ہے۔ یہ سحر اندر اور خارجی کیفیات سے بھی ہو سکتا ہے۔ پیغمبر نے سحر Demonstrate کیا کچھ عرصے کے بعد وہ خوبصورت آیات الٰہیہ آپ کے ہاتھ میں آ گئیں۔ اب سحر کا اثر ختم ہوا۔ جو شخص آج بھی والناس اور فلق کو دافع سحر سمجھتا ہے اس پہ سحر نہیں ہو سکتا۔ یہ تحفہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو عطا کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اوپر سے گزار کے آپ کو دیا۔ اب آپ کو جادو کا کیا ڈر ہے۔ یہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلق اور والناس سے پہلے متعدد آیات قرآنی بحیثیت دافع سحر پڑھتے تھے مگر جب یہ دو صورتیں آئیں پھر صرف انہی کو اختیار کیا۔ اب آپ بتائیں کہ اگر آپ کو کسی کیفیت سحر سے آشنائی ہو اور آپ والناس اور فلق بھی پڑھ چکیں تو آپ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ صرف یہ کہ

you don't believe in God, you don't believe in Quran.

یعنی وہ منحوس جو گلی میں بیٹھا ہے اور کہتا ہے کہ تم پر تعویذ ہوئے ہیں آپ کو اس پہ زیادہ اعتبار ہے۔ قرآن پہ نہیں ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ نہیں ہے۔ سورۃ والناس پہ نہیں ہے۔ سورۃ فلق پہ نہیں ہے۔ اگر آپ کا دل شہادت دے کہ یہ دافع سحر ہیں اور رسول اللہؐ نے بتایا ہوا ہے تو جو ایک مرتبہ ہی والناس اور فلق پڑھے گا اس پر سحر کا اثر نہیں ہو سکتا۔

خواتین کو ہدف تنقید بنانے کا رواج

سوال: آپ نے لیکچر کے ریفرنس میں خواتین اور ان کے فیشن کو کوٹ کیا ہے مثلاً پائینچے اوپر کرنے کا حوالہ آپ نے دیا ہے حالانکہ ہماری سوسائٹی Male Dominating سوسائٹی ہے لہٰذا وہ ریفرنسز جن میں خواتین کو ہدف تنقید بنایا گیا ہو آپ Quote نہ کریں۔

جواب: دیکھیے نا اگر میں حوالہ نہ دیتا تو آپ کا اتنا اچھا سوال مجھ تک نہ پہنچتا۔ بات یہ ہے کہ فیشن یا Change of pattern زیادہ تر خواتین کو متاثر کرتا ہے۔ اس طبقے میں Competitive Sense زیادہ ہوتی ہے اور یہ فزیکل یا مینٹل Comparison سے ایک دوسرے کو Judge کرتے ہیں۔ آپ نے ایک نارمل میاں بیوی کو زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ سوائے ایک اونچے اور تعلیم یافتہ طبقے کے جہاں مرد اور عورت گھر سے سنور کے نکلتے ہیں۔ مگر نارمل حیات میں جب آپ دیکھتے ہیں تو آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ نارمل ایک بڑی اچھی Well Dressed عورت کے ساتھ ایک Quite Simple سا مرد جا رہا ہوتا ہے میں نے اپنی زندگی میں اکثر بہت سارے مردوں کو مشورے دیے، بھئی اچھی بھلی بیوی ہے تیری، خدا کے لیے اس کی پسند کی حد تک تو تھوڑا سا سنور کے نکل۔ تو نارمل مرد جو ہے، اپنی ذات کے بارے میں اپنے مسائل کی وجہ سے Careless ہو جاتا ہے۔ بلکہ اکثر یہ دیکھا گیا کہ عمر کے ساتھ ساتھ بہت ساری خواتین۔ فرض کیجیے اگر Facial wise مرد کو پسند نہ کریں تو وہ بولتی تو نہیں ہیں۔ مثلاً اگر ان کے Husband ڈاڑھی رکھ لیں تو دبے الفاظ میں کہتی ہیں کہ انہوں نے بے ڈھب سی ڈاڑھی رکھ لی۔ کوئی سلیقے سے رکھتے، کوئی قرینے سے رکھتے۔

بات یہ ہے کہ عورتوں کی مثال میں نے اس لیے دی ہے کہ میں نے ایک fact کی مثال دی تھی کہ باوجود اس کے کہ اہلحدیث مدتوں پائینچے ٹخنوں سے اونچے کرنے کے لیے مردوں کو کہتے رہے، اس کے برعکس ایک فیشن آیا اور اکثر اور بیشتر خواتین کے پائینچے اونچے ہو گئے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ کلچر کی زیادہ رسائی عورتوں میں ہے بلکہ ایک بڑی خوبصورت حدیث ہے کہ علم اور مسائل علم سیکھنا ہوں تو مدینے کی بوڑھی عورتوں سے سیکھو۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ لینگوئج کی حفاظت جو کلچر کا ایک بڑا معتبر حصہ ہے، ہمیشہ عورت کرتی ہے۔ دیکھیے میں ایک محلے میں، ایک مکان کی چھت پہ رہتا تھا تو صبح صبح پانی چلا جاتا تھا۔ میرے نیچے اہل زبان رہتے تھے تو صبح سویرے جب میرے کانوں میں ایک آواز آئی یعنی ماں بیٹے سے کہہ رہی تھی۔ دیکھو! پانی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے پہلے کہ یہ گریزاں ہو بدن بھگولو۔ اب دیکھیے میں تو یہ جملہ سن کر حیران رہ گیا کہ یہ ایک ماں بچے کو کہہ رہی ہے کہ پانی کا کوئی اعتبار نہیں اس سے پہلے کہ یہ گریزاں ہو، بدن بھگولو۔

اسلامی تاریخ میں سفرنامہ

رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانصیرا O

(الاسراء آیت ۸۰)

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون O وسلم علی المرسلین O والحمد للہ رب العلمین O

(الصافات آیت ۱۸۰،۱۸۱،۱۸۲)

خواتین وحضرات! میں نے بہت بچپن میں شاعری شروع کی تھی اور اگر جاری رکھتا تو گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں سب سے Young صاحب دیوان شاعر ہوتا۔ مگر شاعری میں نے بلوغت کے وقت دو وجوہات سے چھوڑ دی۔ ایک تو مجھ میں یہ احساس ہوا کہ خدا کے سوا میں کسی اور کی تعریف کر ہی نہیں سکتا اور دوسرا مجھے اس وجہ سے شاعری چھوڑنا پڑی کہ میں دوسروں سے اپنی داد کی توقع رکھنے پر مجبور ہوتا تھا اور یہ دونوں وجوہات میرے نزدیک بہت بڑا نقص بن جاتی تھیں۔ اس شخص کے لیے جس نے اندرون ذات کے سفر میں بہت سارے شجر ہائے سایہ دار کو ترک کر کے آگے بڑھنا تھا۔ بودلر نے ایک جملے میں کہا تھا کہ

Writer's every word is an act of generosity

چاہے وہ اچھا لکھے یا برا لکھے۔ ادیب کا ہر لفظ فیاضی ہے۔ صوفی اور ادیب میں بہت تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔ صرف ایک لفظ کا۔ Mystic's every act is an act of generosity اگر اس کا ہر لفظ Act of generosity ہے۔ تو Mystic کا ہر ایک Act of generosity ہے۔ قلوب میں اور انسان کی فراست عقل میں اگر آپ کو شروع سے کوئی ادب پروان چڑھتا نظر آتا ہے تو وہ سفرنامہ ہے۔ تلاش حق میں نکلے ہوئے وہ سفرنامے جو فاہیان دیون سانگ نے مرتب کیے، وہ ادیب نہ تھے مگر ان کو سفر کی تلاش نے، ان کو ان کے مظہر کی تلاش نے انہیں بدھ مت کا سراغ ڈھونڈنے، اس کی تعلیمات کا سراغ حاصل کرنے کے لیے۔ وہ دور دراز سے نکلے اور ان کے سفرنامے کے ذریعے ہمیں اس وقت کی تہذیبات کے انتہائی ماخذ نصیب ہوتے ہیں۔

مجھے آج تک Cicero کا یہ لطیف، لذیذ اور مزیدار واقعہ سننے کو نہ ملتا، اگر ایک مسافر سفرنامے میں، اس کا ذکر نہ کرتا۔ تو پلوٹارک کہتا ہے کہ میں سسرو کو ملنے جب اس کے گھر گیا اور دور دراز سے سفر کرتا ہوا اس وقت کے امام علم وعقل و

فلاسفی کو ملنے گیا تو اس کا دروازہ بند تھا اور میں نے Knock کیا تو اندر عجیب و غریب شور مچ رہا تھا۔ خوفناک چیخیں اور کربناک آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کچھ عرصے کے بعد میری دستک پر دروازہ کھلا میں نے دیکھا کہ عجیب سا منظر ہے کہ Cicero زمین پر گھوڑی کی طرح جھکا ہوا ہے اور دو چار بچے اس پر سوار ہیں، کوئی اس کے بال کھینچ رہا ہے، کوئی اس کے کپڑے نوچ رہا ہے، کوئی اسے جوتا مار رہا ہے۔ تو میں حیرت زدہ ساکت کھڑا رہا۔ میں تو اس دہر کے نادرۂ روزگار فقیہہ و عالم کے پاس آیا تھا۔ یہاں اس کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ سسرو نے پیچھے مڑ کر مجھے دیکھا اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا:

Hush, Dont tell it to anybody, till you have your children.

ایک اہم سفر اسے کی بدولت ہی کسی مقام اور جگہ سے ایک ایسا Insight Develope کرتے ہیں جو ہمیں زندگی بھر کے لیے ایسا درس، سبق یا عزم دے جاتا ہے جس کا حصول کہیں بھی ممکن نہیں ہوتا۔ مسافر اور مقامی کی یہ جنگ ادیب میں ہر وقت جاری رہتی ہے۔ وہ جو مقامی ادیب ہے وہ کوچہ محبوب چھوڑنا ہی نہیں چاہتا، اس کی زندگی کا تمام محور، وہی چہرہ، وہی رخ، وہی انداز، وہی قلب و رخسار ہیں اور وہ یہ کہنے پہ ہمیشہ کوشش کرتا ہے کہ

تیرے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

اور دوسری طرف وہ مسافر ہے جو یہ Claim لے کر نکلتا ہے کہ میں اپنے کسی جذبے کی تعلیط نہیں کروں گا۔ میں اپنی تمام انسانی رغبتوں کو کسی مقام پر ٹھہراؤ کا رتبہ نہیں دوں گا۔ مجھے Out Growth عزیز ہے میں نے بہتر آگے بڑھنا ہے، میں اپنے ہر جذبے کو آگے بڑھاؤں گا۔ اس کے نزدیک

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے

یہ دونوں Attitude اتنے مختلف ہیں مگر پورے Attitude سے ادب مرتب ہوتا ہے۔ ادھر سفر ناموں سے ادب مرتب ہوتا ہے، اور ادھر مکان سے ادب مرتب ہوتا ہے۔ دونوں میں کون بہتر و برتر ہے۔ اس کا تو شاید فیصلہ نہ ہو سکے مگر ایک خامی رہ جاتی ہے۔ ایک خامی اُدھر رہ جاتی ہے اور ایک خامی اِدھر رہ جاتی ہے۔ مقامی ادیب چیزوں کو مکمل Concentration سے دیکھ رہا ہوتا ہے اور اس کے Locale کا Visual Aspects محدود ہوتا ہے اور وہ بڑے غور وخوض سے جب اس پر رائے دے رہا ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ کو Out Grow نہیں کر رہا ہوتا۔ بہت کم شاعر ایسے ہیں جو اپنے آپ کو Outgrowt کر کے شاعری کرتے ہیں اور ایسے تمام شاعر بڑے شاعر ہوتے ہیں۔ چاہے وہ اقبال ہو، یا غالب ہو۔ جس شاعر نے جس مقام پر اپنے آپ کو Outgrowt کیا اور جس بلوغت فکر کے ساتھ اپنے ذاتی رنج و غم کو کائناتی رنج و غم بنا لیا وہاں وہ عظمت شعر سے آشنا ہو جاتا ہے۔ ہر شاعر کا بھی ایک تصوف ہے۔ میں اسے ایک بدترین اور بدکار شاعر کہوں گا جو پوری زندگی میں کم از کم چند اچھے شعر بھی تخلیق نہ کر سکے۔ کوئی بھی شاعر پچیس برس کے بعد تو کوئی اچھا شعر لکھ ہی لیتا ہے۔ اگر ایک شخص مسلسل ادب کے ساتھ جور و ستم و بلا پہ آمادہ ہی ہے تو یقین یہ ہے کہ تیس سال کی مشقت تا

مہ کے بعد دو چار اچھے شعر ضرور لکھ لے گا۔ ہر چیز کی ایک Maturity ہے Language بذات خود ایک Maturity ہے اور بسا اوقات زبان کے اشعار جو ہیں، وہ خیال کے اشعار کو مات دے دیتے ہیں اور حضرت داغ غلط دعویٰ نہیں کرتے کہ ہماری زبان، ہمارا انداز گفتگو بعض اوقات بڑے بڑے خیال کے شاعروں کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے اور باوجود اچھا خیال ہونے کے ضروری نہیں کہ اقبال کی زبان اہل زبان کو پسند آئے۔ دوسری قسم کے مسافر کے یہ تمام تجربات، ایک قسم کا Attitude ہوتا ہے۔ تمام سفرنامے ایک خواہش کو ساتھ پھرتے ہیں۔ وہ چونکہ کسی بھی Locale پہ اپنے آپ کو قائم نہیں کرتے استفادہ نہیں کرتے ایک Flamboyant سی Look ہوتی ہے۔ ایک جلدی کی نظر ہے اور جلدی کی نظر میں ان کے بعض فیصلے، بعض اندازے، بعض Ideas، بہت ناقص ہوتے ہیں۔ کہیں مسافر Defensive Mechanism ساتھ لے کر جاتا ہے۔ کہیں کہیں Aggressive Tones ساتھ لے کر جاتا ہے، کہیں کہیں اپنا احساس کمتری اس کے ساتھ چلتا ہوا نظر آتا ہے اور کہیں کہیں وہ دوسری تہذیب سے ناشناسائی کا جذبہ پہلے سے پال کر لے جاتا ہے۔ یہ سارے کے سارے انداز اور تیور سفرنامے کے مقاصد ہوتے ہیں۔ اگر آپ ابن بطوطہ کو دیکھیں تو اس انداز کے سفرناموں سے ایک بیش قیمت چیز پراسراریت ملتی ہے۔ اسرار کی خواہش سفرنامے کا سب سے بڑا حصہ ہوتا ہے اور یہ جاننے کی خواہش کہ وہاں کیا ہوتا ہے۔؟ کیسے وہ رہتے ہیں؟ کیا انداز فکر ہے؟ کیا ہماری طرح ہی وہ کامن لوگ ہیں؟ وہاں بھی کچھ Un-common attitude ہوتے ہیں۔ ہم ایک واقعہ پڑھتے ہیں کہ شارلیمان Charlemagne کے دربار میں ہارون رشید کا ایک تحفہ گھڑیال پہنچا۔ اس گھڑیال کا تذکرہ مدتوں ہم یورپی لٹریچر میں پڑھتے ہیں۔ وہ عجیب وغریب کلاک تھا کہ اس کلاک میں عین ایک گھنٹے کے بعد جو بھی وقت ہو چکا ہوتا، اس کے مطابق اس گھڑیال میں سے اتنے ہی گھوڑے دوڑتے ہوئے باہر نکلتے، ہنہناتے، اعلان کرتے اور واپس آجاتے۔ ہمیں یہ ایک مسافر نے بتایا کہ جب شارلیمان کے دربار میں یہ تحفہ پیش کیا گیا تو اس کے تمام درباری اٹھ کر بھاگ نکلے۔ بڑی مشکل سے ان کو اکٹھا کیا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ معاملہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے بادشاہ نے ہمیں یہ تحفہ بھیجا ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کے بادشاہ نے ہمیں مغلوب کرنے کے لیے جادو کیا ہے۔ ایک اسی قسم کا واقعہ ایک مسافر نے ہمیں الحمرا کی داستان میں سنایا کہ الحمرا میں سلطان وقت نے اس محل میں تالاب بنایا تھا جس کے اردگرد تمام آئینے لگے ہوئے تھے اور وہ تالاب پارے سے بھرا ہوا تھا۔ جب کسی Mechanism سے تالاب کے پارے کو حرکت دیتے تو ایسے لگتا کہ سارے کا سارا محل گرنے کو ہے۔ اس کا عکس ایسے منعکس ہوتا کہ اس کی بلند وبالا دیواریں گرتی ہوئی نظر آتیں۔ اسی زمانے میں Spanish ریاستوں کے حکمران اور تمام یورپی بادشاہوں کا ایک وفد عین اسی وقت سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ اموی بادشاہ سلطان عبدالرحمٰن ثانی تھے۔ اس کے دربار میں جب وفد آیا اور تھوڑا سا پارے کو ہلایا گیا تو چیختے چلاتے ہوئے تمام یورپی سفیر اور وفد کے امراء بھاگ نکلے کیونکہ انہوں نے یہ خیال کیا کہ شاید محل گرنے کو ہے۔ اب وہ سفرنامے جو یورپ کے بارے میں لکھے جاتے ہیں مجھے بڑے Nostalgic لگتے ہیں۔ بڑے اداس سے لگتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ ہم نہ چاہنے کے باوجود ان سے بہت مرعوب ہیں۔ مرعوب نہ ہونے کے عزم کے باوجود ہم ان سے بہت مرعوب ہیں۔ اسی ذہنی مرعوبیت کے سبب ہمیں ان کا وطن دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ سرسید احمد خان سے جو مرعوبیت شروع ہوئی وہ قرآن کی تفاسیر میں بھی داخل ہوگئی۔ جب

انہوں نے سٹیم انجن وہاں دیکھا تو سورۃ دخان کو اسی پر منطبق کر دیا۔ اسی طرح وہ ہمارے بڑے اسکالرز جو کچھ عرصے کے لیے یورپی تعلیم سے آشنا ہوئے وہ اپنی Outgrowth نہیں کر سکے۔ ایک بدقسمتی ہوئی کہ جب یورپی تعلیم یا اس وقت کے بعد ہماری اکیڈمک پراگندہ ہوئی اور ہمارے مکاتب فرسودہ ہوئے اور ہمارے قصے کہانیاں ضائع ہوئیں۔ یاد رکھیے کہ داستان ازل سے صرف دو جگہوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ تمام مسافرت کی کہانیاں صحراؤں میں، الاؤ کے گرد بیٹھنے والے مسافروں، ترکمانوں یا ان شہسواروں نے تخلیق کیں جو سارے دن کی مسافرت کے بعد صحرا میں الاؤ کے گرد بیٹھ کر صرف داستان سننے کے شائق ہوتے تھے۔ اور ایسی چیزیں سنتے کہ جو انہیں رات کو اچھی نیند سلا دیں۔ یا سمندروں کے ساحلوں پر بندرگاہوں میں جہاں دور دراز کے مسافر اترتے ہوں گے، مقامی لوگوں کو حیرت انگیز قصے سنایا کرتے ہوں گے مگر ان مسافروں میں دیار غیر میں یہ تاثر لے کر نہیں جاتا ہے۔ اور وہ Comparative classical matches ڈال رہا ہوتا ہے اور اس کے خیال میں ایک تہذیب دوسری تہذیب سے لڑ رہی ہوتی ہے۔ ہم اپنی نسل، اپنے Clash of patriotic اور Clash of civilization ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تہذیبات کی کروٹیں ایسے بدلیں کہ وہ زمانہ جس میں ایک کریڈٹ آپ مسلمان تہذیب کو ضرور دیں گے جو بڑی سربلند رہی، بالغ رہی بلکہ جب قرطبہ میں اسی ہزار حمام تھے، شانزے لیزے میں، گھٹنوں تک خواتین پائینچے اٹھا لیا کرتی تھیں کہ کیچڑ بہت ہوتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو یاد ہو گا کہ برنارڈ شا کے ڈرامہ Pigmalion میں لندن میں جو شناخت نظر آتی کہ کیچڑ میں سے گزرتے ہوئے خاتون کے پائینچے اٹھانے کو بدتہذیب کہا جاتا تھا۔ پائینچے چاہیں خراب ہو جائیں گھٹنوں کی نمائش نہیں ہونی چاہیے۔ یہ وہ مسافرتیں ہیں جو اندر کے انسانی شعور میں جاری رہتی ہیں تو فرق یہ ہے کہ علم بھی مسافرت میں ہوتا ہے۔ علم بھی سفر کرتا ہے اور سب سے بڑے تاثرات علمی طور پر ہی معاشروں میں منعکس ہوتے ہیں۔ ایک آدمی جو بغیر علم جا رہا ہوتا ہے، وہ تو مزدور ہے، کسب کرنے والا ہے۔ اس کو تو زندگی گزارنے کے سوا چند دن آنا ر زندگی بڑھانے کے سوا کسی دوسرے معاشرے سے کوئی غرض نہیں ہوتی مگر دراصل وہ لوگ جو اس تجسس کے ساتھ جاتے ہیں، کہ اگر ہم پست ہیں اور کوئی بالا ہے تو اس کے بالا ہونے کا راز کیا ہے؟ بعض اوقات سراغ رسانی ہی اس حد تک پہنچتی ہے کہ ایک مسافر علم علامہ ابوریحان البیرونی جب ہندوستان پہنچتا ہے تو پورے بارہ سال ہندو بن کر، ان کے کلچر میں، ان کے مندر میں وقت گزارتا ہے کہ ان کے کلچر اور مزاج کو اچھی طرح سمجھ لے۔ مستند تاریخ اور تاریخ اخبار الہند مرتب کرتا ہے اور یہ مسافرت کا خاصہ اس ادیب کا خاصہ ہے جو مسافرت میں جاتا ہے کہ وہ اپنی تحریر میں ایک ایسی صنف چھوڑ جائے کہ اہل ادب کے لیے ایک Curiosity پیدا کرے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اچھا سفرنامہ اس کو سمجھوں گا کہ میں نے ایک مسافر کے انداز پڑھے اور سمجھے اور اس کے طریقہ کار کو دیکھا۔ جب کبھی خدا نے مجھے وہاں جانے کا موقع دیا تو میں اس بات کا قائل ہوا کہ اس نے جھوٹ نہ بولا تھا۔ ادبیت کیا چیز ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ آپ لکھتے کیوں نہیں؟ میں نے کہا کہ لکھنے کی عمر کیا ہے؟ ادب کی زندگی کیا ہے؟ اس نے کہا کہ رہتی دنیا تک ہے۔ ایک بڑا عجیب سا حیرت انگیز اور تاریخی پس منظر یاد آیا کہ جو بھی کائناتیں پہلے تباہ ہوئیں، جو تہذیبات تباہ ہوئیں، چاہے وہ موہنجوداڑو یا ہڑپہ کی تھیں، ان کا کوئی سراغ اب باقی نہیں۔ ہم اس معاشرے کے کسی بڑے شاعر کا نام نہیں جانتے۔ ہم جس چیز کو ادبی اور دائمی سمجھتے ہیں، وہ ادب ہو یا شاعری، یا وہ انسان کے خصائص

میں سے ایک خصوصیت ہے۔ انسان کے اوصاف میں سے ایک وصف ہے، اس کے ذہنی ارتقاء کی ایک سیڑھی ہے۔ اعلیٰ ترین Values کے حامل ہونے کے باوجود Mystic کیوں نہیں ہو جاتے؟ عجیب بات ہے کہ ایک بڑا ادیب جو دنیا میں بہترین Aesthetic knowledge دے رہا ہوتا ہے جیسے آسکر وائلڈ ہے کہ

Tread lightly here, she lies under the snow,

Speak gently, she can hear the daisy grow,

جو اتنی خوبصورت Learning دیتا ہے، بدقسمتی دیکھیے کہ Homosexuality کے چارج میں جیل کے اندر جاتا ہے۔ موت پاتا ہے۔ یہ کیا عجیب بات ہے؟ کیا ادب کو ہم زندگی کا ایک ایسا پہلو سمجھیں یا ایک ایسا انفرادی پہلو سمجھیں جو کسی قسم کے اخلاقی ضوابط سے یا کسی قسم کی اخلاقی اعلیٰ Committment سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ کیا ادیب ایک ایسا Narcissist ہے جو انسان کے توازن کو بگاڑنا چاہتا ہے یا عظیم شاعر ایک Fore Runner ہے۔ اس تمام Pornographic Movies کا ان تمام Pornographic Literature کا جو پہلے لٹریچر کے لیے Values، اپنے لوگوں کو دینا چاہتا تھا۔ عرب کے لوگ آپ کو پتا ہے کہ تشبیب میں کتنے ماہر تھے؟

تو سلطان سلمان عبدالملک کے زمانے میں ایک شاعر نے تشبیب پڑھی تو خلیفہ نے کہا کہ تجھ پہ تو حد لگ گئی ہے۔ کیونکہ تو نے زنا کا اقرار کیا ہے۔ تجھ پر تو حد لگ گئی ہے۔ وہ بہت گھبرایا کہ کیا ہوا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ تو نے مجھے جو واقعہ بتایا ہے، اس کے بعد تو حد سے نہیں بچ سکتا۔ اس نے کہا! اے خلیفہ میں جھوٹا ہوں۔ خلیفہ نے کہا یہ کیسے ہے۔ تو نے تو اقرار کیا ہے اور اقرار کے بعد تو کیسے جھوٹا ہو سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ سرکار مجھ پر قرآن کریم گواہ ہے کہ شعراء تو جھوٹ کی وادیوں میں سفر کرنے والے لوگ ہیں تو بادشاہ نے کہا کہ آج تو بچ گیا۔

میں یہاں ذاتی گناہ گننے نہیں آیا بلکہ ادب اور تصوف کے مابین اس خلیج کی ضرور نشاندہی کروں گا جس کی وجہ سے ادیب بیک وقت ادیب اور صوفی ہو جاتا ہے اور ایسا اصولاً ضرور ہونا چاہیے کہ پھر ادیب کو بھی اپنے کسی نہ کسی تصور کی Outgrowth کرنی چاہیے۔ اگر اس کے پاس تحریر و تقریر کا ملکہ ہے اگر اس کے پاس انداز گفتگو ہے اگر الفاظ کہنے کا سلیقہ ہے تو پھر اسے اپنا موضوع اور اپنی Committment کسی نہ کسی اصول کے ساتھ واضح کرنا پڑتی ہے ورنہ وہ ادیب بنیادی طور پر آوارہ ہوگا۔ ایک کمیونسٹ مصنف کارل مارکس (یہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ اس کے نقش کی تعریف کر لیں یا اس کو داد دیں) کا کمال یہ ہے کہ دنیا بھر کی تمام تاریخ اپنے فلسفے کی رو سے پڑھ رہا ہے۔ وہ وہی غلام اور آقا کے فلسفے کو لے کر آگے چل رہا ہے۔ حتیٰ کہ ادب پر بھی اس نے Bolshevik اور Proletariat کی حدود لگا رکھی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ تمام چیزیں کسی Special نقطۂ نظر اور Committment سے دنیا کا Angle واضح نظر آتا ہے۔ اگر آپ کی Committment ہی نہیں ہے اور آپ کے خیال میں کسی ادب کا کوئی انجام ہی نہیں ہے۔ حیرت کی بات یہ دیکھیے کہ دنیا کی باقیات قدیم میں آپ کو جو سب سے پہلا ادبی مخطوطہ نظر آتا ہے یا جو تحریر نظر آتی ہے، وہ تصوف میں ہے۔ وہ اس سفر پر ہے جو Outgrowth کا سفر ہے۔ وہ میسو پوٹیمیہ کے Gilgamish کی داستان ہے اور اگر کچھ تحریروں میں ان آثار قدیمہ سے کچھ بچتا ہے اور ان تہذیبات میں سے جو اللہ نے تباہ کیں، ان میں سے اگر کچھ بچتا ہے تو ایک واضح ترین

داستان جو پہنچتی ہے وہ Ecedo اور گلگا مش کی داستان ہے اور وہ داستان ادب عالیہ میں شمار ہوتی ہے۔ مگر اس داستان کی مقصدیت صرف ایک ایسے متجسس بادشاہ کا سفر ہے۔ جو بالآخر اسے خدا کی طرف لے جاتا ہے جو اپنے جسم کے فاصلوں کو طے کرتا ہوا، اپنی روح کے حقائق کو طلب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ علم ہمیشہ مسافر کی طرح حاصل ہوتا ہے۔ فاہیان اور ہیون سانگ تلاش علم میں چلتے ہوئے دنیا اور علم کی منظر کشی کرتے ہیں اسی طرح ابن بطوطہ کے سفرناموں کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ جھوٹ بہت بول جاتا ہے۔ اس کے تاریخی حقائق کی تصدیق بہت مشکل ہے اور اس کے ہر سفر میں مبالغے کا ایک عنصر ضرور شامل ہوتا ہے۔ چاہے یہ مبالغہ حقائق یا کسی Defensive Mechanism پر مبنی ہو۔ جیسے عطاءالحق قاسمی کے تمام سفرناموں میں Aggressive Romanticism چیختا ہوا نظر آتا ہے۔ کہیں کہیں وہ حالات پر نظر ڈالتے ہوئے ایک Aggressive Romanticism جو اس کے اندر ہے مستنصر حسین تارڑ اپنی Individual حیثیت کو Maintain کرنا چاہتا ہے۔ صرف شرق و مغرب میں نہیں۔ مگر آپ قرۃ العین حیدر میں دیکھیں تو اس کی زندگی کا تمام ناول ہی سفرنامہ ہے اور وہ Out most board سے اس تہذیب کے Nostalgia سے کبھی آزاد ہی نہیں ہو سکی۔ وہ صدیوں کے سفر کو کبھی بھلا ہی نہیں سکی اور اس کی اول تحریر سے آخری تحریر تک اسکے Nostalgic سفر کی نمائندگی ہمیں صاف نظر آتی ہے۔

میں آپ کو سچی بات بتاؤں کہ میں نے رانجھا صاحب کے سفرنامے کی ایک ہی کتاب دیکھی۔ زیادہ نہیں دیکھ سکا۔ اس کتاب میں مجھے رانجھا ایک ایسے مسافر کی طرح نظر آیا، میں یہاں اس لیے بالکل نہیں آیا کہ

من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو

بلکہ میں اس لیے آیا ہوں کہ اگر میں پہلی صورتحال جو قرآن مجید کی آیات پڑھ کر شروع کی تھی

رب ادخلنی مدخلل صدق و اخرجنی مخرج صدق و اجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا. (الاسراء آیت ۸۰)

کہ مجھے سچ میں داخل کر کہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ دو چیزیں اس میں نظر آتی ہیں کہ سفرنامہ Individually اور Originally نہیں لکھا گیا۔ سفرنامہ میں یہ عجیب و غریب رخ اس چیز کا ہے کہ پہلے سے اگر آپ ایک تعداد دیکھتے ہیں ان کتابوں کی، جو حاجیوں کے حج کے بعد سفرنامے شروع ہوئے اور جس میں بہت سارے سفرناموں میں بڑی تازہ دلی پائی اور ان میں سے آپ دیکھیں گے کہ جو حاجی جا رہا ہے حج کو، وہ ایک سفرنامہ مرتب کر رہا ہے مگر عبدالحمید عدم نے بھی ایک سفرنامہ مرتب کیا ہے فرمایا کس قدر ربوجھ بڑھتا گناہوں کا حاجیوں کا جہاز ڈوب گیا جو مسافر وہاں دیار حرم کو جا رہا ہے، وہ حرم کے نام سے ایک سفرنامہ ضرور تحریر کرتا ہے۔ جو یورپ کو جا رہا ہے وہ یورپی اچنبھوں کی تقاسیر اپنی کتاب حقائق میں ضرور لکھتا ہے، جو روس کو جا رہا ہے صاف نظر آتا ہے کہ مخاصمت ذہن کے ساتھ جا رہا ہے، کہ میں نے اس انداز فکر کی تقلید نہیں کرنی اور اگر آدمی Pre-set Ideas کے ساتھ کسی تہذیب کے سفر کو جائے گا تو یہ ایک بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔

جب میں امریکہ گیا تو آپ کو حیرت کی بات بتاؤں کہ میں نے سفرنامہ نہیں لکھا مجھے کرپشن وہاں نظر نہیں آئی تو میں بڑا پریشان ہوا کہ میں کیا چیز واپس لے کر جاؤں گا اور کیسے ان پر تنقید کروں گا لائنوں میں کھڑا ہوا، احمقوں کی طرح آسمان

دیکھنا اور اپنی باری کا انتظار کرنا۔ لہٰذا مجھے تلاش رہی کہ میں سفر کے نقاط ڈھونڈوں کہ کل جاؤں تو میرا تو کوئی Defence نہیں ہے۔ یہ کم بخت تو بازی لے گئے ہیں، صفائی ستھرائی میں، اتار چڑھاؤ میں، دیکھنے میں، Maintenance of orders میں، Attitudes میں۔ حقیقت میں یہ بازی لے گئے ہیں۔ بالآخر مجھے ایک چیز مل گئی، میں ایک Washroom میں گیا تو اوپر لکھا ہوا تھا کہ

Not washing hands is illegal.

بڑا خوش ہوا۔ یہ وہ بد بخت قوم ہے جنہوں نے اپنے Washroom کے اوپر لگایا ہوا ہے کہ

Not washing hands is illegal.

وجہ یہ ہے کہ اگر لوگ Washroom کے بعد ہاتھ دھوتے تو یہ کبھی نہ لکھا ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بڑے غلیظ ہیں اور ہم تو پیدائشی ہاتھ روم سے نکل کر ہاتھ دھوتے ہیں۔ پہلے ماں باپ دھلاتے ہیں پھر خود دھونا شروع کر دیتے ہیں۔ ہم تو صفائی کے معیار میں یقینی حد تک ان سے بہت آگے ہیں۔ میرا خیال یہ تھا کہ کوئی تہذیب اتنی ایماندار نہیں ہو سکتی یہ میرا اصول تھا۔ Technically I would say کہ جو کچھ آپ کو نظر آتا ہے ویسے ہی نظر آنا چاہیے۔ میں چونکہ مسافر تھا تو ایک دم سے فلیش لائٹ پڑ رہی تھی تو میں نے کہا ہاتھ رکھ کے دیکھوں کہ فلیش لائٹ کے نیچے کیا جا رہا ہے۔ مجھے فلش لائٹ کے نیچے ایک عجیب سا لطیفہ نظر آیا۔ سڑکوں کے کنارے ننگے امریکی پچھے وچھے ڈالے اور اپنے ہاتھوں میں کچھ اٹھائے آوازیں لگا رہے تھے۔ میں بڑا شرمندہ ہوتا کہ بسوں سے گزرتے ہوئے یہ ریوڑیاں بیچنے والے ہماری اقدار کا بدنما داغ ہیں جن کی ترقی پر سالم دلیل ہیں یہ ذلت صرف ہمارے ملک میں پائی جاتی ہے۔ میں نے وہاں بے شمار کالے، پیلے، نیلے اور گورے لوگ ٹیلیفون ہاتھ میں اٹھائے نظر آئے۔ یہ ٹیلیفون بڑا سستا ہے۔ جب انہوں نے ٹیلیفون کی پانچ ڈالر قیمت بتائی تو میں پانچ ڈالر پھینکنے پر آمادہ ہوا میرے ساتھ والے نے کہا، یہ جھوٹا ہے۔ یہ چوری کے ہوتے ہیں، میرے ساتھ والا چونکہ مستقل امریکی تھا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ نہ لینا یہ صرف ایک منٹ چلیں گے اور بجلی لگاؤ گے تو یہ ختم ہو جائیں گے۔ میں دل میں بڑا خوش ہوا کہ اگر ہمارے اور ان کے اعلیٰ ترین طبقے میں ہم آہنگی موجود نہیں ہے تو پست لیول پہ میری اور اس قوم کے افراد میں ہم آہنگی موجود ہے۔ اور آپ کو پتا ہے کہ حب علی نہ سہی بغض معاویہ تو مشہور ہے۔ میں آگے بڑھتا گیا۔ میری نگاہ اس مسافر کی طرح تھی جو کوشش کر رہا تھا مگر ایک بات میں آپ کو بتاؤں

Finally I reached to one conclusion that clash of civilization

مجھے تو ایک بہت بڑی نسل کا انسان ملا اس نے کہا کہ پروفیسر صاحب

I came to seek help from you. I have six daughters and one of my daughter has aloped with someone. Can you help me?

میں نے کہا مدد کیا لینے آئے ہو۔ بولا، کیا وہ واپس آ سکتی ہے؟ میں نے کہا، میں وہ تو واپس نہیں لے کر آ سکتا باقی پانچ بچا سکتا ہوں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم نے اپنی بیٹیوں کو کیا دیا؟ تم یہاں جو آسانی کی خاطر آئے تھے تم نے اپنے

بچوں کو کیا دیا؟ تم نے اپنی اولاد کو اتنے اللہ میاں دیے کہ ان کے پاس چناؤ کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔ اللہ میاں نے انسان کی آزمائش بھی بتوں سے کی کیونکہ وہ بھی اس کے پیدا کردہ ہیں۔ دورِ حاضر میں دیکھو جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ بلند و برتر ہے وہاں اس نے اپنا مخالف لات، منات عزیٰ نہیں بلکہ Statue of Liberty کھڑا کیا تھا۔

امریکہ میں جب اس بت پر میری نگاہ پڑی تو بے اختیار مجھے ہنسی آئی کہ اے اللہ تو باز آ ہی نہیں سکتا۔ تجھے ہر صورت میں مخالفت کے لیے ایک بت چاہیے اور اس عصرِ حاضر میں سب سے ترقی یافتہ بت کا نام Statue of Liberty ہے خدا بند شیں پیش کر رہا ہے۔ اور آزادی کا مجسمہ آزادیاں بانٹ رہا ہے۔

اس مقابلے میں Academic Religion کہیں Exist نہیں کر سکتا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ پورا فلسفہ مذہب اس نہج میں ناکام رہتا ہے۔ علماء کو دیکھا۔

All of them were very rigid, dogmatist, and fundamentalist.

اس لیے کہ ان کے پاس Liberty کے Concept کو Match کرنے کے لیے کوئی Instrument ہے اور نہ اندازِ فکر اور نہ خیال ہے۔ ایک تازہ ترین نوجوان نسل کو Concept of Liberties بہلا سکتی ہیں۔ اسلام کے پاس ان کو دینے کے لیے کیا ہے؟

Capacity of Civilization جہاں آپ کے Dogmas پر ضرب لگاتی ہے جہاں آپ کو رسوا کرتی ہے وہاں ایک General سا سوال پوچھتی ہے۔ برطانیہ میں لوگ جب نئے نئے انڈیا سے آئے تو ان کا اندازِ فکر و نظر ذرا مختلف تھا۔ وہ اپنے رویوں، افعال اور کردار میں سخت تھے۔ مذہب بنیادی طور پر Flexies میں Dogmas کی حیثیت رکھتا ہے۔ بہت کم مذہب میں ایسا فرد پیدا ہوتا ہے کہ دو سو سال کے لیے مذہب پر اس کی چھاپ رہ جاتی ہے۔ حجۃ الاسلام محمد بن غزالی کا عروج ہوا۔ دو سو سال اسلام غالب تر آ گیا۔ ادھر مواحدین اور مرابطین کی تحریک شروع ہو گئی اس وجہ سے اسپین پر مسلمان ڈیڑھ سو سال مزید غالب آ گئے۔ اس زمانے میں ایک ایسا استاد اور عالم پیدا ہوا جو مدتوں تک قرطبہ اور استنبول پر حکمرانی کرتا رہا اور بعد میں بھی اس کے خیالات اور نظریات آکسفورڈ اور کیمبرج کی ٹیکسٹ بکس میں چمکتے رہے۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ ڈیکارٹ جملہ بہ جملہ، لفظ بہ لفظ، عین بعین، پورے کا پورا غزالی نقل کرتا ہے لیکن یہ نہیں کہتا کہ اُس نے غزالی کو نقل کیا ہے۔ مسافرت علم کا یہ عالم ہے کہ جب ہم وہاں جاتے ہیں اور مرعوب ہو جاتے ہیں۔ اس مرعوبیت کی کیا وجہ ہے۔ یہ لین دین تو صدیوں تک جاری ہے کبھی مشرق کبھی مغرب اپنی اقدار کی پستی آپ پر لازم ہونی چاہیے۔

مغرب کا ایک بہت بڑا عالم، دانشور مفکر اور ادیب، اس کے نام کے ساتھ کتنے القابات ہیں۔ ادھر میرے محلے کا مولوی ہے۔ خطیب العصر، لسان الامت، مجاہد عصر حاضر، علامہ قبلہ، مولوی، مولانا بنا پھرتا ہے۔ اگر اس آدمی کو دیکھیں تو شرمندگی علم بڑھ جائے کیونکہ ان کے Titles مغرب کے علماء کے مقابلے میں ان گنت اور زیادہ عالمانہ ہیں۔ کیا آپ نے کبھی مغرب کے علماء کے ناموں کے ساتھ اتنے ثقیل، وزنی اور ڈھیروں ٹائٹل Attached دیکھتے ہیں؟ مگر وہاں کا

تخصص یہ ہے کہ علم وجاہت طلب ہے۔ ان کا ادا کار بھی وجاہت طلب ہے۔ ان کا سکالر بھی Recognition مانگتا ہے۔ اسی طرح ہمارا عالم بھی اپنی منفرد شناخت کا حریص ہے۔ لیکن علم اس کی اولین ترجیح نہیں ہے۔ ایک زمانہ تھا جب ہمارے علماء فقط علم کی جستجو اور تحقیق کے لیے جیتے اور مرتے تھے۔ ابن سینا آخری دنوں میں بیماری کے دوران میں اپنے شاگرد سے کہنے لگا کہ طاق سے ذرا فارابی اور ارسطو کی شرح اٹھا کر دو۔ اُس نے کہا حضرت خدا خدا کرو جان لبوں پر ہے۔ نزع کا عالم ہے، رخصت ہو رہے ہیں اور آپ ابھی ارسطو پڑھنا چاہتے ہیں۔ اُس نے کہا اے کم بخت کیا تم حدیث نہیں سنی ہے کہ تلاش علم میں چلتا ہوا ہر طالب علم شہید ہے اور وہ خدا کے نزدیک اتنے بڑے رتبے کا مالک ہے کہ اس کو بڑے سے بڑے عابدوں اور محدثین سے بالا اٹھایا جائے گا۔ میں تیری طرح کلمہ پڑھوں، میں اللہ کے علوم اس طرح جانوں کہ میں آخری لمحوں میں بھی تلاش علم کر رہا ہوں۔ یہ وہ مسافرت ہے جو ہمارے پہلے لوگوں کے پاس تھی۔ اب ہم اس سے عاری ہو گئے ہیں۔ اصل میں عالم اور فاضل لوگ ہی زندگی اور معاشرے کا حسن ہوتے ہیں۔ یہ کونسا سفرِ علم ہے جو ہم کر رہے ہیں۔ اب خدا گواہ ہے کہ میں نے اس معاشرے میں کوئی Intellectual نہیں پایا بقول اقبال

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
ایک بھی صاحب سرور نہیں

اس شعر میں علامہ اقبال زندگی اور علم کے سفرنامے میں فکری غربت کے ایک سنگ میل کا پتا دے رہے ہیں اور چلتے چلتے اس کرب کا اظہار کر رہے ہیں کہ اس زمانے میں ایک بھی غیر معمولی حیثیت کا حامل کوئی صوفی دانشور نہیں ہے جو اس زمانے کے کھیت میں جدید اور تازہ خیالات ونظریات کے بیج بو سکے۔

کوئی Intellectual نیا خیال دے گا تو میں سمجھوں اور مانوں گا۔ اگر یورپ سے Existantialism بھولے بسرے سے بھٹکتی ہوئی ادھر آ گئی ہے تو پورا عصر ہی وجودیت کا ہو گیا ہے اگر ایک Existentialist ہے تو دوسرا Determinist ہے۔ اور اس کے پاس جو خیال آ گیا وہ ایک صحیفہ مقدس کی طرح ادباء پر اترا، دیکھتے دیکھتے پورا معاشرہ Determinist ہو گیا۔ اگر وہاں تھوڑی سی کایت فکر آئی اور ادیب نے ذرا Naked الفاظ میں حقائق بیان کر دیے تو ہمارے ادیبوں نے قسم کھائی کہ ہم پیچھے نہیں رہیں گے۔ ?Where lies the committment میں خود کیا ہوں؟ میرا معاشرہ کیا ہے؟ میرا ادب کیا ہے؟ میرے ادب سے تو مرے وجود کی شناخت نہیں ہوتی۔ میرے ادب سے میرے معاشرے کی شناخت نہیں ہوتی۔ اسلام سب سے بڑا مہاجر ہے، سب سے بڑا مسافر ہے۔ کہاں سے چلتا ہوا دیارِ غیر میں آ کر رکا ہوا ہے۔ عتبہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علم آخر میں بھی مہاجر ہوتا ہے۔ جہاں سے چلا ہے بڑی دور کا سفر کیا ہے۔ کئی زمانے دیکھے ہیں۔ پلٹتا ہوا یہ واپس آئے گا اور آخر کار کسی سوراخ میں چھپ کے بیٹھ جائے گا۔ And this is worry ''کل شيء یرجع الی اصلہ'' مقولہ عرب) وہ قافلہ انسان جو Cave سے شروع ہوا اور Escalator تک پہنچا ہوا ہے۔ اس نے واپس غاروں کو جانا ہے۔ شاید ان کی فہم وفراست اور بہت سارے رجائیت پسند انسان ومفکر اور دانش ور اپنی عقل ودانش سے یہ انجام آور دکریں۔

اکیسویں صدی کے دانشور جو آج اس دنیا میں ہو رہا ہے اور جو کچھ ہمارے ادیب نقل کر رہے ہیں اس کے بعد تو

یہ لگتا ہے کہ اگر خدا نے انجام دنیا آدھا دن رکھا تھا تو وہ اب ایک چوتھائی کرنے کی فکر میں ہے۔ اس لیے کہ میں سمجھتا ہوں کہ ادیب وہ ہے جو دوسرے کلچر کے ساتھ بھی ویسا ہی انصاف کرے جیسا وہ چاہتا ہے کہ اس کے اپنے کلچر کے ساتھ ہو۔ میں نے اسی لیے سفر نامہ نہیں لکھا کیونکہ امریکہ کے باشندوں میں احساس گناہ نہیں تھا۔

They were not accountable to any Religious person.

مجھے وہاں ایک انگریز نے کہا کہ اگر ہم پر خوف خدا نہ ہو تو ہم بھی صوفی ہوتے۔ میں نے اسے جواب دیا کہ تم میں صوفی کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کہ تمہاری تو مجبوری ہے۔ تم تو آزاد رہنا چاہتے ہو۔ تم دنیا کا ہر شوق رکھتے ہو، تم چاہتے ہو کہ ہر چیز کھاؤ اور شراب، کباب کے تمام شوق پورے کرو لیکن میری تو مجبوری یہ ہے کہ میں پوری ذہنی رسائی کے ساتھ یا جہاں تک میرے ذہن کی رسائی تھی میں خدا کا قائل ہو چکا ہوں۔ میرے پاس انکار کے Arguments نہیں ہیں۔ میں مجبور ہو چکا ہوں، میری Accountabilty مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں وہ افعال نہیں کر سکتا جس کے لیے خدا کی مخالفت مول لوں۔ گناہ وثواب میرے Practical اعمال نہیں، گناہ وثواب تو ارشادات خداوند میں ہیں اس کا میں جج نہیں ہوں۔ مجھے بڑے گناہ بہت خوبصورت لگتے ہیں اور بڑی نیکیاں مجھے Bore لگتی ہیں۔ میں چونکہ مجبور ہوں۔ میرا اہتمام، اعتبار اعتماد گناہ وثواب پر نہیں، ملائکہ پر نہیں ہے۔ یہ سارے اعتبارات صرف ایک اعتبار کا حصہ ہیں جو مجھے خدا پر ہے۔ لوگ مجبور ہیں۔ میں نے امریکہ میں مسافرت کے دوران یہ دیکھا کہ وہ ٹھیک ٹھاک لوگ تھے، اگر میرے سر پر خدا نہ ہوتا تو میں بھی ویسی ہی زندگی گزارنا چاہتا۔ آپ کے اور ان کے طرز عمل میں کتنا فرق ہے؟ ہم نے تو مرنا بھی ہے، اٹھنا بھی ہے، جواب بھی دینا ہے اور آخرت میں جانا ہے۔ منکر نکیرین سے ملنا ہے۔ جنت اور دوزخ کے مقامات دیکھنے ہیں۔ پھر لڑ بھڑ کر کہیں پل صراط سے گزرنا ہے، پھر حوض کوثر پر پہنچنا ہے۔ اتنی Crucial داستانیں ہمارے ذہنوں میں ہیں جن مقامات پر یہ ساری چیزیں واقع ہیں، ہاں وہ ساٹھ ستر سال کی مسافرت تو کام ہی نہیں آئے گی۔ خداوند کریم نے اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رانجھا صاحب کیا بتائیں گے کہ سفر نامہ کیا ہے۔ فرمایا ''پورے کا پورا دین ہی اس کائنات کا سفر نامہ ہے۔'' رانجھا اس مسافر کی طرح ہے کہ جس نے شائد دینداری اور پرہیز گاری کو تمام کے یہ سفر کیا ہے۔ یہ سچی بات ہے کہ رانجھا صاحب نے ایک اچھے اور نیک مسافر کی طرح یہ سفر کیا ہے۔ اگر موصوف دل و نگاہ پر کنٹرول کرتے ہوئے احتیاط سے سفر نہ کرتے تو یقیناً وہیں کے ہو کر رہ جاتے۔ کیونکہ کلچرل Aspects میں آپ کا کلچر، اس کلچر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک تقابل کی خاطر پوری تاریخ میں آپ یہ دیکھیں گے کہ اسلام کہاں کہاں آیا اور کہاں کہاں فوجیں اتریں؟ آپ حیران ہوں گے کہ بیشتر جگہوں پر کوئی مسلمان فوج نہیں اتری۔ انڈونیشیا میں کوئی نہیں اتری، سراندیپ میں کوئی نہیں اتری، موریشس میں کوئی نہیں اتری تو بیشمار جگہوں پر اسلام ہی اسلام ہے۔ مجھے ان لوگوں کی حماقت سمجھ نہیں آتی کہ ایک مسافر ان کے ساحل پر اترتا ہے اور اگلے دن سارے مسلمان ہو جاتے ہیں وہ لوگ اتنے جاہل ہیں نہیں شائد ایسا نہ ہو۔

میرے ایک جماعت اسلامی کے دوست تھے (اس وقت میرے جماعت اسلامی کے ہی دوست ہوا کرتے تھے) بڑے پکے دوست تھے کہ وہ ہر وقت مجھ سے کہا کرتے تھے کہ یہ کافر ہے وہ کافر ہے یہ زیادتی ہے، یہ عمل مسلمان کے لیے جائز نہیں۔ فلاں بات مذہب کے خلاف ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور میں ان کے اشارات سے فقرے مرتب کر لیا کرتا

تھا۔ تو وہ اتفاقاً امریکہ چلے گئے۔ کوئی سال دو سال بعد ان کی واپسی ہوئی۔ مجھے کہنے لگے یار کیا ہم لوگ زیادہ Prejudice نہیں ہیں؟ میں نے کہا کیسے۔ تو کہنے لگے کہ کتنا واہیات ہے کہ ہم نے فلاں شخص کو کافر Declare کیا ہوا ہے اور ہر وقت ہر چیز پر فتوے لگاتے رہتے ہیں۔ ہم ضرورت سے زیادہ متعصب ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آج کل نماز پڑھ رہے ہو۔ جواب دیا کہ آج کل امریکہ میں ماحول ایسا نہیں ہے کہ جہاں نماز پڑھی جائے۔ آخر کار باتوں باتوں میں پتا لگا کہ بے چارے اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہوئے کے مصداق، نیویارک اترتے ہی فلپائنی لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے کا پورا ماحول منچلا ہو گیا۔ اب یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آخر اس کلچر میں ایسی کیا طاقت ہے کہ آپ کا کلچر اسے Face نہیں کر سکتا۔ لیکن اس وقت اسلام کے کلچر میں کیا طاقت تھی کہ دنیا کا کوئی کلچر اسے Face نہیں کر سکا۔ جہاں جہاں مسلمان جاتے تھے مسلمان بنانے کی ایک فیکٹری کھل جاتی تھی۔ یعنی جدھر بھی گئے، اسلام چھوڑ آئے۔ جدھر بھی گئے مسلمان چھوڑ آئے اب تو مصیبت پڑی ہوئی ہے آج کے جدید ترین ملکوں کو کہ جہاں جہاں تیل ہے وہاں وہاں مسلمان ہیں، جہاں جہاں مسلمان ہیں وہاں وہاں تیل ہے۔ مگر اصولاً یہ ان اصحاب کا کرشمہ ہے جو کلی اور انفرادی اعتبار سے مسافرت پر نکلے ہوئے تھے۔ ان کے پاس پتا نہیں کیا تھا۔ شاید اللہ کی وہ بات سوفیصد درست نکلے کہ جب اللہ کے بندے زمین پر چلتے ہیں تو آگے آگے ایک نور سعی کرتا ہے اور جوان لوگوں کو ہر دل عزیز اور مقبول کرتا ہے۔ اور ان لوگوں کو Power of Integrity of Philosophy دیتا ہے۔ ان لوگوں کا اتنا مضبوط کلچر تھا کہ انہوں نے اپنے زمانے اور اپنے زمانے کے لوگوں کو مسخر کیا۔ بے پایاں شان و شوکت اور عزت و عظمت والی Empires ان کے زیر نگیں رہیں۔ لیکن بعد میں کیا ستم ہوا کہ کچھ درویش وہاں چلے گئے، نہ شکلیں نہ انداز نہ فکر ان کلچرز کے ٹکراؤ میں یہ فقیہہ جیت گئے اور وہ تہذیبات شکست کھا گئیں۔ It is one base کہ یہ ذہنی ٹکراؤ ہے اگر آپ کمزور ذہن کے ہیں تو آج بھی دوسری Civilizations آپ کو Suggestions دے رہی ہیں مگر ذہنی ٹکراؤ میں Dogmatic Fundamentalism کام نہیں آتا، اندھا دھند تقلید کام نہیں آتی اور اندھا دھند تقلید کے بارے میں ارشاد باری ہے ان شر الدو آب عنداللہ الصم البکم الذین لایعقلون (الانفال: ۸-۲۲) "کہ بدترین ہیں وہ انسان جو غور و فکر نہیں کرتے، جو عقل استعمال نہیں کرتے اور اندھے اور بہروں کی طرح میری آیات پر گرتے ہیں" آج کل ہر سفرنامے میں، اس احساس کی بنیاد ہمیں ملتی ہے کہ ہر مسافر اس فہم و فراست، اقرار ذات خداوند کا اپنی Priorities پر قائم نہیں ہے جو اللہ، قرآن اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دی ہیں۔ مجھے ایک بار ایک اچھے پروفیسر نے کہا کہ اس نے چودہ سال مسلسل خدا ڈھونڈا ہے لیکن اسے خدا کیوں نہیں ملا۔ تو میں نے صرف ایک جملہ کہا:

Allah is not mathematical approaches, or thesis or researches. It is the top priority of the intellectual curiosity.

اللہ کے دین کی جستجو تخلیق کار ذہن کی اعلیٰ ترین ترجیح ہے جو انسان کے نفس کی تمام ترجیحات پر مکمل غلبہ چاہتا ہے وہی Fundamentalist ہے۔

سوالات و جوابات

کیا خدا بھی خوشامد پسند ہے؟

سوال: ہم جب بھی دعا کرتے ہیں تو ہم تو خدا کو ایسے ناموں سے، جیسے غفور الرحیم ہے، سے پکارتے ہیں کیا خدا کو اپنے ان سارے Attributes اور Characters کا علم نہیں کہ خدا ایسا کیوں چاہتا ہے کہ ہم خدا کے ساتھ خوشامدی رویہ اختیار کریں؟

جواب: مولانا صاحب! ہمیں یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھایا ہے کہ اللہ چاہتا ہے کہ ہم اسے خوبصورت لفظوں سے ادب کے ساتھ یاد کریں۔ ہمیں اپنے طور پر کیسے پتا چل سکتا ہے ہمیں چونکہ یہ آداب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھائے ہیں اور ان میں یہ ادب شامل ہے کہ اللہ کو اسماء حسنہ سے پکارا جائے۔ اچھے ناموں سے۔ اور اس کے ساتھ یہ ادب بھی شامل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنہوں نے ہمیں یہ آداب سکھائے ہیں، ان پر درود بھی پڑھا جائے، درود و سلام پڑھنے کے بعد دعا کی جائے اور اس کے بعد آخر میں پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہدیہ درود، ان کی خدمت میں پیش کیا جائے، ان کے لیے پڑھا جائے۔ یہ آداب دعا ہیں اور اس میں اللہ یہ بات پسند کرتا ہے' اللہ عبادت اور عبودیت کے اظہار کو پسند کرتا ہے' اللہ تکبر کو پسند نہیں کرتا۔ جب ہم ایک عاجز بندے کی طرح اسے اچھے ناموں سے پکارتے ہیں اور درود شریف بھی پڑھتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں تو پھر وہ دعا سنتا ہے اور دعا قبول ہوتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس میں کوئی اعتراض کیا جا سکے یا جس کے بارے میں کہا جا سکے کہ خوشامد کی بات ہے۔ یہ ہمارا فرض عین ہے کہ ہم اس کا ادب بھی کریں، اس کا احترام بھی کریں۔ اس سے محبت بھی رکھیں اور ان تقاضوں کے مطابق اس کو اچھی طرح مخاطب کریں۔ کوئی بھی پسند نہیں کرتا کہ اسے غلط طریقے سے مخاطب کیا جائے۔

دوسری بات کہ خوشامد دو لفظ ہیں۔ خوش آمد ایک ایسی بات جو پسند آ گئی۔ ایک بات جو مجھ میں نہیں تھی میں نے سنی اور مجھے پسند آ گئی۔ یعنی ایک بات جس کا میں مستحق ہی نہیں تھا لیکن خدا کے معاملے میں تو یہ بات ممکن ہی نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ آپ اللہ کی جتنی بھی تعریف کریں گے، وہ اللہ کے مقام، عزت، بزرگی اور جود و سخا سے کم تر ہو گی۔ اس لیے اللہ کی خوشامد نہیں ہو سکتی۔

اللہ کے دوست کی شناخت

سوال: قرآن میں ہے کہ اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے نہ غم جبکہ سچ یہ ہے کہ سارا زمانہ خوف و غم میں مبتلا ہے۔ کیا اس زمانے میں خدا کا کوئی دوست نہیں؟

جواب: اللہ کے دوستوں کے بارے میں قرآن کریم نے کہا اور اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اللہ کے

دوست غم و حزن اور خوف سے آزاد کیے جاتے ہیں۔ مشکل میں مبتلا ہونا جو آزمائش بھی ہو سکتی ہے، درجات کی بلندی کا سبب بھی ہو سکتی ہے، وہ بالکل مختلف بات ہے۔ خوف و حزن سے مشکل کے باوجود اگر دل مطمئن ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ قرآن کی نفی ہو گئی ہے یا اللہ کے دوست ہونے کے باوجود خوف و حزن میں کیوں مبتلا ہے۔ میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ تیر پسلیوں کے آر پار ہو چکا ہے، جان کنی کا عالم ہے لیکن کہنے والا زبان سے یہ کہاں رہا ہے۔ رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہوں۔ یہاں خوف و حزن کہہ رہا ہے حالانکہ تکلیف تو ہے۔ جان بھی جا رہی ہے، خون بھی بہہ رہا ہے، درد بھی ہے، الم بھی ہے لیکن خوف اور حزن دونوں چیزیں نہیں۔

عصر حاضر میں اجماع کی ضرورت

سوال: آج کے دور میں اجماع کا عنصر غائب ہوتا جا رہا ہے۔ کیا اس کی ضرورت بھی باقی رہی ہے یا نہیں؟

جواب: خواتین و حضرات: زمانے میں بڑے بحران آتے ہیں اور یہ رسم دنیا ہے کہ دین جب اپنے اصلی مقام اور حوالے سے گرتا ہے تو بہت سارے لوگ اسے اختیار کر کے اس کی علمیت کا دعویٰ کر لیتے ہیں اور اس کے جاننے کا زعم اپنے اوپر مسلط کرا لیتے ہیں جو دراصل کسی بھی تازگیِ ذہن کے مالک نہیں ہوتے، کسی خیالاتی رفعت کے مالک نہیں ہوتے اور نہ وہ فہم و فراست کے مالک ہوتے ہیں جس سے وہ حکمتِ الٰہیہ یا حکمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادراک کر سکیں۔ آج کل ہمیں دو قسم کی مذہبی تحریکات سے واسطہ پڑتا ہے جو ایک دوسرے کے بالمقابل ہوتے ہیں ایسے مذہبی سکالرز جو بزعم خود علمیت دین کو دوبارہ زندہ کر رہے ہوتے ہیں جن میں شاید میں بھی شامل ہو سکتا ہوں اور جو یہ چاہتے ہیں کہ پورا اسلام دوبارہ نافذ العمل ہو جن کی شاید خواہشات میں کوئی دوسرا کلام نہیں ہوتا۔ وہ ایک اسلامی نظام کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور خاص کر زوال کے دنوں میں ہمارے مسلمانوں میں یہ خواہش بڑی شدید ہو جاتی ہے۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے بھی جب ایک مکمل غلامی کا دور گزر رہا تھا تو عالم اسلام میں چار بڑی مومینٹس نے یہ علم اٹھایا کہ اسلام کو پھر سے استحکام ملے۔ ان میں اخوان المسلمین مصر، تحریک محمدیہ انڈونیشیا، جماعت اسلامی پاکستان اور اسی طرح ترکی کی Relegious Organisation قابل ذکر ہیں۔ ان کا خیال یہ تھا کہ ہم اسلام کو Re-establish کریں گے اور شوکتِ گم گشتۂ اسلام واپس لائیں گے مگر اس میں دو مسئلے ذرا سنجیدہ ہوتے ہیں۔ ایک سلسلہ تو یہ کہ اپنی اس کوشش میں کہ اسلام کو علمیت کے کسی معیار پر لایا جائے وہ دراصل اس کے علمیت کے مقام اور اس کی اصل روح کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ آپ نے یہ دیکھا ہو گا کہ ان تنظیموں سے منسوب جتنے رسائل اور اخبارات ہیں وہ تصوف اسلام کے منکر ہیں۔ اسلام میں باطنی صلاحیت تصوف سے اجاگر ہوتی ہے اور آگے بڑھ کر ہمیشہ معاشرے کی اصلاح کا سبب بنتی ہے مگر بدقسمتی یہ ہوئی کہ اسلام کے علمبردار نے ظاہراً کردار پر بہت زور رکھا اور خیال کیا کہ عمل ہی اصلاحِ مذہب ہے اور دوسری بات جو اس سے زیادہ سنجیدہ تھی اور زیادہ خدا کے بارے میں کم فہمی کا نتیجہ تھی وہ ایک ایسے انقلاب کے داعی تھے جس میں بزعم خود انہوں نے چاہا کہ ہم یہ انقلاب لا سکتے ہیں اور لا کے رہیں گے اور یہ کہ ہمارے اللہ نے ہمیں اس کے لیے Sanction بخشی ہے تو میں نے ایک کتاب میں بھی اس کا حوالہ دیا کہ کوئی انقلاب اس تک نہیں آ سکتا جب تک خدا اس کی اجازت نہ دے اور

ان سادہ لوح مفکرین میں ایک غلط فہمی یہ پیدا ہوگئی کہ خدا کی اجازت سوچے سمجھے جانے بغیر انہوں نے چاہا کہ ہم اسلامی انقلاب لائیں۔ بدقسمتی سے اخوان المسلمین جو مصر میں تھے اگرچہ انہوں نے ایک بڑی قوت پیدا کرلی اور اسلامی احیاء پیدا کرالیا لیکن چونکہ انہوں نے باطنی صلاحیت کی طرف زور نہیں دیا اس لیے قیادت اُن کے ہاتھ سے چھن کر Nationalist اور Secularist کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ اسی طرح پاکستان میں جماعتِ اسلامی کو میرا خیال ہے یوں کہئے ستر اسی برس گزر گئے ہیں اور ستر اسی برس گزرنے کے بعد گمان کیا جاتا ہے کہ ایک جماعت نہ صرف Establish ہوگی بلکہ منزلِ حق کے قریب ہوگی۔ انقلاب لانے کے بڑے پاس ہوگی۔ اس کے برعکس محسوس یہ ہوا کہ جماعت اسلامی اچانک روبہ زوال ہوئی، روبہ انحطاط ہوئی اور جو کچھ اُس کے اثاثے پہلے سے مسلمانوں میں قائم تھے وہ بھی گئے۔ اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ ظاہراً بات اعمال کے اوپر بگڑی۔ تقویٰ اور طہارت کا جو محل ان جماعتوں نے کھڑا کیا وہ کسی صورت بھی قابلِ عمل نہ تھا اور خصوصاً جب انہوں نے تصوف کو روحِ ایمان سے اور یقین محکم سے نکال دیا۔ ایمان تصوف، اخلاص اور مذہب کی اعلیٰ ترین Values جس کے لیے اعلیٰ ترین اذہان ہی کوشش کیا کرتے تھے ان کو بالکل Ignore کیا یا ڈھکوسلا جانا اور غلطی سے ایک ایسی جنگ چھیڑ دی جو کم از کم خدا اور رسول کو پسند نہیں آ سکتی تھی۔ ان علماء نے اس غلط مفروضے کو بنیاد بناتے ہوئے کہ سارے ہی تصوف کے علم بردار Quacks اور جعل ساز ہیں رد کر دیا جو بہت سی مخلوق کے لیے مشعلِ راہ تھے۔

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

مگر اس تصادم کی وجہ سے یہ بھی قبولیت عام سے نکل گئے اور ان کے بارے میں بھی خلق خدا رنجیدہ ہوگئی اور بہت ساری امت مسلمہ میں تمام تحریکات سے جدائی اختیار کرلی۔ میرے پاس آپ کا ہونا یا میرا آپ کے پاس ہونا اس وجہ سے ممکن ہوا کہ آپ کے گمان میں یہ نہیں ہے کہ میں کسی جماعت سے تعلق رکھتا ہوں۔ آپ کے خیال میں یہ ہے کہ ہم تمام صرف مسلمان ہیں۔ عمومی اسلام کے دونوں پہلوؤں پر گفتگو کے لیے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔ ایک وہ جو عملی پہلو ہے جس میں نماز ہے روزہ ہے اور یہ ہم فرض کرتے ہیں کہ ہم سب یہ خیال کرتے ہیں کہ جو شخص بات کر رہا ہے اور جو سن رہا ہے وہ اس بات پر قطعی طور پر متفق ہے کہ اسلام کا یہ عملی پہلو کسی قیمت پر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا مگر میرے اور آپ کے ذہن میں ایک ہی سوال ہے جو بار بار ہمیں اکساتا ہے کہ کیا اسلام فقط نماز و روزہ ہی ہے۔ اگر اتنا ہی ہے تو کیا وجہ ہے کہ معاذ بن جبل کو نماز پڑھتے ہوئے ملائکہ نظر آتے ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ رات کو مدینے کی گلیوں میں جب دو اصحاب رسول نکلے تو ایسی تاریک شب ہے کہ رستہ تک سجھائی نہیں دیتا تو پھر ان کے آگے دو شمعیں فروزاں ہوگئیں اور انہیں مسجد نبوی تک لے آئیں۔ پھر کیا وجہ ہے اور کہاں گیا وہ اسلام جس میں کنعان کی چھاؤنی پر پہنچ کر عقبہ بن نافع آواز دیتے ہیں کہ اے جنگل کے جانورو، اے جنگل کے مکینو! اصحاب رسول یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں اور تم یہاں سے نکل جاؤ اور تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ دو دن میں یہ دیکھا گیا کہ ان گنت جانور سر عام اپنے بچوں کو اٹھائے جنگل چھوڑ کر جا رہے تھے اور حضرت عقبہ بن نافع نے وہاں کنعان کی چھاؤنی بسائی۔ اور کیا وجہ ہے کہ سعد بن ابی وقاص جو کبھی بھی ایسے متقی مسلمان نہ

جانے گئے اور بعد میں ان سے کچھ روایات بھی منسوب ہیں مگر جب قادسیہ کی جنت میں مدائن کے دریا تک پہنچے تو طوفان غالب تھا اور آندھیاں چل رہی تھیں اور لشکر کچھ جھجکا تو حضرت سعد بن ابی وقاص نے بسم اللہ پڑھ کر اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور جب لشکر نے یہ منظر دیکھا کہ سردار نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا ہے تو پھر سارا لشکر ہی دریا میں کود پڑا اور جب وہ سب طوفان سے گزر کر ساحل تک پہنچے تو وہ ایرانی جوان پر ہنس رہے تھے یہ کہتے ہوئے کہ جن بھوت اور دیو آ گئے ہیں۔ یہ آدمی نہیں ہیں۔ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور کیا وجہ ہے کہ حضرت خضرؑ کی اور حضرت موسٰیؑ کی طرح ایک صحابی رسول جب جھیل تک پہنچتے ہیں اور سامنے ان کا دشمن کھڑا قہقہے مار رہا ہے تو وہ اللہ کا نام لے کر حضر موت کی جھیل میں گھوڑا ڈال دیتے ہیں اور پھر انتہائی گہری جھیل سے اپنے لشکر سمیت سلامت نکل جاتے ہیں۔ اور کیا وجہ ہے کہ خالد بن ولیدؓ جس کا شاید اس وقت کے اصحاب میں کوئی متقیانہ مقام نہیں تھا اور جب دومۃ الجندل کی جنگ میں اور جب جنگ ذات سلاسل میں جب وہ ایک قلعے کا محاصرہ کرتے ہیں تو اس کا پادری نکلتا ہے کہ خالد اگر آج تم صلح نہ کرتے تو میں یہ زہر ہلاہل کھا کر مر جاتا تو حضرت خالد بن ولید نے کہا کہ مجھے وہ زہر ہلاہل تو دکھا اور پھر اس پڑیا کو ہاتھ میں لے لیا اور ہنسے اور کہا تو سمجھتا ہے کہ زہر آدمی کو زندہ رکھتا ہے اور زہر مارتا ہے یہ تو میرے پروردگار کی رضا خواہش اور مرضی ہے۔ یہ کہہ کر اس پڑیا کو پھانک لیا اور وہ بعد میں بڑی دیر تک زندہ رہے تو ہمیں یہ سوال کرنا پڑتا ہے کہ وہ کیا علم تھا جو سلیمانؑ کے زمانے میں ایک کتاب کا ایک صحابی کو حاصل تھا اور حضرت عاصم بن برخیاؓ اس کتاب کے علم کی رو سے Transfusion اور Defusion پر قادر تھے اور تختِ سبا کو پلک جھپکنے میں تخت سلیمانؑ کے دربار میں لے آئے۔ بہت سارے ایسے سوال ہیں کہ وہ کون تھے اور کیسے مسلمان تھے۔ ان میں کیا عجیب و غریب صفات تھیں۔ جب حضرت بَرّہ بن مالکؓ خدمت حضورؐ میں آئے تو لباس سے بو اٹھ رہی تھی اور ان کی جوتیاں گرد سے اٹی پڑی تھیں اور اصحاب نے ناک سکوڑنا شروع کیے کہ اتنا گندہ آدمی حضورؐ کی بارگاہ میں۔ اس کو کچھ خیال نہیں آیا نہانے دھونے کا۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو بظاہر ان کے چہرے گرد سے اٹے ہوتے ہیں اور لباس سے بو آ رہی ہوتی ہے مگر وہ اگر خدا کی قسم کھائیں تو اللہ ان کی قسم ضرور پوری کرتا ہے اور یہی وہ بَرّہ بن مالکؓ ہیں کہ جب قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا تو مسلمانوں نے درخواست کی کہ اے ابن مالکؓ آج دعا کر اور تجھے حضورؐ کی بشارت ہے آج دعا کر کہ یہ قلعہ فتح ہو جائے تو حضرت بَرّہؓ نے فرمایا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کو مذاق بنا لیا ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ قلعہ فتح ہوگا اور میں قسم کھاتا ہوں کہ میں آج شہید ہو جاؤں گا اور یہ دونوں باتیں ویسی ہی ہو گئیں۔ اسی طرح ایک وہ وقت بھی تھا کہ آذربائیجان کے پہاڑوں میں نعیم بن ساریہؓ لڑ رہے ہیں اور ان کو شکست ہونے والی ہے اور دشمن گھیرا تنگ کر رہا ہے اور وہ سوچ میں پڑے ہوئے ہیں، ایک بدترین شکست کا سامنا ہے اور ادھر مدینہ منورہ میں عمرؓ خطبہ دے رہے ہیں کہ اچانک اصحاب مدینہ نے دیکھا کہ خطبہ چھوڑ کر عمرؓ نے بلند آواز میں کہا ساریہؓ پہاڑ کو لو، پہاڑ کو لو اور اس آواز کو نعیم بن ساریہؓ نے آذربائیجان میں سنا اور پہاڑ کی طرف ہوئے اور جنگ جیت لی۔ خواتین و حضرات! یہ محض داستانیں تو نہیں ہیں۔ بے شمار لوگ مسلسل روایت کرتے ہیں، بے شمار لوگ۔ میں کہوں یہ کہانیاں ہیں قصے ہیں تو شاید میں احمق ٹھہروں گا جب پانچ ہزار اصحاب شہادت دے رہے ہیں کہ موتہ اور تبوک سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشتان مبارک سے پانی پھوٹا اور سارا لشکر اس پانی سے سیراب ہوا تو معجزہ کیا ہے اور کرامات کیا ہیں جوان

لوگوں کے ساتھ ہوئی۔ آپ ان کو عجیب وغریب سمجھتے ہو۔ آپ سمجھتے ہو کہ ایسے کمالات تھے جو آپ سرانجام نہیں دے سکتے۔ آپ حیران ہوں گے کہ ایسا کیوں ہوا بات تو بڑی سادہ تھی کہ اللہ نے کہا تو میرے بندوں کو اغوا کرنے کے لیے ان کے آگے سے آئے گا پیچھے سے آئے گا، دائیں سے آئے گا اور بائیں سے آئے گا اوپر سے آئے گا۔ نیچے سے آئے گا مگر اتنا یاد رکھنا کہ میرے خاص بندوں پر تیرا بس نہیں چلے گا۔ اللہ کے مخلصین جو اللہ سے، اپنے مالک سے، اپنے رحمٰن ورحیم اور کریم سے اخلاص رکھتے ہوں گے، ہمیں یہاں سوچنا پڑے گا، اور Academic لوگوں سے یہ اہم سوال پوچھنا پڑے گا کہ اے دیوبند، اے اہل حدیث ہمیں تو تم سے کوئی اختلاف نہیں تم نے اپنے آپ کو مکتباتی طور پر علیحدہ کرلیا ہے۔ تم نے خیال کیا کہ باقی مسلمان دیوبند کے نہیں ہم ہیں۔ تم نے کہا کہ باقی بریلوی نہیں ہم ہیں۔ تم نے کہا کہ جملہ مسلمین بریلوی نہیں ہم ہیں تو ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمہارے مذہب کو ہم کیسے پسند کریں۔ مجھے بتائیے کہ ہم اس مذہب کو کیسے قبول کریں۔ ہم سکول کو کیسے مانیں کہ ہزاروں مسلمان اس سکول میں پڑھے اور فارغ ہوئے مگر مذہب کے اصل مقصد تک ایک بھی نہ پہنچا۔ پہلے تو سکول نہ ہوتے تھے۔ صرف مسائل پر اختلاف تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ زوال بغداد میں حجتہ الاسلام محمد بن احمد الغزالی پیدا ہوئے، دوسری مرتبہ جب بغداد میں زوال آیا تو سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ پیدا ہوئے۔ پھر زوال آیا تو ابوالاثر شاذلی پیدا ہوئے۔ کہیں مراطین اور کہیں مواحدین کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ اسلام کا نام بلند ہو رہا ہے دو دو سو سال تک، ان مفکرین اور ان مجاہدین اسلام کی وجہ سے، اسلام سربلند ہوا، پھر خدا نے اسے عزت بخشی، کیوں نہ بخشتا کہ عزت دینے والا امریکہ تو نہیں ہوتا آپ کو عزت دینے والا کوئی مشرک نہیں ہوتا، عزت کے بارے میں تو اللہ نے بڑی سادہ سے بات کہی ہے کہ غیب سے عزت ڈھونڈی جائے

تو اے بھلے لوگو فان العزة للہ جمیعا (النساء آیت ۱۳۹)

عزت تو تمام میرے پاس ہے، پھر اگر مسلمان اس قانون کو بھولے گا، اس کو خبر نہ رہے گی، وہ شخص کیا قرآن پڑھتا ہے، جو عزت کے لیے دوسرے در پہ جاتا ہے۔ قرآن کیا پڑھتا ہے وہ شخص جس نے ہر وقت اپنا ذہن غیبت کے لیے کھول رکھا ہے، کیا قرآن پڑھتا ہے۔ وہ شخص جو خدا کی طاقتوں میں ہزاروں جھوٹے، مکار، فریب کاروں کو شریک کرتا ہے۔ رسول کے پاس جب ایک شخص آتا ہے کہ یا رسول اللہ نصیحت فرمائیے فرمایا جھوٹ نہ بولنا۔ دس دن کے بعد وہ شخص بولا یا حضرت مجھے تو آپ نے عذاب میں ڈال دیا۔ مجھے تو ایک اس وعدے کو پورا کرتے ہوئے ساری زندگی بدلنا پڑی اور واقعی ساری زندگی بدلنی پڑے گی۔ بہت سارے اصولوں اور فارمولوں کو اکٹھے طور پر نہیں اپنانا ہوتا، ایک بار صرف اک خیال جو آپ نے خدا کے خیال سے اپنایا ہو جو اس کی محبت اور اُنس سے اپنایا ہو، ان Dogmatic مولویوں میں وہ چیز کیوں نہیں آتی۔ ان علمائے مظاہر پرست کی تحاریک میں کیوں نہیں جان پڑتی، کیوں سلطان محمد غوری سے جب ایک دفعہ پرتھوی راج ناراض ہوتا ہے تو حضرت خواجہ معین الدینؒ کو کہتا ہے کہ میں واپس پلٹوں تو مجھے نظر نہ آئے اور اس کو واپس پلٹنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا، جب سلطان محمد غوری نے 1192ء میں حالانکہ وہ 91 کی جنگ ہار چکا تھا 1192ء اس ایک جملے کی بدولت جو پرتھوی راج کے منہ سے نکلا سلطنت ہمیشہ کے لیے ہندوؤں کے ہاتھ سے نکل گئی۔

خواتین و حضرات! بہت غور کرنا پڑے گا کہ اس مسئلے میں ہم Academics کو جانتے ہیں، مانتے ہیں، نماز و روزہ کے فضائل سے آگاہ ہیں مگر ہمیں سوچنا پڑے گا کہ اس میں وہ برکت کیوں تھی، کون تھا جو افغانستان میں نماز نہیں پڑھتا تھا۔ مزے کی بات ہے کہ مخالف بھی پڑھتے تھے اور موافق بھی پڑھتے تھے۔ کلمہ گولوگوں نے کلمہ گولوگوں کو قتل کیا۔ کس کی ایماء پر کیا۔ کیا اسلام نہ تھا کہ پھر بھائی چارے اور اخوت کی فضا کیوں نہ قائم ہو سکی۔ ہمیں سوچنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ آخر اسلام کی وہ اقدار کہاں گئیں اور وہ اقدار Dogmatics میں، Acdemics میں، اس اصول پرستی میں عبادت پرستی میں کیوں نہیں آئیں۔ خدا پرست کو خدا پرست رہنا چاہیے تھا مگر وہ عبادت پرست ہو گیا۔ اللہ کے بجائے مذہب اہم ہو گیا، ادارے اہم ہو گئے، درودیوار حاوی ہو گئے۔ ان کے پہلے بت تو لات، ہبل و عزا تھے۔ نئی جماعتوں نے نئے ناموں سے پرانا دھندہ شروع کیا ہے۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لاالہ الااللہ

لاالہ الااللہ ہی تو کھو گیا۔ وہ کلمہ جو مسلمان کو ابتدا ہی سے، اپنے آغاز ہی سے، اپنے اندر کی کش مکش سے آگاہ کرتا ہے جو نفس خراب کار کی ترغیبات کے خلاف اعلان جہاد کرتا ہے، جو اس جنگ میں مسلمان کو ہمیشہ مصروف رکھتا ہے اور اسی مصروفیت میں رکھتا ہے کہ موت تک مسلمان کبھی اس وہم اور وسوسہ سے نجات نہیں پاتا۔ موت تک وہ اپنے یقین کے مرحلہ سے نجات نہیں پاتا حتیٰ کہ جب وہ مرتا ہے اور اللہ کے نام پر مرتا ہے اور ایمان کی سلامتی پر مرتا ہے تو علی کرم اللہ وجہہ جیسے جلیل القدر صحابی فرماتے ہیں کہ اے لوگو میں آج کامیاب ہوا ہوں۔ یہ کیا وجہ ہے کہ ابھی ہم نے دو نمازیں نہیں پڑھیں، پھر ہم کامیاب ہو جاتے ہیں یہ کیا مسئلہ ہے کہ انسان Transit میں ہو، سفر میں ہو اور منزل کے دعوے شروع کر دے۔ اصحاب رسول تو ایسے نہیں تھے۔ جب قرآن کی آیت اتری عبادت کیے جا حتیٰ کہ تو یقین تک پہنچے اور آپ کتاب حکیم اٹھا کے دیکھیں، کسی بھی صحابی نے یقین کا ترجمہ موت کے علاوہ کچھ بھی نہیں کیا۔ ان کو پتا تھا کہ یقین موت ہے اور موت تک ہے اور موت سے پہلے کسی لمحہ اجل میں، کسی وقت میں ہماری کمزوریاں، ہم پر غالب آ سکتی ہیں۔ اگر مسلسل رجعت نہ اختیار کی جائے، مسلسل توبہ صرف یہ نہیں کہ گناہوں پر توبہ کرنا۔ دیکھیے پیغمبر الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اللہ کیا کہتا ہے کہ وہ ابراہیم مجھے اس لیے پسند تھا بہت پسند تھا۔ "ان ابراھیم لأوّاہٌ حلیم" (التوبہ: آیت ۱۱۴) کہ ہر وقت مجھ سے رجوع رکھتا تھا۔ زندگی میں معاملات میں بچوں میں، بیویوں میں کیا وہ مقام ہے جہاں آپ کو رجوع کا سلسلہ نہیں بتایا۔ کون سا ایسا مقام ہے جہاں خداوند کریم نے کہا ہو کوئی چیز اچھی لگے اور تم اس کی معذوری سے ڈرتے ہو، اس کے چھن جانے سے ڈرتے ہو تو یہ ضرور کہو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ"، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ جب کوئی وسوسہ آ جائے، جب کسی خاتون کو کسی مرد کو آسیب کا ڈر ہو، رنج ہو کوئی شبہ ہو تو اس کے الٹ کرو، اگر دل نے کہا کہ فلاں نے تعویذ کیا تو آپ کا دل و دماغ دونوں مل کر کہیں کہ نہیں، مجھے اپنے رب کعبہ پر یقین ہے میں اللہ اور اس کے رسول ہی پر ایمان لایا اور لائی ہوں۔ مجھے یقین ہے کوئی جادو، کوئی سحر مجھ پر اثر نہیں کر سکتا کیونکہ جادو یا سحر تو بقول قرآن، سوائے ان لوگوں کے اثر نہیں کرے گا جو رحمٰن کے ذکر سے غافل ہوئے۔ جو

اللہ کے قریب ہوتا ہے اللہ اسے شیطان پر غلبہ دیتے ہیں اور میں اللہ کا نام لیتی ہوں یا لیتا ہوں۔ میں خدا کے ذکر اور خدا کے انس میں ہوں۔ مجھے تو ہمسائیگی پروردگار نصیب ہے مجھے تو حفاظت حفیظ نصیب ہے۔ مجھے کسی کے جادو اور کسی کے سحر سے کیا ڈر ہو۔ خداوند کریم نے ہمیں یہ استطاعت بخشی ہے۔ اسلام اور ایمان کیا ہے ایک ہی قدم اسلام اور ایک ہی قدم ایمان ہے، ایمان ایک اندرونی علامت ہے، کیا لوگ یہ نہیں جانتے، کیا Acadmics والے نہیں جانتے کہ ایمان کو کسی ظاہراً معیار پر پرکھا نہیں جا سکتا، کوئی شخص خارجی طور پر یہ رائے نہیں دے سکتا کہ یہ صاحب ایمان ہے۔ کیا آپ کو یاد نہیں کیا آپ کو پتا نہیں کہ جب اصحاب رسول جنگ بدر میں آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلاں شخص نے بڑی محنت کی اور وہ شہید ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جہنمی ہے۔ تو اصحاب نے کہا یا رسول اللہ ہم نے تو اسے لڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ فرمایا نہیں وہ جہنمی ہے۔ تو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوڑتے گئے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اصحاب رسول نے دیکھا کہ وہ زخموں سے چور پڑا تھا۔ اور آخر اذیت موت برداشت نہ کر سکا اور خنجر مار کر کلائی کاٹ لی اور خودکشی کر لی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے ذہنوں کو سوچنے کی عادت ہونی چاہیے کہ ہم کیوں وقت ضائع کر رہے ہیں ہمیں اسلام کا حقیقی عرفان حاصل کرنا چاہیے۔

انسان کے پاس اللہ کی امانت کیا ہے؟

سوال: اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ میں نے زمین پہ، پہاڑوں پہ اور آسمان پر کچھ امانتوں کو رکھا اور انہوں نے اسے قبول نہیں کیا مگر انسان نے اسے اٹھا لیا۔ بعض علماء دین کہتے ہیں کہ وہ امانت روح تھی۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ بندے کے اعمال ہیں۔ آپ پلیز اس کے بارے میں تھوڑا سا بتا دیں کہ وہ امانت کیا تھی؟

جواب: خواتین وحضرات نہ تو وہ امانت روح ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی اس کا کوئی اعمال سے تعلق تھا۔ یہ وہ خصوصی صفت تھی جس کی وجہ سے اس امانت کی کئی ذمہ داریاں تھیں۔ اس امانت کے کئی فوائد تھے۔ اس امانت کے ساتھ انسان کی برتری وابستہ تھی۔ کسی بھی مخلوق کی برتری وابستہ تھی۔ "انا عرضنا الامانۃ" (الاحزاب: آیت ۷۲) یہ امانت علم وفکر تھی، عقل تھی۔ اس عقل سے کسی چیز نے باقی چیزوں سے ممتاز ہونا تھا مگر اس میں ایک Risk بھی بتایا گیا کہ اس امانت عقل وشعور کا استعمال صحیح نہ ہوا تو اس کا انجام نہایت بھیانک ہوگا۔ ابدی جہنم نصیب ہوگی۔ تو جب باقی مخلوقات نے یہ Risk دیکھا تو انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ انہوں نے کہا کہ جو انہیں Safety ملی ہوئی ہے وہی کافی ہے۔ لہذا انہوں نے سیادت کا Risk لینے سے انکار کیا کیونکہ انہیں ذمہ داری کا بوجھ نہ اٹھانے کے سبب جس عذاب کی وعید سنائی گئی تھی، سارے اس ڈر سے خوفزدہ ہوئے لیکن انسانوں نے اس حوالے سے سر تسلیم خم کیا۔ انسان کو اپنی صلاحیتوں پر اعتماد تھا۔ اسے اپنی عقل ومعرفت پر غرور تھا۔ انسان نے اللہ کو جاننے، ماننے اور پہچاننے میں بخل سے کام نہیں لیا لیکن اللہ نے خود ہی اس کا حکم سنایا "انہٗ کان ظلوماً جہولا" (الاحزاب: آیت 72) کہ افسوس

He has overestimated himself and underestimated the job.

آج چھ ارب انسانوں کی زندگی اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ اللہ نے قرآن میں جو فیصلہ سنایا تھا درست

تھا۔ "انہٗ کان ظلوماً جہولا" (الاحزاب : آیت 72) کتنے ان چھ ارب انسانوں میں سے اللہ کو جانتے ہیں۔ کتنے اسے مانتے ہیں۔ کتنے اس سے خلوص رکھتے ہیں۔ پانچ ارب کافر تو چھوڑ دو۔ ایک ارب مسلمان دیکھ لو۔ ادنیٰ و اعلیٰ کو دیکھ لو۔ حکمرانوں کو دیکھ لو۔ اللہ سے زیادہ سچی کسی اور کی بات تو نہیں ہو سکتی۔ یقیناً ہم ظالم اور جاہل ہیں۔ اس اعتراف میں تھوڑی سی گنجائش باقی ہے۔ اور وہ شفاعتِ رسول تھی۔

ایمان بیم و رجا کے درمیان

خواتین وحضرات! یاد کرنے والے کو یاد کرنا سنت اللہ ہے آپ یاد کرتے ہیں تو سنت کریم کے مطابق میرے دل میں بھی آپ کی یاد آتی ہے مختصراً جواب میں ادھر آ رہا تھا تو ذوق کا ایک شعر مجھے بہت یاد آ رہا تھا۔

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

خواتین وحضرات! آج کا موضوع اس لحاظ سے انوکھا ہے کہ ایک طرف اس کے پریکٹیکل Aspects ہیں اور دوسری طرف اس کے انتہائی ذہنی اثرات ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ایمان کیا ہوتا ہے، اس کے بعد ہی اس بات کا تعین ہو سکتا ہے کہ ایمان خوف ہے یا امید۔ اتفاق سے یوں تو آپ کو ایمان کی Dictionary Definition تو بہت نظر آئیں گی، مگر رسول گرامی مرتبتؐ نے جو ایمان کی تعریف فرمائی ہے مختصر اور جامع ہے۔ فرمایا، ایمان قول و فعل ہے۔ اگر ایمان قول و فعل ہے تو افعال کے بارے میں ایک اور حدیث موجود ہے۔ انما الاعمال بالنیات اگر ان دونوں احادیث رسولؐ کو جمع کریں تو مختصراً ایمان کی Definition یہ بنتی ہے کہ نیت فعل اور قول۔ ان تینوں کی یکجائی کو ایمان کہتے ہیں۔ ایمان Transitional ہے، وقتی ہے اور اس میں Permanence اس وقت آتی ہے جب آپ عرصۂ مرگ میں ہوں، سکرات کا عالم ہو اور زندگی رخصت ہونے کو ہو اور نئے انداز زندگی روشن ہو رہے ہوں اور پھر بھی آپ کو خدا پہ یقین ہو تو یہ ایمان کا مزا چکھ لینا ہے۔ حدیث رسولؐ ہے کہ جس نے زندگی میں ایک بار دل سے لا الہ الا اللہ کہا اور موت تک اس پہ قائم رہا، یہ ایمان ہے۔ خواتین وحضرات اسلام کے برعکس کہ جو ایمان کی وجوہات کے بغیر بھی قائم رہ سکتا ہے اور اسلام پہ ہونے کے باوجود لوگ جہنمی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اسلام میں بعض اوقات نفاق کی شدید علامات پائی جاتی ہیں۔ اللہ میاں نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ”لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ“ (البقرۃ: آیت ۱۷۷) کہ اگر تمہارے منہ مشرق، یا مغرب کو ہوں تمھاری نمازیں قبلہ کو ہوں یا غیر قبلہ کو ہوں، اس وقت تک تم ورتی سے آداب محفل خداوندا ادا نہیں کر سکتے جب تک تم اللہ پہ ایمان نہ لاؤ۔ وہ تمام عبادات جو خدا کی شناخت، خدا کی محبت اور خدا کے اخلاص کے بغیر ہیں، انہیں اسلام میں واضح طور پہ قبولیت حاصل نہیں ہے جیسے کہ ہم لوگ سمجھتے ہیں۔ حدیث رسولؐ ہے کہ حضورؐ مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے اور ایک شخص کو حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خیال کیا کہ یہ مومن ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو کچھ بھی نہیں دے رہے تو میں نے کہا یا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یہ تو مومن ہے فرمایا بلکہ مسلم کہو، تھوڑی دیر کے بعد حضرت سعدؓ نے فرمایا، میرا گمان تو یہ ہے کہ یہ مومن ہے۔ فرمایا مسلم کہو، جب تیسری مرتبہ حضرت سعدؓ کو پھر چین نہ آیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ میرے نزدیک مومن ہے۔ فرمایا مسلم کہو پھر کہا بعض اوقات تالیف قلب کے لیے ہم ایک ایسے شخص کو مال دیتے ہیں کہ اگر مال نہ ملے تو خدا کے غضب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ گمراہی، حسد اور کینے کا شکار ہو جائے اور باوجود اس کے کہ ہم دل میں بعض بندوں کو اچھا جانتے ہیں اس کے باوجود شائد میں ان کو غنیمت سے حصہ نہیں دیتا۔ تو خواتین و حضرات قرآن حکیم میں بھی اللہ میاں فرماتے ہیں کہ یہ اعراب جو تیرے پاس آتے ہیں۔ یہ ایمان کا بڑا دعویٰ رکھتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ ابھی تم مومن نہیں ہوئے، تم صرف اسلام میں داخل ہوئے ہو اور اسلام میں داخل ہونے کا مطلب ایمان نہیں ہے۔ یہ ایک Inner Value ہے یہ انتہائی اعلیٰ ترین ذہنی قدر ہے۔ ایمان ایک ایسا یقین ہے جس میں کوئی وسوسہ اور کوئی خرخشہ نہیں ہے۔ ایمان اس ذہنی اعتقاد کو کہتے ہیں جو وساوس، تنقید، Scepticism اور تمام شکوک و شبہات سے گزر جانے کے بعد، جب اللہ آپ کے لیے کنفرم ہوتا ہے تو پھر آپ صاحب ایمان ہوتے ہیں اور خواتین و حضرات اگر آپ کو ایمان کا ایک ذرہ بھی نصیب ہو تو پھر آپ کو کوئی خوف نہیں ہے۔ ایک ایسا ایمان، ایک ایسی آنکھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے لیے ایک آنسو اسلام میں نہیں ٹپکتا وہ آنسو ایمان میں ٹپکتا ہے اور ایمان کی تین بہت بڑی اور Basic Conditions ہیں اگر آپ دیکھیں تو وہ Conditions معاملاتی نہیں ہیں، وہ Conditions ایسی نہیں ہیں جو نماز اور روزہ سے حل ہوں۔ ایمان کی پہلی شرط یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی جان، مال، اولاد، اقربا، ہر چیز سے زیادہ بہتر اور معزز اور قریب تر محبوب مانو۔ خواتین و حضرات آج کے زمانے میں اسلام کے دو Basic Fundamentals ہیں وہ Fundamentals عباداتی نہیں ہیں۔ ایک Fundamental ہے خدائے واحد پہ بحیثیت واحد یقین رکھنا۔ آپ دنیا کے کسی مسلمان کے پاس چلے جائیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو گھڑی بھر میں شرک یا کفر کا طعنہ دے دیتے ہیں۔ تمام مسلمان خواہ وہ کسی طبقہ خیال سے ہوں۔ اگر آپ ان کو ایک Straight Question کریں کہ اللہ کتنے ہیں، وہ کہے گا ایک ہے اور جب کوئی شخص یہ کہہ رہا ہو کہ اللہ ایک ہے تو پھر آپ اس کو کسی بھی قیمت پہ مشرک یا کافر نہیں کہہ سکتے۔ اور دوسرا Fundamental تمام عالم اسلام میں قدر مشترک ہے۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو اللہ کو واحد نہ جانے۔ اللہ کو اکیلا، تنہا، احد نہ سمجھے۔ مگر دوسرا Fundamental جو امت مسلمہ کے لیے انتہائی لازم اور ضروری تھا جیسے میں نے ابھی آپ کو ایمان کی شرط اول میں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جان، مال، اولاد ہر چیز سے عزیز تر جاننا یہ Fundamental پورے عالم اسلام میں موجود نہیں ہے۔ زیادہ تر لوگ واحدانیت کے پرستار ہیں، زیادہ تر لوگ خدائے واحد کے اقرار کے شائق ہیں اور لوگ اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ اللہ ایک ہے مگر محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ایمان کی ایک بنیادی شرط ہے اور شرط بھی اس سطح کی کہ آپ کے جان و مال و اولاد سے عزیز تر آپ کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔ یہ شرط Sub-Continent کے مسلمانوں میں کہیں موجود نہیں بلکہ بعض اسلامی ممالک میں Delibrately محبت رسول کو Decadence کی ویلیو سمجھا جاتا ہے۔ بعض مکاتب فکر کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لوکل اور Temporal پیغمبر تھے۔ جو اپنے وقت کے ساتھ ساتھ ان کی اہمیت وہ نہیں

رہی بلکہ بعض آج کے علما اپنی اہمیت میں اس وقت سے بھی زیادہ اہمیت پاتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر تھے اور بہت سے مکاتب فکر جو جدید عملیات کی بنیاد پہ استوار ہوتے ہیں۔ وہ بدقسمتی سے محبت رسولؐ کو فروغ نہیں دیتے اور یہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرؓ سے پوچھا کہ اے عمرؓ میں تمہیں کتنا عزیز ہوں، فرمایا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے مال، میری زندگی اور میری جان کے بعد آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز تر ہیں۔ فرمایا عمرؓ ایسے تو ایمان پورا نہیں ہوتا۔ اگر میں تمہیں تمہاری جان سے بھی بڑھ کر عزیز نہ ہوں۔ عمرؓ نے کہا، یارسول اللہ آج کے بعد آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ خواتین وحضرات! اگر یہ Fundamental محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت، اس Idealistic پیٹرن میں استوار نہیں ہے۔ اگر اس انداز پہ استوار نہیں ہے۔ اس اخلاق میں استوار نہیں ہے جو آقائے کائنات کا تھا۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا تو پھر آپ کے ایمان میں کچھ کمزوری ضرور واقع ہے۔ بلکہ Basic کمزوری واقع ہے۔ ایمان کی دوسری شرط خواتین وحضرات یہ ہے کہ آپ صرف اللہ کے لیے دوستی رکھیں اور آپ صرف اللہ کے لیے دشمنی کریں۔ یہ ایمان کی دوسری بنیادی شرط ہے کہ آپ کی دوستی اللہ کے لیے، آپ کی دشمنی اللہ کے لیے، اگر کوئی شخص اللہ کے لیے ہجرت بھی نہیں کرتا ہے تو اس مہاجر کو چاہے وہ بادی النظر میں مہاجر مکہ ہی کیوں نہ ہو، اس کو مہاجر پروردگار نہیں کہا جائے گا۔ بڑا مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص کو ایک خاتون سے بڑا گہرا انس تھا۔ ان کا نام ام قیس تھا۔ جب باقی اصحاب رسولؐ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ہجرت فرمائی تو اس شخص نے اس خاتون کی خاطر ہجرت کی لہٰذا زمانہ رسول اکرمؐ میں اور اس کے بعد تمام احادیث کی روایت میں، وہ ہمیشہ مہاجر ام قیس ہی کہلائے۔ ان کو کبھی بھی اس ہجرت کا صلہ نہ ملا کہ جو ہجرت خداوند کریم کے لیے ہوتی ہے۔ خواتین وحضرات! ایک تیسری شرط بھی ہے جو ایمان کی مٹھاس کا حصہ ہے، اسے حلاوت ایمان کہتے ہیں۔ اللہ نے ایمان کا اگر کسی کو مزہ دینا ہو، سرور دینا ہو، اور اگر کسی شخص میں مکمل ایمان ہو تو اس میں یہ تین باتیں نمایاں ہوں گی۔ ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ذات سے بڑھ کر جاننا اور دوسرا اللہ کے لیے محبت کرنا، اللہ کے لیے نفرت کرنا اور تیسرا خواتین وحضرات! کہ جب اس کو کفر کا دھیان آئے، جب اس کو انکار خداوند کا خیال آئے تو اسے محسوس ہو کہ جیسے اسے جہنم میں پھینکا جا رہا ہے۔ اس کو خدا سے ایسا تعلق ہو، خدا سے ایسی محبت ہو، خدا سے ایسی دوستی ہو کہ ہر وقت اسے یہ خوف رہے کہ اس سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جائے کہ جو خدا کی محبت کے خلاف ہو تو وہ شخص کفر کو اختیار کرنا، جہنم میں گرنے سے بھی بدتر جانے۔ یہ تین شرائط! خواتین وحضرات! ایمان عقیدہ ہے اور عقیدے کی بنیاد اگر کم علمی پہ ہو تو کبھی بھی ترقی پذیر نہیں ہوگا۔ کہیں نہ کہیں وہ متقابل نظریات کی زد میں آکر خطرات کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر عقیدہ علم کی غور وخوض اور عقل ومعرفت کی بنیاد پہ ہو تو وہ آپ کو مہد سے لحد تک کبھی کسی وسوسے میں گرفتار نہیں ہونے دیتا۔ پروردگار عالم نے ایمان کی جو پروسیسنگ کی ہے، وہ بالکل آپ کی زندگی کے باقی ادوار کی طرح ہے۔ جب ایک نوجوان اپنی زندگی میں محبت، خلوص کے عناصر، انکوائری کی سپرٹ، سچی جستجو اور اضطراب لے کر نکلتا ہے، جب وہ اپنے ایمان میں نکلتا ہے تو Inveterat Condition آپ تمام نوجوانوں میں پائیں گے اور ان میں یہ کنڈیشن نہیں ہوگی کہ شروع کے مصلے، عبادات، نماز، مسجدوں میں جانا، ٹوپیاں پہننا اور تراویح میں شریک ہونا یہ ہمارے مسلمان نوجوان کا وتیرہ ہے پھر جب وہ ذرا بڑے ہوتے ہیں اور زندگی

کے حقائق کو Face کرتے ہیں اور معاملات دنیا میں ان کا رسوخ ہوتا ہے تو اکثر ماں باپ ایک شکایت کرتے نظر کرتے ہیں کہ پہلے میرا بچہ بہت نیک تھا۔ بڑے خلوص والا تھا ہر وقت پانچ وقت کی نماز میں لگا رہتا تھا مگر اب عجب حال ہے کہ نہ نماز رہی نہ اخلاق رہا۔ اس لیے کہ اس عقیدے کی بنیاد علم پر نہ تھی۔ جب کاؤنٹر نظریات کی فورس بڑھی، دنیا کی طلب بڑھی، Attractions بڑھیں، تو وہ ایمان جو Basically ایک Illiterate ایمان تھا جس پاس کا بنیادی خیال قائم نہ تھا۔ سنا سنایا Faith تھا۔ صرف ایک لہر تھی جو آگے نہیں چل سکی۔ اس کے برعکس اس شخص کو دیکھیے کہ جو اس تجسس میں رہا کہ میں خدا کو جانوں، میں وہ تعلیم حاصل کروں، جو اللہ کی طرف جاتی ہو تو اس کے رستے میں بے شمار مشکل، پیچیدہ سوال حائل ہوئے۔ اب سوال حل کرنے کا خواتین وحضرات بڑا سادہ سا ایک طریقہ ہے، ایک تو یہ ہے کہ وہ اپنے جیسے ہی کم فہم اور کم علم کے پاس چلا جائے یا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ متجسس رہے اور کبھی بھی اس جواب سے مطمئن نہ ہو جو اس کے دل کو نہ لگے۔ کیونکہ ایمان دل کو لگتا ہے۔ ایمان کی جگہ ہی دل ہے۔ اگر دل کسی جواب کے باوجود اضطراب میں رہے گا تو ایمان پورا نہ ہو گا۔ یہ یاد رکھیے کہ ایمان گھٹتا بھی ہے اور ایمان بڑھتا بھی ہے۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو ایک برگزیدہ نبی اور اللہ کے دوست تھے۔ جب ان سے اللہ نے پوچھا "و اذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتیٰ قال اولم تومن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی" کہ اے ابراہیم اتنی ساری باتیں دیکھنے لکھنے، پڑھنے اور اتنی ساری انٹیلیکچوئل Curiosity کے بعد کیا ابھی تک آپ کے دل کو امن نہیں ہے کیا ابھی آپ ایمان نہیں لائے ہو۔ فرمایا اے پروردگار ایسا تو نہیں ہے۔

I have a confirmed faith in you, I have a total faith in you.

مگر دل اطمینان چاہتا ہے۔ دل ایمان کا مرکز ہے۔ یہ وسوسے سے خالی ہونا چاہتا ہے اور وسوسہ صرف مشاہدے سے جاتا ہے اور اس میں چونکہ قلب Involved ہے۔ اس لیے قلب بھی کسی نہ کسی صورت مشاہدہ چاہتا ہے۔ خواتین وحضرات! جب ایک نوجوان تجسس کے لیے نکلتا ہے تو کاؤنٹر فلاسفیز اسے بے چین کر دیتی ہیں۔ بے شمار ایسے سوال ہیں جو اہل دل، اہل ایمان، اہل عقل پر گزرتے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے اس ماحول میں ان سوالات کا جواب دینے کے لیے Efficient Probable Authorities نہیں ہوتیں۔ پھر وہ صاحب ایمان، اب ڈر کے مارے ایمان چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اس پر خوف بھی تو مسلط ہے اور تمام خوف Guilt کی پیداوار ہے۔ آج اگر میں چاہوں کہ کیوں مجھے اللہ پہ ایمان نہیں ہے تو مجھے معاشرے کا خوف مارتا ہے۔ مجھے سنی سنائی باتوں کا خوف مارتا ہے۔ مجھے ایسا خوف ہے جیسے جادو اور سحر کا خوف مارتا ہے۔ میں کبھی بھی اس بات کا یقین نہیں کر سکتا کہ میں ایک خدا کے خلاف Open ڈکلریشن کے بعد۔ اس معاشرے میں صحتمندی سے Survive کر سکتا ہے۔ نتیجۃً وہ اپنے دل میں اضطراب چھپائے ہوئے کچھ ایسی مکروہات کا سہارا لیتا ہے۔ کچھ ایسی غلط Reasoning کا سہارا لیتا ہے اور اس کی محض ایک ہی وجہ ہوتی ہے کہ جب بھی آپ اس سے پوچھو، وہ کہے گا، کہ اسے اس کے تجسس کا کافی اور شافی علاج نہیں ملا۔ اسے کسی عالم نے اس کے چند سوالوں کا جواب نہیں دیا۔ اس لیے کہ کسی بھی عالم کے پاس اس میٹا فزیکل لیول کا یا اس مابعدالطبیعاتی سوال کا جواب مشکل سے ہوتا ہے کیونکہ ان کے مطالعے لوکلائز ہوتے ہیں، اسلام پہ ہوتے ہیں۔ عملیات پہ ہوتے ہیں اس لیے اگر کوئی نوجوان

ان کے پاس ایسا سوال لے کر جائے گا تو وہ سب سے پہلی بات کہیں گے کہ برخوردار یہ سوال سوچنا کفر ہے اور وہ بیچارہ کیا کرے جس کے دماغ سے وہ سوال جاتا ہی نہیں ہے وہ بیچارہ کیا کرے کہ جس کا تجسس اس کو اس Blast Feeling پہ ابھارتا ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ جب کسی نوجوان کے ذہن میں خدا کا خیال ناقص آئے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال ناقص آئے گا تو اس کا دل مضطرب ہوگا۔ کتنا بے چین ہوگا وہ یا تو سرے سے ہی خدا اور رسول کا انکار کر دے گا اور کچھ عرصہ اس بے چینی اور بربادی کی فضا میں گزارے گا اور یا پھر وہ ساری عمر کے لیے ایک ایسا بیمار ہو کے رہ جائے گا کہ ایک Depressed Individual, بنے گا اور کبھی ڈاڑھی رکھ کر ایک طرف جائے گا، کبھی دوسری طرف جائے گا اور اعمال کی شدت میں پڑ جائے گا اور ایک دیوانگی کا شکار ہوگا جو اسے مذہبی ہونے کے باوجود اعتدال سے بہت دور لے جائے گی۔

خواتین وحضرات! جو کلمہ جدلیات کا سبق دیتا ہو، جو اللہ تبلیغی مراحل میں کہتا ہو، "وجادلهم بالتي هي احسن" (النحل: آیت ۱۲۸) کہ بحث کر یہ نہیں کہ بحث نہ کر۔ بحث کر اور جو بھی تیرے مخالف آئے، اور جو بھی تجھے Reason دے۔ اس کے خلاف Reason دے "وجادلهم بالتي هي احسن" (النحل: آیت ۱۲۸) مگر دلیل اچھی ہونی چاہیے، یہ نہ ہو کہ شورش وغوغا ہو۔ یہ نہ ہو کہ آپ غصے میں کف آلود ہو جاؤ اور سوالات و جوابات کے بجائے ایک دوسرے پہ اینٹ روڑہ برسانا شروع کر دو۔ پروردگار کہتا ہے کہ بصیرت پیدا کرو، تبلیغ بصیرت پہ ہے۔ انداز علم تخلیق کرو۔ اگر کوئی معتبر اعتراض کر رہا ہے تو تم کوئی معتبر جواب ڈھونڈو۔ خدا کے کہنے کا لطیف مطلب یہ ہے کہ اے اہل اسلام، اے اہل ایمان اگر دنیا بہت عقل والی ہوگئی، بہت دانشور ہوگئی، اس میں ہوپکنز پیدا ہو گئے، رسل اور وٹ کانسٹائن پیدا ہو گیا، کلنٹن پیدا ہو گیا، برگساں پیدا ہو گیا، نیطشے اور فیشٹے پیدا ہو گئے، تو تمہارے ہاں ایک بھی ایسا فلسفی اور دانشور پیدا نہ ہوا جس نے خدا کے لیے چاہا ہو، خدا کے لیے نفرت کی ہو۔ جس نے محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں علم کی تلاش کی ہو، جس نے علم کو اپنا مقصد حیات بنایا ہو۔ جس نے یہ حدیث پڑھی ہو، "طلب العلم فريضة علىٰ كل مسلم ومسلمة" (ابن ماجہ، المعجم الصغیر) (علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے)۔ اور جس نے یہ سوچا ہو کہ طلب علم میری زندگی میں کبھی ختم نہیں ہو سکتی، کوئی ابن سینا دوبارہ پیدا نہ ہوا، کوئی ابن رشد تخلیق نہ ہوا۔

دور حاضر میں قحط الرجال علم پیدا ہو گیا ہے۔ جواب مل نہیں رہے سوال بیشمار ہو گئے ہیں خواتین وحضرات سوال تو ہر چیز سے نکل رہا ہے بذات مذہب سے نکل رہا ہے۔ سوال معاشرت سے نکل رہا ہے۔ سوال ماڈرن ٹیکنالوجی سے نکل رہا ہے سوال کلچرل ڈس ہارمنی سے نکل رہا ہے اگر سوال ہر جگہ سے نکل رہے ہیں تو جواب بھی تو کسی جگہ سے نکلنا چاہیے۔ جواب بھی تو کسی خیال سے آنا چاہیے آج کا سب سے بڑا بحران کہ ایمان اس لیے مضطرب ہے خواتین وحضرات! میں سمجھتا ہوں کہ ایمان ہمارے سینوں سے جلاوطن ہے۔ وہ بیچارہ جنگل اور صحرا میں مارا مارا پھرتا ہے۔ کوئی مومن ہو، کوئی ایسا دیندار ہو جو مجھے خدا کے لیے چاہے، اس کے دل میں خدا کے لیے محبت ہو، اس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہو، وہ خدا کے لیے چاہے اور خدا کے لیے نہ چاہے، وہ کفر سے ڈرے اور Hate کرے، اور اپنے آپ کو کسی نہ کسی طرح خدا کے قرب وجوار میں آباد رہنا چاہے۔ اس کو استاد نہیں ملتا، اس کو شناخت نہیں ملتی۔ ایمان اس بے چارے کی متاع حیات نہیں بن سکتی، ایمان کا علم پر استوار ہونا بہت ضروری ہے جب آپ Clash of Ideas سے گزرتے ہیں

جدلیات فکر سے گزرتے ہیں اور آپ کا سب سے پہلا سبق جو ہے۔ لا الہ الا اللہ ہے، یہی آپ کو جدلیات علم میں ڈال دیتا ہے۔ اگر آپ غور کرو تو یہ کہنا کہ کوئی اللہ نہیں ہے سوائے اللہ کے اور ایک اللہ کے تو پورے کا پورا جملہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا، جب تک بہت سارے الہ کو الہ نہ بناؤ اور ان کو فکری اور ذہنی طور پر رد نہ کرو۔ حتیٰ کہ جب تمام الٰہیات کو تم Reject کرو گے، تمام ناقص خداؤں کو Reject کرو گے، تمام اسباب تخلیق کو Reject کرو گے تو بالآخر آپ اللہ کے اقرار تک پہنچو گے۔ جب تک آپ میں جدلیات الٰہیات استوار نہیں ہوتیں، جب تک آپ غم و فکر کے مراحل سے نہیں گزرتے کہ ہم خدائے واحد کی واحدنیت کا اقرار کیسے کریں، اس وقت تک آپ کا ذہنی اور عقلی ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ خواتین و حضرات! ذرا غور کر کے دیکھیے کہ آج کے زمانے میں حقیقتاً اور علاً یہ کہہ سکتا ہوں کہ لوگ جادو، سحر، ٹونے اور ٹوٹکے پر اللہ کی نسبت زیادہ اعتبار رکھتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی مثال آپ کو پیش کرتا ہوں کہ قریباً قریباً ہر گھر اور ہر گلی میں آسیب زدگی ہے۔ ہر گھر اور گلی میں جادو اور تعویذات اور اس کے اثرات کی بھرمار ہے۔ اب اگر یہ لوگ جانتے ہوں کہ خداوند کریم نے دو خوبصورت آیات جادو اور سحر کے لیے رکھی ہوئی ہیں اور وہ روز ان کو پڑھ لیتے ہوں تو پھر ان کا جادو اور سحر جاتا چاہیے۔ مگر ایسا نہیں ہے والناس اور فلق پڑھنے کے باوجود لوگوں کا جادو سے اعتبار اٹھتا نہیں ہے بلکہ والناس اور فلق پڑھنے کے باوجود گھر گھر حساب کے لیے خواتین چل رہی ہوتی ہیں اور مرد اپنی اداسیوں اور رزق کی کمی کے اسباب خدا کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ جادو، سحر اور تعویذ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جب ہر گلی میں یہ شور ہو ہر جگہ معاشرہ اس الحاد کا شکار ہو تو آپ کا ایمان کہاں رہے گا۔ آپ کا اسلام بھی تو خطرے میں چلا جائے گا۔ اس لیے ایمان کی جب بنیادی Definition پوری ہو جائے۔ جب آپ کو پتا ہو کہ ایمان کیا ہے؟ ذہن کی جدوجہد سے نکلنا اخلاقی پیٹرنز کو استوار کرنا اور اس کے بعد اللہ سے امید رکھنا اب آپ دیکھیے اللہ نے جنت کو کتنا سستا کیا ہوا ہے۔ جنت ایمان والوں کے لیے نہیں ہے۔ جنت اچھے اسلام والوں کے لیے ہے کوئی ایمان والا جنت کی آرزو نہیں کرتا آپ کو پہلے ہی ایمان کی شرائط کا علم ہے کہ ایمان تو خدا کی محبت پہ استوار ہے۔ ایمان تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پہ استوار ہے۔ بھلا ایسا شخص جو اللہ سے محبت کرے گا وہ جنت کی کیا آرزو کرے گا ہاں اس کو بھی جنت پسند آئی تو صرف ایک وجہ سے کہ جنت میں اہل ایمان کا سب سے بڑا سوال یہ ہے۔ کہ آج کے دن یعنی جمعہ کے دن رب کریم ان کو اپنا دیدار دے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کیا جنت میں جنتی اپنی آنکھوں سے اللہ کو دیکھ لیں گے فرمایا ہاں بالکل اسی طرح جیسے تم سورج کو باریک باریوں کی اوٹ سے دیکھتے ہو اور جس شخص کو خدا سے محبت ہے، خدا سے انس ہے۔ جو صاحب ایمان ہے، وہ جنت اور دوزخ کے حوالے سے Impress نہیں ہوتا۔ اس کو یہ پتا ہے کہ میں نے ایمان جنت اور دوزخ کے لیے استوار نہیں کیا مگر اللہ کا قانون جہاں ایک طرف اعلیٰ درجے کے اذہان کے لیے ہے، دوسرا اس کا قانون اس مزدور کے لیے بھی ہے جو شاید اتنی Intellectual Capacity نہیں رکھتا جو اتنی ذہانت نہیں رکھتا جو اتنی خلاقیات کی اعلیٰ تعلیم نہیں رکھتا۔ اگر ایک طرف ایمان اعلیٰ ترین ذہانت ہے تو دوسری طرف اللہ نے یہ Facility Creat کر دی ہے کہ معمولی سے معمولی انسان بھی کوئی نہ کوئی سطح ادراک اس کے لیے رکھتا ہے۔ چاہے اب دیکھیے ایک شخص کو آپ لالچ دیتے ہو، ایک شخص کو خوف دیتے ہو تو اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن حکیم بھی تو دوسرے لوگوں کی طرح لالچ دیتا ہے اور خوف دیتا ہے مگر ایسا اس لیے ہے کہ انسانوں

کی ذہنی سطح مختلف ہے اور قرآن حکیم میں آپ دیکھیں گے جو آیات منسوخ ہیں، ان کے بھی درجات ہیں۔ "ما ننسخ من ایۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا" (البقرۃ: آیت ۱۰۹) کہ جب ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں تو اس سے بہتر آیت عطا کر دیتے ہیں۔ دیکھیے اہل ایمان کو اللہ نے کہا کہ اگر تم اہل ایمان ہو اور خدا کے لیے مرنے اور لڑنے کا جذبہ رکھتے ہو۔ تو ہم نے تمہیں بہت بڑی برکت دی ہے۔ تم میں سے ایک آدمی دو سو آدمیوں پر غالب ہے دو چار پہ نہیں۔ اللہ نے کہا کہ تم میں سے ایک آدمی دو سو آدمیوں پہ غالب رہے گا۔ اب مسلمانوں کے درجات تھے، اصحاب کے درجات تھے کوئی ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔

شخصیات کے مقام اور درجات میں بڑا فرق ہے۔ تو کچھ مسلمان گھبرا گئے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھلا اتنی بڑی Average ہم سے کیسے نکلے گی یہ تو بڑی جنگ ہے تو پھر خدا نے کہا کہ ہم نے تمہاری کمزوری دیکھی ہے۔ تم میں سے کچھ کی کمزوری دیکھی ہے، اس لیے اب ہم وہ قانون ہٹا کے منسوخ کر کے اب تمہیں کوئی ہلکا پھلکا قانون دیتے ہیں کہ تم واقعی خدا کے بندے ہو، خدا کے لیے لڑنے والے ہو تو ہم ہر حال میں ایک کو دو پہ غالب کریں گے۔ خواتین و حضرات بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ یہ پہلی منسوخ ہے۔ مگر منسوخ نہیں ہے۔ اس نسخ میں جیسے اللہ نے کہا کہ ہم نے ایک آیت پیچھے ہٹائی اور اس سے بہتر آیت دے دی۔ بہتر آیت جیسے عام لوگوں کے لیے ہے مگر وہ آیت جو ہے دو سو والی یہ بھی قائم رہے گی۔ ان اہل ایمان کے لیے کہ جو قیامت تک صرف خدا کے لیے "قل ان صلوۃ و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین" (الانعام: آیت ۱۶۱) کہ وہ لوگ جو اپنی جان زندگی موت تمام تر خدا کے لیے صرف کریں گے، ان کے لیے وہ پہلی قائم رہے گی وہ ایک یا سو پہ ضرور غالب آئیں گے۔ تو ایمان خواتین و حضرات کم ہوتا ہے بڑھتا ہے آپ کوئی خطا کرتے ہو۔ خلاف خدا کرتے ہو خلاف شرع کرتے ہو۔ کچھ عرصے کے لیے ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایمان آپ سے نکل کر ایک چھتری کی طرح آپ کے سر پہ جاتا ہے۔ پھر جب وہ خطا ختم ہو جاتی ہے جب آپ کا گناہ ختم ہوتا ہے۔ وہ ایمان پھر واپس آ جاتا ہے اس لیے کہ خطا اضطرابی ہے لوکل ہے۔ ایمان جو ہے انسان کے دل میں رہنے والا ہے۔ ایک انسان ہو سکتا ہے کہ خدا کی خلاف ورزی ذہنی اور منطقی طور پہ نہ کرنا چاہے۔ مگر اضطراب میں وقتی اشتعال میں اور Momently Influence میں وہ ایک ایسی خطا کر بیٹھتا ہے جو اس کا دل قبول نہیں کرتا۔ جب بعد میں وہ تاسف کا اظہار کرتا ہے تو اس کا ایمان اسے واپس آتا ہے۔ اتنے لیے Span of life میں جو ایک انسان کو عطا ہوتا ہے۔ کتنے ایمان پر ہر انسان کی نجات ہے۔ یہ بڑی Important بات ہے خوف۔ ابھی میرے اس عزیز نے ایک آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی کہ "قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم" (الزمر: آیت ۵۳) کہ کہہ دے میرے بندوں کو کہ تم نے بڑے گناہ کیے مگر گناہ کو اللہ گناہ نہیں کہتا، اسراف کہتا ہے خطا کو اسراف کہتا ہے۔ اسراف بڑی سادہ سی بات ہے۔ جیسے عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ "لاخیر فی الاسراف" اسراف میں کوئی خیر نہیں ہے۔ خدا کی راہ میں جتنا خرچو اسراف نہیں ہے اور خدا کے خلاف راہ میں جتنا بھی خرچو گے اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ اللہ میاں قرض لیتا ہے دیتا ہے اور اللہ میاں نفع ریٹرن کرتا ہے۔ عجیب سی بات ہے کہ زمین پہ بھی بینکوں کے کاروبار ہیں، اور اوپر بھی ایک بینک کھلا ہوا ہے۔ اللہ کو لوگوں سے قرض لینے کا شوق ہے، وہ ادھار لیتا ہے، ایسا سرمایادار ہے جو کثرت نفع سے نوازتا ہے۔

بھی عام حالات میں اگر ایک شخص ایک روپیہ لے کر دس روپے واپس کرے تو آپ سمجھیں گے بہت بڑا فراڈ ہے یا کسی بہت بڑے فراڈ کی نیت رکھے ہوئے ہے یا آپ اسے مجنون و پاگل کہو گے مگر اللہ کی یہ عادت شریفہ ہے کہ وہ Ultimate قرض لیتا ہے اور پھر بہت بڑا اضافہ کر کے لوٹا دیتا ہے۔ "من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضاعفہٗ لہٗ اضعافاً کثیرۃً" (البقرۃ: آیت ۲۴۵) کہ جس نے اللہ کو قرض دیا اللہ کے لیے خرچا۔ اللہ کے لیے بانٹا۔ اللہ کی محبت میں دیا پھر اللہ اسے یہ قرض ہزار گنا زیادہ کر کے لوٹا دیتا ہے۔ خواتین و حضرات! صاحب ایمان کو اس آیت پہ اعتبار ہو سکتا ہے مگر آپ ذرا اپنے دل ٹٹول کے دیکھ لیں کہ آپ کو اس بات پر کتنا اعتبار ہے ایسے لگتا ہے کہ اس آیت شریفہ پر ہمیں قطعاً اعتبار نہیں ہے۔ ہم روپیہ دو روپے خرچنے کے بعد اس کو آزمائشی روپیہ قرار دیتے ہیں کہ اس ایک روپے کے دس روپے آئے تو دیکھیں گے۔ بڑی قسمت کی بات ہے کہ بہت سارے لوگ عمومی زندگی میں اس طرح میرے پاس آتے ہیں کہ پروفیسر صاحب آپ دعا فرمائیں ہمارے مال میں کثرت ہو۔ میں پوچھتا ہوں کیوں فرمایا، بس ایک آرزو ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں بہت خرچ کریں۔ میں ان سے کہتا ہوں یار کچھ نا کچھ تو اب بھی تمہارے پاس ہوگا۔ اس مال میں سے اللہ پر تم کتنا خرچتے ہو۔ آپ خدا پر اتنے بڑے کلیم جو رکھتے ہو۔ اگر اس پر آپ کا یہ Claim ہے کہ آپ کو پیسے خدا اس لیے دے کہ آپ اللہ کی راہ میں خرچو تو سب سے پہلے جو کچھ تمہارے پاس ہے، اس میں تو خرچ کر کے دکھاؤ نا، اللہ کو۔ کوئی Basic اعتبار تو آئے مگر بخل جان سے بڑا کوئی بخل نہیں ہے اور انسان ہمیشہ Insecurity کے احساس میں مبتلا ہے۔ خدا سیکورٹی کا احساس دیتا ہے اور انسان Insecurity میں مبتلا ہے۔ جو ہے کسی شخص کی Insecurity ایک مہینے اور کسی کی ایک سال کی ہے اور بعض سرمایہ دار ایک سو سال کی Insecurity کو کور کر رہے ہوتے ہیں۔ خواتین و حضرات! یہ اللہ پر خاک اعتبارات ہیں۔ آپ اگلے سال کا سوچتے ہو۔ چلو یہ تو مناسب لگتا ہے کہ آپ نے ایک بچہ کالج یا سکول میں داخل کرایا اور آپ اس خیال سے ڈرتے ہو کہ ایک سال کی فیس اتنی ہے اتنا روپیہ ہمارے پاس ہونا چاہیے کہ یہ ایک سال کی فیس جمع کرنے کے لیے ہمارے پاس کچھ ہونا چاہیے مگر میں نے یہ دیکھا ہے کہ لوگ نہ صرف اولاد کا سوچتے ہیں، بلکہ ان کی شادیوں، تعلیمات اور ان کے ناتے بڑھ جانے کا سوچتے ہیں، پھر شاید ان کے شاندار مقابر بنانے کا بھی سوچتے ہوں۔ اتنی لمبی Insecurity خدا پہ مکمل بے اعتباری کا ثبوت ہے اور اس میں تو کم از کم ایمان کا شائبہ بھی موجود نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی جو سب سے زیادہ چیز پسند ہے وہ اخلاق ہے جو ہم سب میں سے شاید رفتہ رفتہ کم ہوتی جا رہی ہے۔ اچھی بات کرنا تو حیرت کی بات ہے کہ آج کل اخلاق منافقت کا حصہ بن گیا ہے۔ سیاست کا حصہ بن گئی ہے۔ آج آپ اس شور وغوغا میں دیکھ لیں اس شور وغوغا میں سیاستدان اتنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کر رہا ہوگا۔ گلی گلی، کوچہ کوچہ کہ انسان اسی پہ فیصلہ دیتا ہے چلو جی جو بھی ہو بات تو بڑی اچھی کرتا ہے اور دوسری بات جو اللہ کو پسند ہے وہ کھانا کھلانا۔ خواتین و حضرات! اگر اخلاق اچھا ہے اور اگر آپ مہمان نواز ہیں تو آپ کو اللہ بہت پسند کرے گا اور آپ کو ایمان دار سمجھے گا۔ آپ کو پتا ہے کہ عرب کی جاہل سوسائٹی میں کوئی وصف نہ تھا، بدترین لوگ تھے۔ اس زمانے کو جاہلیت کا بدترین زمانہ کہتے ہیں مگر پھر خدا نے ان کو کیوں چنا کیا ان میں بہتر لوگ موجود نہ تھے، کیا زمین پر ایسے اشراف موجود نہ تھے، جو اللہ کو بہتر کام دیتے۔ آخر اس بدترین جاہل ترین اور اخبث قوم کو کیوں اس نے چنا۔ اس کی دو بنیادی وجوہ تھیں کہ وہ مہمان نواز بہت تھے۔ دلیر تھے،

شجاع تھے، مرنے کی ہوس رکھتے تھے۔ جذبہ زندگی سے گریز کرتے تھے۔ آپ دیکھیے تو سہی کہ کتنے دلیر تھے کہ مرتے وقت ان کو کافر بھی کہتا ہے کہ او ساربان زادے میری گردن ذرا نیچے سے کاٹنا تاکہ نیزے پر چڑھے تو سردار قریش کا سر لگے، یہ مرتے وقت ابوجہل کا قول ہے اور مہمان نواز اتنے کہ تیمیہ کے حاتم کی داستانیں تو آپ نے سنی ہوں گی۔ خواتین و حضرات! یہ محض داستانیں نہیں تھیں۔ جب سفّانہ حاتم کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ کو پتا لگا کہ یہ حاتم کی بیٹی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھی چادر بچھائی اور اس کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ تو لوگوں نے استعجاب کیا تو فرمایا کہ اس کا باپ فیاض، مہربان اور نیک شہرت والا تھا۔ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ خواتین و حضرات! کہ شیطان سب سے زیادہ ایک فاسق فیاض سے ڈرتا ہے۔ وہ ساری زندگی اس سے مضطرب رہتا ہے۔ وہ منافق پر زور لگا رہا ہوتا ہے وہ متقیوں کو گمراہ کر رہا ہوتا ہے اور اس کا گمان ہوتا ہے کہ یہ تو پکا فاسق، شرابی، زناکار، جوا کھیلنے والا اور بدکار ہے اور اس کے تو سارے رستے بند ہیں۔ اس کو تو میں جب چاہوں اپنی گرفت میں لے لوں کیونکہ میں اس کو جہنم کے رستے پر ڈال ہی چکا ہوں مگر اس کی بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ وہ فیاض ہوتا ہے اور وہ فسق و فجور کے باوجود جب کسی غریب کی دعائے اجابت سن لیتا ہے تو پروردگار اس کے تمام گناہ معاف کر کے اسے بخش دیتا ہے۔ اس لیے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ شیطان سب سے زیادہ ایک فاسق فیاض سے ڈرتا ہے اور جب حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواتین کے ایک گروہ سے گزرے تو فرمایا کہ تم میں ایمان کی بہت کمزوری ہے۔

خواتین و حضرات! ایمان عجلت پسند نہیں ہوتا۔ جلدی جلدی شفٹ ایبل نہیں ہوتا۔ جس کے دل میں ایک ذہنی اعتبار قائم ہو جائے، اخلاص قائم ہو جائے اور ایک مکمل عقیدہ بن جائے تو وہ اتنی جلدی نہیں جاتا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تو خواتین نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ہم میں ایسا کیا قصور ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طبعی وجہ ایک یہ فرمائی کہ تمہارے، دین کا نقصان یہ ہے کہ کچھ عرصہ نماز روزے سے گریز کرتی ہو اور دوسری ذہنی اور فکری وجہ یہ بتائی کہ تمہارے اثرات اور تفکرات لوکل اور محدود ہوتے ہیں اور تم میں اتنی Possession ہے کہ یہ سارے کا سارا نظام Possession ہوتا ہے۔ آپ کو پتا ہے جب معاشروں کی تقسیم کی گئی تو اس بات کو ملحوظ رکھا گیا کہ انسانی معاشرہ کو توازن اور ہمواری سے چلانے کے لیے عقل و شعور کی ضرورت ہوگی۔ لہٰذا خدا نے فرمایا ہے کہ اگر انسان اس کی عطا کردہ آسمانی صلاحیتوں اور اہلیتوں کو بروئے کار لائے گا تو پھر آخر کار اسے زندگی میں غیر معمولی کامرانیوں اور خوبصورتیوں سے ہمکنار کر دیا جائے گا۔ جب انسان اپنے اندر ذوق، جستجو، محنت اور تخلیق کو روا دینے کی آرزو رکھے گا آسمان اس پر کرم اور عنایت کی برسات برسائے گا۔ سکائی سکریپر تخلیق کرے گا، آسکیلیٹر تخلیق کرے گا۔ جب سمندروں میں اس کے جہاز چلیں گے، جب موت کو زندگی میں بدل دے گا اور جب اپنی خدائی کا دعوے دار ہوگا۔

Self centered narcissistic God of the West.

لہٰذا آپ اس کو Face کرنے کے قابل نہیں ہوں گے۔ آپ کی ٹیکنالوجی بڑی پست ہوگی۔ آپ بڑے کم تر درجہ میں ہوں گے، پھر آپ خدا سے دعا کریں گے مگر اس وقت آپ کے اندر ایک صاحب ایمان موجود ہوگا، وہ خدا سے دعا

کرے گا، مہدی اس وقت موجود ہوگا۔ مہدی کی کیا تعریف ہے۔ کوئی خاص تعریف نہیں ہے۔ آپ بخاری اور مسلم پڑھ لو، اس کی کوئی تعریف نہیں ہے۔ بخاری بالکل سادہ سے لفظوں میں اس کی ایک چھوٹی سی تعریف دیتا ہے کہ حضور گرامی مرتبتؐ نے فرمایا کہ زمانہ آخر میں مسلمانوں کے گروہ کے سردار ایک نیک مسلمان ہوں گے۔ That is all۔ صحیح بخاری میں حضرت امام مہدی کی یہ ساری تعریف ہے۔ آپ بتاؤ یہ کتنی بڑی تعریف ہے۔ آپ حیران تو ہوں گے آپ کے گمان کے مطابق تو اس معاشرے میں ہزاروں نیک مسلمان گزرتے ہوں گے پھر ان کی خاطر اللہ زمانہ کیوں نہیں بدل دیتا۔ فرمایا زمانے کو برا مت کہو۔ زمانہ میں ہوں۔ میں دن رات کو پلٹتا ہوں، میرے ہاتھ میں امر ہے میں دن رات پلٹتا ہوں۔ میں کسی بھی قوم کو پلٹ سکتا ہوں۔ انسانوں کے دل میری مٹھی میں ہیں۔ جیسے ہوا ایک پر کو سطح زمین پر جس طرح چاہے پلٹاتی ہے، ایسے ہی لوگوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں۔ جیسے چاہوں پلٹا دوں، جس سے چاہوں چھین لوں۔ آپ بڑے دعوے کرتے ہو، آپ حکومت ساز ہو، اتنے بڑے بڑے دعوے، خدا تو مختصر سی کارروائی کرنے والا ہے۔ مجھے ایک دفعہ بڑی ہنسی آئی ایک حکمران سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ اگلے پانچ سال بھی صدر رہو گے، تو انہوں نے کہا، کس کو پتا، اگلے پانچ سال جیتا بھی ہوں یا نہیں۔ تو مجھے ہنسی اس بات پہ آئی کہ انہیں ان پانچ سالوں کا کیسے یقین ہے۔ یہ ایمان، یہ شناخت نہیں ہے پلٹتا نہیں ہے۔ اگر مسلمان مغلوب ہے تو واضح بات ہے کہ ایمان نہیں ہے اور ہمیں اپنی ترجیحات درست کرنی چاہئیں اور عقل کی ایک ترجیح یہ ہے جو ایمان کی شرط ہے کہ

The only top priority of intellectual curiosity is God and nothing else.

اور ہمارا مرض کیا ہے کہ

We always give lesser importance to the top priority and more importance to the lesser priority

ہم سب سے بڑی ترجیح کو نظر انداز کرتے ہیں اور کمتر ترجیحات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ یہی غلطی پورے اسلامک ورلڈ میں ہے۔ کبھی وہ نیشلسٹ بنے ہوئے ہیں، کبھی وہ لوکلسٹ بنے ہوئے ہیں، کبھی ڈاکمپلیکس بنے ہوئے ہیں۔ ہر آدمی انقلاب کی کوشش کر رہا ہے اور اس کی ذات کے اندر اس کا ایمان ابھی ویسا بھی نہیں ہے جیسے عرب کے ان اعراب کا تھا جو ابتدائے دور میں اسلام لائے تھے۔

سوالات و جوابات

امام مہدیؑ کا ظہور دین کے غلبے کی ضمانت ہے

سوال: کیا امام مہدیؑ کا قرآن میں ذکر ہے؟ اور وہ کب آئیں گے؟

جواب: جی قرآن پاک میں حضرت مہدیؑ کا ذکر نہیں ہے یعنی اگر قرآن میں اللہ نے مہدی کا ذکر کیا، تبدیلی کا

ذکر کیا، اسلام کا ذکر کیا اور کہا کہ یقین جانو کہ میرا دین اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک یہ تمام ادیان پہ غالب نہیں آجاتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانہ آخر کی بشارت دیتے ہوئے نزول عیسیٰ علیہ السلام کی وضاحت کی ہے اور ان آیات کا حوالہ دیا ہے کہ خداوند کریم نے کہا "لیظہرہ علی الدین کلہ" (التوبہ: آیت ۳۳) کہ میں یقیناً زمانہ آخر میں اپنے دین کو تمام ادیان پہ غالب کردوں گا اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث قرآن کی وضاحت ہے اس لیے آپ نے اس زمانے کی وضاحت فرماتے ہوئے کہا کہ مہدی اور عیسیٰ کا زمانہ اللہ کے دین کی برتری اور غلبہ کا زمانہ ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کے ضمن میں کہا کہ اس وقت تو وفات نہیں پائے گا جب تک کہ تمام جملہ ادیان کے لوگ تجھ پہ اعتبار نہیں کریں گے اور یقین نہ لائیں گے۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانہ آخر کے ساتھ امتزاج کیا اور مہدی اور عیسیٰ کا زمانہ ایک قرار پایا تو میں عرض کر رہا ہوں کہ جب دجال بہت جوش و خروش میں آئے گا اور مسلمان اس سے مقابلے کی استطاعت نہیں رکھیں گے تو حضرت مہدی والصلوٰۃ والسلام دعا فرمائیں گے اور نزول عیسیٰ ہوگا۔

محبت اور عقیدت کا مفہوم

سوال: کیا مذہب میں عقیدت کی گنجائش ہے؟ علاوہ ازیں قرآن کی روشنی میں محبت کی بھی وضاحت فرمائیں؟

جواب: آپ کے دوسرے سوال کا جواب میں دوں میں نے عقیدت کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ میں نے محبت کا لفظ استعمال کیا ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے۔ عقیدت ایک ایسی Blindness ہے کہ جس میں کوئی Reason نہیں ہوتی مگر محبت، دانشوری اور علم ہے۔ دیکھیے کہ برصغیر کے لوگ بہت جذباتی ہیں، ٹوٹ کر محبت کرنے والے بلکہ ہمارے نقائص بھی ہماری محبت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ Mostly جیسے میں آپ سے وہ فلسفہ بیان کر رہا تھا کہ مادرانہ اور پدرانہ نظام میں ماں کی طرف سے انس اور گہرائی اور محبت شو ہوتی ہے اور باپ کی طرف سے، بے پروائی اور گنوار پن شو ہوتا ہے۔ چونکہ یہ معاشرہ مادرانہ نظام پر مبنی ہے اور مادرانہ نظام بالآخر انڈیا میں غالب آگیا تو ہم میں ایک مادرانہ محبت اور انس بہت زیادہ موجود ہے۔ رسول گرامی مرتبتؐ کے ساتھ ہر مسلمان کی ایک گہری وابستگی اور محبت بھی ہے اور تعلق کے سبب حضورؐ کی ازواج مطہرات ہماری مائیں ہیں۔ اگر برصغیر کے کسی شخص کو پتا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے باپ بھی ہیں تو یقین جانئے کہ وہ باپ کی طرف زیادہ جائیں گے۔ کیونکہ برصغیر کا یہ جذباتی ابلاغ ہے جو ان کو Objective Opinion سے روکے رکھتا ہے۔

One of the major losses which we suffered in the modern age in the modern sciences.

کہ ہمارے شدید جذباتی لوگوں کو کوئی بھی Rigid عالم اٹھ کر Exploit کر سکتا ہے۔ یہ شدید محبت ہی کی وجہ ہے کہ نوجوان پگڑیاں باندھے پھرتے ہیں۔ اگر آپ ان سے پوچھو تو یہ محبت رسولؐ ہی میں یہ پگڑیاں باندھے پھرتے ہیں۔ ان میں اتنا انس ہے اور یہ خدا سے اتنی محبت رکھتے ہیں کہ ایک عام سا ان پڑھ آدمی ان کو مولوی کہہ دیتا ہے کہ میرا

طریق محبت ہے۔ یہ اس کی پگڑی بھی پہن لیتے ہیں۔ اخلاص، انس اور محبت برصغیر میں ہے یہاں Heartless اعراب میں نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک پریکٹیکل Decadent ویلیو سمجھنا شروع ہو گئے ہیں۔ جو اپنے دور میں اتنے Academecian ہیں اتنے متشدد مبلغین ہیں کہ وہ اس Importance کو خارج کر دیتے ہیں اور وہ دور حاضر کے علماء کو قریباً قریباً اسی سٹیٹس میں دیکھتے ہیں۔ ایک بہت بڑے دور حاضر کے مبلغ اور مفکر کی Statement میرے سامنے ہے کہ میں پیغمبر نہ تھا مگر مجھے کام پیغمبرانہ دے دیا گیا تو آپ دیکھتے ہیں ایک Idealistic Statement ہے جس میں وہ اپنے آپ کو غیر معمولی حیثیت کا حامل قرار دے رہے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ

Islam as a religion doesn't hate anybody. Islam deosn't hate jews. we have no reason to hate them.

اگر اس وقت کوئی مسلمان یہودی سے نفرت کر رہا ہے تو وہ اس کے یہودی ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ وہ اسلام جو ایک بنیادی اصول دیتا ہے "لا اکراہ فی الدین" (البقرۃ: آیت ۲۵۶) وہ کبھی یہودی سے نفرت نہیں کر سکتا، یہود ہونے کی وجہ سے۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کے خیال میں یا مسلمانوں کے خیال میں یا پریکٹیکل کانڈکٹ کی وجہ سے Overall جو Basic مسلمان ہے، جنرل مسلمان ہے۔ اور جہاں مسلمان اکثریت میں ہے ان کی Identity اور ان کی سیکورٹی مسلسل ایک طویل عرصے سے یہود کی وجہ سے Risk میں پڑی ہوئی ہے Just like Pakistan کہ پاکستان کی سیکورٹی یہود کی وجہ سے Risk میں پڑی ہوئی ہے۔ اب اسی Question پہ ایک دوسرا لیکچر مرتب ہو جائے گا، میں آپ کو ایک مختصری خوشخبری سنانا چاہتا ہوں۔ حضرت نعیم بن حمادؒ کی حدیث ہے، میں آپ کو پاکستان کا وصف بتا رہا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب ہند کے مسلمان کفار ہند سے جنگ کر چکیں گے اور ان کے امراء اور شرفاء کو گرفتار کر لیں گے تو پھر شام میں مہدیؑ کا ساتھ دیں گے، ویسے آپ کی تسلی ہو جانی چاہیے کہ ہم نہ صرف ہنود سے لڑیں گے بلکہ یہود سے بھی لڑیں گے۔ Basically ہم صرف

Survival of Islam

کے لیے لڑیں گے اور تمام احادیث اس بات پہ متفق ہیں کہ Survival of Islam میں دجال کا سب سے بڑا Instrument یہود ہوں گے۔ یہ ایک Question ہے کہ کچھ دانشوران عصر کا خیال ہے کہ Prophet صرف اپنے علاقہ اور زمانے کے لیے ہوتا ہے میرا خیال یہ ہے خواتین و حضرات کہ اس سے زیادہ ناقص Statement شاید کسی امتی کے ذہن میں نہیں آ سکتی۔ یہی سوال اگر وہ لوگ کریں جو کسی رسول کے امتی نہیں ہیں تو ہم اس کو دوسری طرح سے ٹیکل کریں گے۔ اگر ایک امتی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ سوال کرتا ہے کہ پیغمبر علاقائی ہے یا پیغمبر لوکل ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ وہ اپنے پیغمبر پہ ایمان نہیں لایا۔ اس لیے کہ ہم نے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ زمانہ آخر تک علم کیا حیثیت اختیار کرے گا، زمانہ آخر تک علم کس نوعیت کا ہے۔ اور اگر آپ غور کریں گے تو انتھروپالوجی کے ریفرنس سے آپ کو پتا لگے گا کہ سب سے پہلا انسانی معاشرہ پریسٹ معاشرہ ہے۔ سب سے پہلا استاد سب سے پہلا حکمران پریسٹ ہے۔ یعنی پیغمبر ہے اور شروع ہی سے پیغمبر تمام کام سرانجام دیتے ہیں۔ وہ پیغمبر بھی تھے۔ وہ حکمران بھی تھے وہ Teach بھی کرتے تھے اور

دنیاوی معاملات میں Preach بھی کرتے تھے۔ معاشرہ آگے بڑھتا گیا پیغمبر اس کثرت سے نہ آئے۔ انہی پیغمبروں کی تعلیمات پر بیچ کے ادوار میں لوگوں کو رینڈ کیا گیا پھر ان کے ادوار میں تعلیمات خراب ہوئیں۔ پھر نوح کے زمانے میں مکمل عالم کی تباہی ہوئی۔ دوبارہ معاشرے کا اجراء ہوا۔ اگر آپ قرآن پڑھیں تو اس کے Historical References اتنے Correct ہیں کہ جو آثار و شواہد و آثار قیات نکل رہی ہیں، وہ قرآن سے بالکل مطابقت رکھتی ہیں۔ قرآن پہلے کہہ چکا ہے اور اب وہ باتیں ثابت ہو رہی ہیں۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ دیکھو نوح! میں نے تیرے ان لوگوں کو جو کشتی میں ہیں بچا کے لے تو آیا ہوں مگر یہ لوگ پھر وہی غلطیاں کریں گے جو اس سے پہلے کرتے آئے ہیں اور پھر میں ان پر اسی طرح کے عذاب توڑتا رہوں گا۔ معاشرہ پیغمبر کے بغیر برا نہیں ہے البتہ جب زمانے نے خدا کے خلاف سرکشی اختیار کی تو گا ہے گا ہے کبھی موہنجو دڑو ہلاک ہوا اور یہ ہلاکت اس طرح کی ہلاکت نہیں جیسے کہ جنگوں میں ہلاکت ہوتی ہے۔ یہ ٹوٹل ہلاکت ہے۔ اس میں سے بچتا کچھ نہیں ہے۔ آثار قدیمہ کوئی نہیں بندوں کا حساب کوئی نہیں۔ کوئی کتاب نہیں بچتی کوئی Document نہیں بچتا ہے۔ پیغمبر اپنے زمانے کا سب سے بڑا Intellectual ہوتا ہے۔ اگر نہ ہو تو دانشور اس کی بات کیسے مانیں۔ اگر وہ اپنے زمانے کا ذہین ترین انسان نہیں ہے، سب سے بڑا عالم نہیں ہے سب سے زیادہ موزوں بات کرنے والا نہیں ہے، سب سے موزوں عقل والا نہیں ہے تو لوگ اس کی بات کیسے مانیں گے۔ اگر ہزاروں لوگ جو دانشور ہیں، اہل عرب میں نصاب کے بڑے ماہر تھے، بڑے بڑے دانشور تھے اور وہ تیز طرار تھے مگر جب قرآن اترا پیغمبر کے پاس کوئی ایسی چیز تھی جس نے انہیں عاجز کر دیا پیغمبر کی زبان سے ایسے خیال نکل رہے تھے جو غیر معمولی تھے Unusaul تھے۔ پیغمبر خبر دے رہا تھا۔ پیغمبر اگر قیامت کی خبر دے سکتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر زمانے کے بیچ کی خبر دے سکتے ہیں۔ اگر مہدی اور عیسیٰ کی خبر دے سکتے ہیں تو آپ تمام ترین علم کی معراج تھے۔ اگر پیغمبر آپ کو سارے مستقبل کے رستے دکھا گئے ہیں تو پھر پیغمبر لوکل کیسے ہو سکتا ہے۔ پیغمبر کے دو قول ہیں انہوں نے ایک قرآن اور دوسری حدیث دی اگر آپ کا مطالعہ اچھا ہو تو آپ دیکھیں گے کہ زمانہ آخر تک کی کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خدا کے رسولؐ نے آپ کو Advance نہ بتا دی ہو۔ ابھی سائنسز ان اطلاعات تک نہیں پہنچیں "اللہ الذی خلق سبع سموٰت و من الارض مثلھن" اللہ ہی تو ہے جس نے سات کائناتیں تخلیق کیں اور اسی کی طرح کی سات زمینیں "یتنزل الامر بینھن" اور ان تمام زمینوں پہ ہمارا حکم اترتا ہے "لتعلموا ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر" (الطلاق: آیت ۱۲) تاکہ تم جان سکو وہ کتنی بڑی قدرت والا کتنا بڑا قادر ہے تو مجھے بتائیں کیا ابھی تک کسی دوسری زمین کا سراغ کا سائنسدان نے ڈھونڈ لیا۔

But the option is alive. اللہ آپ کو سات کائناتوں کی خبر دیتا ہے اب پندرہ سو برس بعد 1994ء میں یا 1995ء میں یا آگے جا کر آپ صرف اتنے قابل ہوئے ہیں کہ Multiuniverse کا کانسپٹ پیدا ہوا ہے۔

Multiuniverses کا کانسپٹ اب آ کے ان پچھلے تین مہینوں میں پیدا ہوا ہے۔ جو پندرہ سو برس پہلے قرآن نے رسولؐ کے ذریعے بیان کیا ہے۔ رسولؐ کیسے لوکل ہو سکتا ہے۔ کیسے وہ ایک وقت کا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ جب قرآن یہ کہہ رہا ہو اور رسول کی زبان سے کہہ رہا ہو "اذا الشمس کورت O و اذا النجوم انکدرت O" (التکویر: آیت ۱) سورج لپیٹ لیا جائے گا ستارے ماند پڑ جائیں گے آپ جے ایم جیم سے پوچھو ہاکنگ سے پوچھو تو وہ آپ کو بتائیں

گے۔ The sun is dying. سورج مر رہا ہے اس کی روشنی ماند پڑ رہی ہے۔ اٹھارہ ہزار ایٹم جو اس کے پر سیکنڈ پھٹ رہے ہیں۔ جس کی توانائی ہم تک پہنچ رہی ہے وہ کسی بھی اینٹی ایکشن میں مبتلا ہو کر یا Suddenly Finish ہو جائے گا یا Gradually۔ سائنسدان کیا کہتا ہے کہ Gradually ختم ہونے میں زمین کو دس ارب سال لگیں گے، دس ارب سال مگر لگیں گے ضرور The only probable end of this earth. جو وضاحت سے نظر آتا ہے۔ قرآن کہتا ہے ذرا غور کیجیے تم زمین والے بڑے اتراتے ہو۔ ایک تو انسان کا بچہ مغرور بہت ہے۔ یہ غیر معقول اپنے آپ کو کائنات میں تنہا پاتا ہے اسی لیے تو اپنے آپ کو Important سمجھتا ہے۔ اگر سات زمینوں کا اس کو پتا ہو، اگر اس کو پتا ہو کہ سات زمینیں اور بھی ہیں، ادھر بھی قرآن ڈھل رہا ہے۔ تو یا اپنے ٹھکانے پہ آ جائیں مقابلہ ہو جائے۔ لیکن چونکہ کوئی زمین Discover نہیں ہوئی ابھی تک

But according to scientist the option is always there,

اب کبھی مریخ کی تہوں کو ٹٹولا جا رہا ہے۔ کبھی کسی ستارے پر تحقیقات کر رہے ہیں کہ ہمیں مخلوقات کا مزید سراغ ملے۔

But ladies and gentle men all this must be clear.

کہ آخر وہ کیا Source ہے جہاں نہ کوئی Laboratory نہ کوئی ٹیسٹ ہے مگر ایک آدمی ہے جو آپ کو زمانہ آخر کی خبریں دیے جا رہا ہے۔ ہاکنگ کہتا ہے کہ اگر مجھے Big Bang سے پہلے ایک پل کے بارے میں بھی علم ہو جائے تو میں سارا فلسفہ کائنات Explain کر دوں۔ جبکہ بگ بینگ سے پہلے ایک آدمی کو پتا ہے کہ خدا کیا تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زمین و آسمان کی تخلیقات سے پہلے اللہ دھند میں تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا جبکہ پانی پہ کیا کر رہا تھا۔ اللہ پانی پہ عرش رکھ کر کیا کر رہا تھا۔ اب ذرا دیکھیے وہ دھند میں بیٹھا کیا کر رہا تھا آپ نہیں سمجھ سکو گے

There is no knowledge with you.

مگر کوئی کاسمالوجسٹ بیٹھا ہو تو ایک پل میں کہے گا حیرت انگیز

So wonderful, this is so true.

وہ پاگل ہو جائے گا ''اولم یر الذین کفروا ان السمٰوٰت والارض کانتا رتقاً ''

How dare you to deny me.

اور تم کیسے میرا انکار کر سکتے ہو نالائقو۔ چھوٹے چھوٹے بندو تمہیں میرا پتا ہی نہیں ہے۔ ''اولم یر الذین کفروا ان السمٰوٰت والارض کانتا رتقا ففتقنٰھما وجعلنا من الماءِ کل شیءٍ حی''

How dare you deny me.

''ان السمٰوٰت والارض کانتا رتقاء'' تمہیں نہیں معلوم کہ شروع میں زمین و آسمان ایک تھے۔ ایک Mass تھے ایک وجود تھے ''ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقنھما'' (الانبیاء: آیت ۳۰) پھر ہم نے جبراً انہیں پھاڑ کر جدا کر دیا We tore it apart. ایک بار میرے پاس ایک کاسمالوجسٹ آ گیا۔ وہ Ph.D تھا۔ وہ مجھے کہنے

لگا کہ میں عالم اسلام گھوما ہوں۔ ایک سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں نے کہا یار عالم اسلام آج کل ذرا سستی کا شکار ہے۔ بہر حال ہو سکا تو میں آپ کو جواب دے دونگا۔ اس نے کہا کہ Christian Theology میں اس کائنات کی عمر چھ ہزار سال ہے اور Indian Mythology کے حساب سے کوئی اٹھارہ ہزار سال ہے۔ اسلام Origin of universe کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ میں نے کہا یار بات سنو، تم گمان نہ کرنا کہ میں کوئی تاویل کر رہا ہوں آیت سنا دیتا ہوں اندازہ تم خود لگا لینا۔ میں اسے انگریزی میں لٹرل ٹرانسلیٹ کر دیتا ہوں تو میں نے اسے سنایا۔ "اولم یر الذین کفروا ان السموٰت والارض کانتا رتقا ففتقنٰھما وجعلنا من الماءِ کل شیءٍ حی"

In the beginning the heaven and earth were one mass then I tore them apart.

This is big bang. تو اچھل کر کرسی سے کہنے لگا

This is big bang. تو میں نے کہا یار تو تھوڑی سی کاسمالوجی جانتا ہے تو تجھے اس آیت سے بگ بینگ کا پتا چل گیا ہے۔ میں اپنے تمام علماء کے سامنے یہ آیت پڑھوں تو انہیں Big Bang کا پتا نہیں لگتا۔ یہ ٹریجڈی ضرور واقع ہوتی ہے۔ اب ذرا دوسری آیت دیکھیے اسی سے ملحقہ "وجعلنا من الماءِ کل شیءٍ حی" (الانبیاء: آیت ۳۰) ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا۔ یہ بات آپ ہزاروں مرتبہ پندرہ سو برس سے قرآن میں پڑھ رہے ہیں "وجعلنا من الماءِ کل شیءٍ حی" (الانبیاء: آیت ۳۰) کہ ہم نے تمام اشیاء کو پانی سے پیدا کیا لٹرل ٹرانسلیشن آپ کو کبھی بھی سمجھ نہیں آئی۔ کسی مسلمان نے دعویٰ نہیں کیا۔ کسی نے اس پر فلسفے اور سائنٹفک استدلال کی بنیاد نہیں رکھی ہے۔ جب سر جیمز جیم نے کہا

All life is created out of water.

آپ کو فوراً یقین ہو گیا۔ It is very simple کہ قرآن کا مطالعہ چھوڑ دیا گیا، صاحب قرآن اٹھ گئے، خدا نے جس علم کے لیے آپ کو پیدا کیا تھا وہ آپ نے چھوڑ دیا۔ آپ کیوں برطانیہ اور امریکہ کے فلاسفروں اور سائنٹسٹوں پہ اعتبار کرتے ہیں۔ وہ تو انسانی محنت کے ساتھ قائم ہیں، انہوں نے تجسس کی راہیں ڈھونڈی ہیں۔ اللہ کو مولوی پسند ہیں، قطعاً نہیں، میں آپ پسند ہیں، قطعاً نہیں، اس کے پسندیدہ ہم اور آپ نہیں ہیں نہ کوئی ڈاڑھیوں والے نہ بغیر ڈاڑھیوں والے نہ کوئی مہاجر نہ کوئی مقامی۔ اللہ کے پسندیدہ ترین لوگ کون ہیں۔ "الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبھم" (آل عمران ۳-۱۹۱) کہ صبح اٹھتے بیٹھتے کروٹوں کے بل خدا کو یاد کرتے ہیں۔ "ویتفکرون فی خلق السموٰت والارض" (آل عمران ۳-۱۹۱) اور زمین و آسمان کی تخلیقات پہ غور کرتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک قصہ رہ گیا۔ ہم تسبیح کے لیے رہ گئے وہ غور و فکر کے لیے ہیں۔ جبھی جیو گے تو کوئی دلیل خداوند پیدا ہو گی نا۔ وہ پروردگار یہ کہتا ہے۔

"لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حی عن بینۃ" (الانفال: آیت ۴۲) جو ہلاک ہوا، وہ دلیل سے ہلاک ہوا جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا "وان اللہ لسمیع علیم" (الانفال: ۴۲) اللہ نے یہ کیوں نہ کہا کہ اندھا دھند اعتقاد والے مراد کو پہنچ گئے، اندھے اعتقاد کو پہنچ گئے، وہ مراد پا گئے جو بے عقل تھے۔ خدا کو کہنا چاہیے تھا

جس کو میراث اور وراثت میں دین ملا وہ کامیاب ہوا لیکن خدا نے یہ نہیں کہا فرمایا ''ان شر الدو آب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلو ن'' (الانفال: آیت ۲۲) میرے نزدیک انسانوں میں بدترین جانور وہ ہیں جو میری آیات پر بغیر غور و فکر کے عمل کرتے ہیں، غور و خوض نہیں کرتے۔ سوچتے نہیں اب میں کیا کر سکتا ہوں، اگر مجھے قرآن کی وضاحت ہاکنگ دے رہا ہے۔ آئن سٹائن دے رہا ہے۔ واٹسن دے رہا تو میں کیا کیا وضاحت کر سکتا ہوں۔ قرآن مغرب دے رہا ہے مگر مغرب کے نصیب میں قرآن نہیں ہے۔ آپ کے پاس ایمان کی رتی ہو سکتی ہے آپ کے پاس وضاحت نہیں ہے۔ بحران ہر سمت ہے، مشرق و مغرب میں، بحران ہے۔ وہ خدا کے بغیر بحران میں مبتلا ہیں، ہم خدا لے کے بحران میں مبتلا ہیں۔

خواتین و حضرات! اعتدال علم، غور و فکر، سوچنا اور سمجھنا انسان کی شناخت ہے۔ جب اللہ نے عقل کو پیدا کیا تو کہا مجھے ذرا چل کے دکھا پھر عقل آگے بڑھی، پیچھے ہٹی، خدا نے کہا تو مجھے اچھی لگی، تیرے جیسی کوئی چیز میں نے پیدا نہیں کی پھر اسے انسان کو دے دیا پھر وہ بیچاری تب سے رسوا اور ذلیل ہے۔ عقل سے عاری لوگ خدا کے ناپسندیدہ ہیں اور خوف ان کے مذہب کا مرض ہے۔ خوف مذہب کے لیے انس اور محبت کو پیدا نہیں ہونے دیتا جب عقل کم ہوتی ہے اور جب علمائے اسلام اس بہتر سمت کو نہ دیکھیں، ان آیات کے مطالعے کو لوگوں کے لیے عیاں نہ کریں اور یہ Historical Fact ہے کہ جب برہمن اس ہندوانہ معاشرے میں کھشتری سے جنگ ہارنے لگا تو اس کو بڑا افسوس ہوا کہ ہم تو عاقل و بالغ تھے ہم تو دانشور تھے لیکن کھشتری فوج آکے ہم سے اقتدار چھین کے لے گئے۔ مثل مشہور ہے کہ جب چندر گپت موریا کے زمانے میں اپنے وقت کا عظیم دانشور کوٹلیا جو بادشاہ کو مشورے دیا کرتا تھا تو اس نے بادشاہ کے لیے ایک مکمل جاسوسی کا ایک نظام مرتب کیا اور اس کو بتایا کہ یہ بادشاہت کا طریقہ ہے کہ کسی انسان سے بھی جاسوسوں کی نظر نہ ہٹاؤ تو بادشاہ نے تنہائی میں سوچا کہ یہ چالاک آدمی ہے، اتنا دانشور ہے کہ مجھے اتنا قیمتی مشورہ دے رہا ہے تو اس نے ایک اور خفیہ نظام ترتیب دیا تو مثل مشہور ہے کہ کوٹیلیا نے چندر گپت موریا کو خفیہ نظام سکھائے اور اس کے بدلے میں چندر گپت موریا نے ایک سیکرٹ سروس پوری کوٹیلیا پہ لگا دی کہ اس کی مکاریوں سے بھی مجھے آگاہ ہونا چاہیے۔ تو جب برہمن نے یہ دیکھا کہ کھشتری صرف فوجی طاقت کی وجہ سے مجھ پہ قابو پا گیا ہے تو پھر اس نے طریقہ سوچنا شروع کر دیا کیونکہ مذہبی تو تھے، تو اس نے سوچا کوئی ایسا طریقہ ہو کہ میں کھشتری کو کسی طریقے سے اپنے بس میں لاؤں۔ تو خواتین و حضرات برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ خوف کی ٹیکنالوجی استعمال ہوئی Allure ٹیکنالوجی اور Religious Fear کی ٹیکنالوجی استعمال ہوئی Allure کیا گیا ادا سیوں کے رقص کے ساتھ۔ آپ کوئی منظر اٹھا کے دیکھ لیں برصغیر کا کوئی منظر دیکھ لو آپ کالی کا ہو یا درگاہ کا یا شیوا کا ہو یا وشنو کا، گھنشام کا ہو کوئی منظر دیکھ لو دو صورتیں آپ کو نظر آئیں گی ایک طرف میوزک گھنٹیاں بجتی ہوئی، ساز ہیں، رنگ ہیں، ادا سیوں کے رقص ہیں اور دوسری طرف چھوٹے چھوٹے تاریک خانوں میں نیم دھندلکوں میں، چراغوں کی روشنی میں زبانیں نکلی ہوئیں، دیوی دیوتا۔ خون آشام دیویاں ہولناک بت طرز کے نئے اور یہ دو طریقے ایک سادہ دل راجپوت کو پھنسانے کے لیے برہمن نے استعمال کیے ایک طرف اس کو لالچ دیا، فریب دنیا دیا، رقص و سرور دیا، میوزک دیا اور دوسری طرف اس کے اعصاب پہ خوف بٹھا دیا۔ وہ بیچارہ راجپوت جب گھر واپس آتا تھا تو اس کو ایلو رنگ فلاسفی کم ہی نظر آتی تھی اس کو تو وہ کالی زبان نکلی ہوئی اور بارہ ہاتھوں کی کالی دکھ کے وہ ساری رات کانپتا رہتا تھا۔ اس خوفناک ماحول میں نیچرلی

اب اس کو ضرورت پڑی کہ خوف اور آسیب سے کیسے نجات پائے۔ لہٰذا مجبوراً اس نے برہمنوں کا سہارا لینا شروع کر دیا، برہمن جو فزیکل طاقت Use کر بیٹھا تھا وہ دوبارہ اس مذہبی طاقت کے ذریعے کھشتریوں پہ غالب آ گیا خواتین و حضرات! بدقسمتی ہوئی، جب اسلام انڈیا میں آیا تو اسلام کے بارے میں ایک واضح بات تھی اور وہ انسائیکلو پیڈیا آف Religion کا مصنف کہتا ہے کہ

There was such a geometrical precision about the oneness of God in Islam. that no methology was possible.

کہ اللہ کی واحدانیت اتنا کڑا حساب تھا اور اسلام اتنی سخت ججمنٹ دے رہا تھا کہ دیومالا بنانا ممکن ہی نہیں ہو سکا، کوئی دوسرا بت پیدا ہی نہیں ہو سکا۔ اب ہندو مایوس ہو گیا، ہندو اس بات سے مایوس ہو گیا کہ اسلام میں میرے پاس واحدنیت کا کوئی توڑ نہیں تو اس نے علمائے اسلام کو دوسری ٹیکنالوجی ٹرانسفر کر دی۔ خوف کی، دہشت کی، عذاب قبر کی، سانپوں کی۔ وہ خواتین و مرد ہندوؤں سے لی ہوئی بڑی بڑی کتابیں لے کر پھرتے تھے جیسے قبر میں سانپ لپٹے ہوئے۔ فلاں جگہ پہ لیٹا ہوا ہے۔ عورتیں ان کو دیکھ کر کانپتی تھیں اور مدعا یہی تھا کہ اس خوف سے نجات حاصل کرنے کے لیے عوضانہ پیش کریں۔ تحفظات کا فلسفہ عمل پذیر ہوا۔ ہم سے تو کرسچین بہت بہتر تھے۔ ماشاءاللہ انہوں نے آسان ٹیکنیک نکال لی، وہ خوف و وحشت سے بچ نکلے۔ انہوں نے کہا کہ یسوع مسیح کے خون میں نہا لیا، وہ پاک ہو گئے، انہوں نے بات ہی ختم کر دی۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے پیغمبر نے ہمارے گناہوں کا کفارہ دے دیا۔ لہٰذا اب ہمیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، پروردگار نے اپنی جانب سے بندہ بھیج دیا اور اس نے پوری نسلِ انسانی کا ذمہ اپنے اوپر اٹھا لیا اور پھر وہ قربان ہو گئے اور انسان کو گناہوں سے نجات دے دی۔ ان کے لیے ایک Easy Escape قائم ہو گئی۔ دیکھیے ہمارا کیا حال ہے۔ ہمارے پاس امید والا ایمان نہیں رہا۔ ہمارے پاس خوف والا ایمان رہ گیا۔ آپ دیکھیے کہ ایک شخص صبح کو آپ کو تھری پیس میں ٹائی میں، ہانپ لگائے آپ کو نظر آتا ہے تین مہینے کے بعد وہ پائنچے اونچے لمبی سی ڈاڑھی سر گھٹا ہوا۔ اب اس ماہیت پہ حیران رہ جائیں گے کہ خداوند کریم یہ کیا انقلاب آ گیا چلیے اور چھوڑ دیجیے ذرا دیکھیے خوف کا فلسفہ کیا کام کرتا ہے۔ مشہور کرکٹر کو تو آپ نے دیکھا ہو گا۔ جناب سعید انور صاحب کو۔ بھئی سعید انور میاں سوچنے کی بات ہے کوئی اس سے پوچھے کہ ساری زندگی تمہیں اسلام کا خیال نہ آیا، موصوف کی چھوٹی بچی فوت ہو گئی "قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون" (البقرۃ: آیت ۵۶) خدا اس بچی کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ حضرت ایک دم ہی اس گلٹ سائیکالوجی کے اسیر ہو گئے یعنی اتنا صدمہ پہنچا کہ اس صدمے میں موصوف مجنون ہو گئے۔ ایک دم سے ہی Beyond Average ڈاڑھی رکھ لی۔ Beyond Average تبلیغ میں نکل گئے۔ اس قسم کی ہیوی شفٹ کبھی بھی ذہنی صحت کی علامت نہیں ہوتی۔ آپ یہ کہہ سکتے ہو کہ ادھر بھی سعید انور Extremist تھا۔ ادھر بھی سعید انور Extremist ہے یعنی یہ رستہ ہو یا وہ رستہ ہو یا اعتدال کے رستے نہیں اور ایمان اعتدال میں ہے۔ اگر پروردگار کو اعتدال سے آگے بڑھنا منظور ہوتا تو کبھی یہ بات نہ کہتے کہ "قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا" قتل کرو میرے لیے قتل کرو مگر زیادتی نہ کرو "ان اللہ لا یحب المعتدین" (البقرۃ: آیت ۱۹۰) بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کے ساتھ نہیں ہے اب دیکھیے ادھر بھی اللہ میاں یہی کہتا ہے "قل

یا عبادی الذین اسرفوا" (الزمر: آیت ۵۳) بھئی میں نے Reporduction کے لیے سیکس دی تھی۔ میں نے مال خرچنے کے لیے دیا تھا تم بخیل بن گئے تم بل گیٹ بن کے بیٹھ گئے۔ وہ بیچارہ بھی خوفزدہ ہے خلق کے سامنے آنے سے تم قارون بن گئے۔ تم نے مال واسباب کی چابیاں گننی شروع کر دی۔ ایک صاحب مجھے ملے اور کہنے لگے میرے پاس سالانہ 21 کروڑ روپے کا منافع آتا ہے۔ جو پہلے آچکا ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ اگر میں ساری زندگی میں کوئی کام نہ کروں اور اگر ایک دو کروڑ بھی ماہانہ خرچ کروں تو پھر بھی مجھے اگلے سو برس تک کی نہیں ہے مگر پھر بھی میں کیوں پیسہ کمانے کے کوشش میں لگا رہتا ہوں۔ میں نے کہا بھئی بات تو بڑی Simple سی ہے کہ پیسہ پہلے ضرورت ہے جب آپ ضرورت سے گزرتے ہو تو آسائش ہو جاتا ہے پھر کوئی چیز ادھر سے خریدیں مال واسباب اکٹھا کیا پھر جب آپ آسائشات سے گزرتے ہو تو پھر تعیش ہو جاتا ہے کہ آپ کو قیمتی ترین اور اعلیٰ ترین چیزیں خریدنے کا شوق ہے، نوادرات خریدنے کا۔ ایک جہاز بھی لے لیا موٹر بوٹس بھی لے لیں، آپ نے پورا بیڑا لے لیا مگر جب اتنا سارا پیسہ ہو گا تو یہ ساری چیزیں خریدنے کے بعد پھر بچ گئے اب آپ کو چیزوں کی ضرورت نہیں رہی۔ اب اگر پیسہ کمار ہے ہو تو صرف پیسے کے لیے کمار ہے ہو اب یہ پیسہ آپ کو ضرورت نہیں آسائش نہیں، تعیش نہیں۔ آپ کا پیسہ خدا ہے، اللہ ہے۔ اب اس کے حضور جانا اس کی زیارت کرنا اس کو دیکھنا صبح شام اس کی فکر کرنا یہ وہی انس ہے جو اللہ اپنے لیے چاہتا ہے۔ یہ وہی انس ہے جو پیسے کے لیے آپ کے لیے پیدا ہو گیا ہے۔ یہ وہی انس ہے جو اللہ نے ایمان کی پہلی شرط قرار دیا کہ اللہ کی خاطر محبت کرنا، اللہ کی خاطر دشمنی کرنا اب آپ کو پتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کثرت مال واسباب دیتا ہے مگر کثرت مال واسباب عثمانؓ کو دیتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ بہت بڑے سرمایہ دار تھے۔ جب فوت ہوئے تو عجیب وغریب وصیت لکھی۔ اب دیکھیے مسلمان اللہ سے محبت کرنے والا جو سرمایہ دار ہے اس کی فطرت ہی عجیب ہوتی ہے۔ وصیت میں لکھ گئے کہ میرے اثاثے سے سب سے پہلے تمام بدری اصحاب کو ایک ایک لاکھ درہم دیا جائے، اس کے بعد میری اولاد کو اور دوسروں کو دیا جائے۔ یہ وہ سرمایہ دار ہے جو اللہ سے انس کرتا ہے اور اس صاحب کو خداوند کریم کی رضا حاصل ہے۔ خواتین وحضرات! میں آپ سے عرض کر رہا تھا بات سے بات نکل آتی ہے کہ خداوند کریم نے کہا کہ یہ آپ کی انسانی صفات ہی آپ کی خصوصیات ہیں۔ تھوڑا سا غصہ ضروری ہے تھوڑا سے جذبہ ضروری ہے، ممتا ضروری ہے، تھوڑی سی سیکس ضروری ہے مگر جب آپ ان کو بے جا خرچتے ہیں۔ میں نے آپ کو جائز کاموں کے لیے دی ہے۔ آپ نے اس کو بے جا خرچا تو خدا اس صلاحیت کو جس کا بے جا مصرف ہو اس کو اسراف کہتا ہے اور گناہ نہیں کہتا اسراف کہتا ہے۔

Package which i gave to you for spending your life, in normal way, you see, you over did it. You accessed you committed accesses.

یعنی تم معتدل نہیں رہے اس لیے فرمایا " قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم " (الزمر: آیت ۵۳) تم نے بہت اسراف کیا بہت زنا کیے بہت غلطیاں کیں مگر سب سے بڑی غلطی نہ کر بیٹھنا "لاتقنطوا من رحمة الله" (الزمر: آیت ۵۳) میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ خواتین وحضرات ایمان کا فیصلہ بھی یہی ہو گا "لاتقنطوا من رحمة الله" اب آپ دیکھیے خدا نے ڈھیر سارے گناہ ایک طرف کر دیے، سارے گناہ ایک طرف کر دیے، اور سب سے

بڑا گناہ یہ قرار دیا "لاتقنطوا من رحمة اللّٰہ" کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا "ان اللّٰہ یغفر الذنوب جمیعاً" اللہ تمہارے تمام گناہ معاف کرتا ہے "انہٗ ھو الغفور الرحیم" (الزمر: آیت ۵۳) میرا تو کام بخشنا ہے۔ میرا تو کام ہے۔ تم عجیب مسلمان ہو، خطا کرتے ہو۔ گناہ کرتے ہو، اور رجوع نہیں کرتے ہو۔ مجھے اپنا سب سے زیادہ مرغوب و محبوب کام نہیں کرنے دیتے ہو۔ میرا تو سب سے زیادہ مرغوب و محبوب کام بخشنا ہے۔ تم کو کیا آپ نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں سنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد اصحابؓ تشریف فرما تھے ادب کا یہ عالم تھا کہ محدث لکھتے ہیں کہ اس طرح مؤدب تھے جیسے ان کے سروں پہ پرندے بیٹھے ہوں یعنی سراپ ادب واحترام سے ہلاتے ہی نہیں تھے۔ بنو اسرائیل کے زاہدوں کی باتیں ہوئیں عبادت گزاروں کی باتیں ہو رہی تھیں تو ایک مسلمان صحابیؓ بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم بھی پہلی قوموں کی طرح ہیں، تقویٰ اختیار کریں گے، عبادات کریں گے اور کبھی گناہ نہیں کریں گے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ جیسے تمازتِ آفتاب سے سرخ ہوتا ہے، ایسے سرخ ہو گیا۔ فرمایا تم ایسی بات کرتے ہو تو خدا سخت ناراض ہوگا۔ تمہیں صفحۂ زمین سے نیست و نابود کر دے گا۔ اے متقیو! اے دعویٰ تقویٰ رکھنے والو! اگر تم گناہ نہ کرنے کا عزم کرو گے اور خدا کے سامنے اپنے تقوے لے کے جاؤ گے تو خدا تمہیں صفحۂ زمین سے نیست و نابود کر دے گا اور تمہاری جگہ ان لوگوں کو لائے گا کہ جو خدا پر اعتبار رکھیں، خطا کریں گے گناہ کریں گے اور اس سے توبہ کریں گے اور اللہ ان کو بخشنے میں زیادہ خوشی، حلاوت، محبت اور مسرت محسوس کرے گا۔ خواتین و حضرات! کیا اس سے محسوس نہیں ہوتا کہ گناہ اعصاب کو شل کرتا ہے یہ ایک ایسی ناقص فلاسفی ہے جس کی وجہ سے آج کے ماحول میں ہیوی ڈپریشن جاری ہے جس کو دیکھو گناہ پر کفِ افسوس مل رہا ہے۔ کہاں کہاں گناہ ہے۔ رزق میں کمی ہو گئی او بھی رزق میں کمی ہو گئی تو اللہ کو کیوں نہیں کہتے۔ اللہ کو منبع اور مآخذ کیوں نہیں سمجھتے یہ کیوں نہیں کہتے "ان اللّٰہ یبسط الرزق لمن یشآء ویقدر" کہ جس کو چاہے رزق عطا کرتا ہے جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے۔ اس کے بجائے حضرت کیا فرمائیں گے اور یہ فلاسفی آف گلٹ ہر مسلمان گھرانے میں موجود ہے۔ فرمائیں گے میرا خیال یہ ہے کہ فلاں مقبرے سے گزرتے ہوئے میں نے فلاں جگہ پیشاب کر دیا تھا اس کی وجہ سے میرا رزق بند ہو گیا۔ فلاں درخت کے نیچے میں نے یہ کر دیا تھا۔ مجھے لگتا ہے کہ ایک دفعہ میں نے ایک بوڑھے آدمی کو گالی دی تھی، اس کی وجہ سے میرا رزق بند ہے۔ آپ ہر جگہ گلٹ کو لے آتے ہو۔ ہر جگہ گلٹ آ جاتا ہے یعنی رزق کی کمی اور کشادِ قلب کا ختم ہونا، اس کی بنیادی وجہ اسبابِ ظاہر میں نہیں ڈھونڈتے، اسبابِ غیاب میں نہیں ڈھونڈتے، آپ اللہ کی مرضی میں نہیں ڈھونڈتے ہو بلکہ آپ اس کو ایک گلٹ بنا لیتے ہو۔ You try to locate the reason. اور Reson اور کوئی منتج نہیں۔ آپ کو کوئی جرم یاد آ جائے گا، کوئی گناہ یاد آ جائے گا آپ کو کوئی خطا یاد آ جائے گی اور آپ آ کے کہو گے کہ مجھ سے خطا ہو گئی تھی۔ اس کے برعکس، آپ قرآن پہ یقین نہیں رکھتے۔ یہ سچا ایمان نہیں ہے۔ حضرت جنید بغدادؒ اور حضرت ابوالحارث دونوں اکٹھے بیٹھے تھے۔ ایک شخص سوال کرنے آیا کہا جنید توبہ کیا ہے۔ جنید نے کہا ابوالحارث جواب دینگے۔ حارث نے کہا توبہ یہ ہے کہ گناہ تجھے ہمیشہ یاد رہے۔ اس نے کہا جنیدؒ آپ توبہ کے بارے میں کیا کہتے ہو جنیدؒ نے کہا توبہ یہ ہے کہ گناہ تجھے کبھی یاد نہ رہے۔

خواتین و حضرات! آپ دیکھتے ہو یہ بہت بڑے مسلمان آئمہ ہیں اور کیا الٹ بات ہے کہ ایک کہتا ہے کہ گناہ

تجھے ہمیشہ یاد رہے اور ایک کہتا ہے کہ گناہ تجھے کبھی یاد نہ ہو۔ مگر خواتین و حضرات! علم کا فرق ہے جنید بہت بڑا عالم ہے۔ اس پائے کی ذہانت ہے کہ عبدالقادر جیلانیؒ اور عثمان ہجویریؒ جیسے جنیدؒ کی شاگردی میں تفاخر محسوس کرتے ہیں۔ وہ ایک ایسا Intellectual ہے جو کہتا ہے کہ توبہ یہ ہے کہ اگر آپ گناہ کو یاد کرتے رہو گے تو تھوڑے عرصے کے بعد اس گناہ کے اثرات زائل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ وہ جو پہلا رونا ہے وہ دوہرا رونا نہیں ہوگا۔ تیسرے چوتھے دن آپ کے آنسو خشک ہو جائیں گے۔ پانچویں دن لذت گناہ توبہ کے ساتھ چلی آئے گی، ساتویں دن پھر وہی گناہ کرو گے۔ یہ توبہ نہیں ہے اگر ہے تو ناقص توبہ ہے۔ جو جنید نے کہا وہی اصلی توبہ ہے کہ تجھے گناہ یاد نہ رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو خدا سے کمٹ کر کہ میں نے آئندہ یہ بات نہ سوچنی ہے نہ کرنی ہے۔ یہ آپ کے غیر متوازی رستے ہیں Parallel رستے نہیں چلیں گے بلکہ ایک رستہ مشرق کا ہے ایک مغرب کا ہے۔ آپ نے عہد کیا کہ اس سمت جاؤں گا نہیں۔ آپ نے اللہ سے توبہ کی کہ میں اس راہ گزر پہ کبھی سفر فرما نہیں ہوں گا۔ میں کبھی سوچوں گا بھی نہیں۔ یہ اصل توبہ ہے۔ اگر گناہ یاد کرتے رہو گے تو لذت گناہ غالب آجائے گی اور پھر خطا کے مرتکب ہوں گے۔ خواتین و حضرات! ترک گناہ کا یہی طریقہ ہے۔ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا توبہ آسان ہے۔ اور ترک گناہ مشکل ہے، اس لیے کہ یہ عادت ہے۔ کبھی کبھی گناہ عادت بن جاتا ہے۔ اور آپ خیر کے ارادے کی خواہش کے باوجود گناہ ترک نہیں کر سکتے۔ خواتین و حضرات! مختصراً میں آپ سے حضرت صدیق اکبرؓ کے قول مبارک پہ یہ بات ختم کر رہا ہوں فرمایا ایمان بیم و رجا کے درمیان ہے۔ فرمایا جب میں اپنی خوبیوں پر نگاہ کرتا ہوں، جب اللہ کے وعدوں پہ نگاہ کرتا ہوں۔ جب بخشش اور کرم پہ نگاہ کرتا ہوں تو مجھے خیال آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جنت میں جو سب سے پہلا شخص ہوگا، وہ میں ہوں گا اور جب اپنی کمی اعمال پہ نگاہ کرتا ہوں، جب میں اپنے اعمال پہ نگاہ کرتا ہوں، اپنی خطاؤں پہ نگاہ کرتا ہوں تو مجھے یہ خوف ہوتا ہے کہ شائد سب سے پہلے میں جہنم میں ڈالا جاؤں گا تو اہل دل نے کہا کہ جو صدیق اکبرؓ کا ایمان ہے وہی افضل و بہتر ہے کہ بیم و رجا میں ہے مگر بیم و رجا کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کی راہ میں اپنے آپ سے کبھی مطمئن نہ ہو۔ خوف اپنی ذات میں ہو کہ میں اپنی کمی اور بیشی کے سبب خدا سے زیادہ دور جا رہا ہوں تو اس کے دل میں خدا کی محبت کا خوف ہو اور وہ کوشش یہ کرے کہ خدا کی محبت مجھ سے دور نہ ہو۔ اگر مومن کے دل میں کوئی خوف ہوتا ہے تو پروردگار عالم سے دوری کا خوف ہوتا ہے اور اگر اس کے دل میں اگر کوئی امید ہوتی ہے تو اللہ کی محبت اور آرزو کی امید ہوتی ہے اور ایمان ان دونوں کے بیچ میں ہے۔ ایمان Guilt Conscience میں نہیں ہے۔ ایمان Over Expectation میں نہیں ہے بلکہ ایمان خدا سے ہر وقت امید رکھنے میں ہے اپنے آپ سے ہر وقت ناامیدی کے عالم میں ہے۔

اللہ کی خشیت کا ہمہ گیر فلسفہ

سوال: اللہ سے ڈرنے کا حقیقی مطلب کیا ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! سوال یہ ہے کہ اللہ نے پیغمبر بھیجے، حضورؐ نے خوشخبری بھی دی، گناہ کرنے پہ ڈرایا بھی، اگر انسان دانستہ گناہ کرے گا تو اللہ کی طرف سے اس کی سزا بھی سنائی گئی ہے۔ آپ کے کہنے کے مطابق انسان گناہ

کرنے کے لیے راغب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ گناہ کرنے والے کو میں معاف کروں گا۔ اس پر ذرا صورتحال بتا یئے خواتین وحضرات! میں نے آپ کو زیادہ تر یہ بتایا ہے کہ خدا کی محبت گناہ پہ غالب آتی ہے اور گناہ انسان کا ایک ذاتی عذر اور خوف بن جاتا ہے۔ اصل میں اتنی گناہ کی سزا نہیں جتنی عذر گناہ کی ہے۔ جب آپ Justify کرنا شروع کر دیں عذر گناہ کو۔ جب Basically ایک کمپیوٹر بھی ناقص ہے۔ جب انسان Incomplete ہے۔ جب قرآن میں اللہ کہہ رہا ہے۔ "فلا تزکوا انفسکم هو اعلم بمن اتقی" (النجم: آیت ۳۲) کہ کبھی اپنے آپ کو متقی نہ کہو میں جانتا ہوں کہ تم کتنے متقی ہو۔ تو انسان اگر اپنی ذات پہ گناہگار اور ناقص کا گمان کرے تو جائز نہیں ہے۔ انسان اگر خدا سے یہ کہے اللہ کا یہ حق ہے بندے پر کہ بندہ اس کو واحد جانے، اس کو مانے اور خداوند کریم نے ارشاد فرمایا ہے کہ Basically میں نے انسانوں سے جو صلہ طلب کرنا ہے وہ گناہ و ثواب کی صورت میں نہیں کرنا۔ اگر آپ نے گناہ کیے ہیں تو آپ کے ہیں۔ اگر آپ نے ثواب کمایا ہے تو آپ کا ہے۔ اللہ کو یہ چیزیں نہیں پہنچتیں۔ اس کی جو سزائیں ہیں وہ شرع میں ہیں، معاشرے میں ہیں اور حضور کی حدیث ہے کہ پھر ایک انسان نے ایک مسلمان نے گناہ کیا اگر اس کی سزا اسے دنیا پہ مل گئی تو اللہ نے اسے معاف کیا اور اگر اس کی پردہ پوشی کی گئی اور اللہ نے اسے چھپا لیا تو یہ پھر اللہ پہ ہے اسے چھوڑے یا نہ چھوڑے۔ اس کا کوئی تعلق ہم خداوند کریم سے براہ راست نہیں جوڑتے۔ اللہ میاں نے بار بار قرآن میں کہا ہے کہ بھئی تمہارے گناہ تمہارے لیے، جو کوئی اچھے اعمال کرے گا اس کے ثواب اس کے لیے، جو برے کام کرے گا، برے اعمال کا نتیجہ اس کے لیے پھر اللہ کو کیا چاہیے۔ اللہ کو تو وہی بات چاہیے جس کے لیے اس نے آپ کو پیدا کیا ہے۔ اس نے آپ کو ایک ذہنی برتری اور فوقیت بخشی۔ اس نے آپ کو ذہانت عالیہ بخشی۔ اس نے اشرف المخلوقات کا آپ کو تحفہ دیا۔ اس نے ملائکہ سے آپ کو بہتر چنا۔ ذہنی اعتبار سے ایک امانت عطا کی۔ ایسی امانت جس کو اللہ نے کسی اور کو عطا کرنا تھا مناسب نہ سمجھا۔ اب ظاہر ہے کہ خدا نے جو چیز آپ کو دی ہے اس کا کوئی کام بھی تو متعین کیا ہوگا۔ اس کا بھی تو کوئی صلہ اور طلب رکھے تو صلہ یہ رکھا۔ "واذ قال ربک للملائکة انی جاعل فی الارض خلیفة" (البقرۃ: آیت ۳۰) کہ میں نے زمین وآسمان میں آپ کو معزز کروں گا۔ بلا زمین پہ رہا ہوں، مگر معزز آپ کو جنت میں بھی کروں گا اور دوسرا یہ کہا کہ دیکھو بھئی میں آپ کو صرف ایک کام کے لیے بھیج رہا ہوں۔ "ان هدینا ه السبیل اما شاکر و اما کفورا" کہ عقل وشعور صرف اس لیے بخش رہا ہوں کہ تم چاہو تو مجھے جانو اور مانو، چاہو تو میرا انکار کر دو۔ اب دیکھیے اب واضح بات ہے کہ اللہ کا کنسرن آپ کی اس Mental Capacity سے ہے۔ جس میں آپ اللہ جانتے ہیں یا مانتے ہیں۔ یا نہیں جانتے یا نہیں مانتے۔ فرمایا "ما یفعل الله بعذابکم" (النساء: آیت ۱۴۷) مجھے کیا پڑی ہے تمہیں عذاب کروں، دیکھیں انداز اللہ کا۔ کہ مجھے کیا پڑی ہے اے بندگان خدا اے میرے بندو! مجھے کیا پڑی ہے کہ تمہیں عذاب کروں۔ "ان شکرتم و امنتم" اگر تم مجھے ماننے والے ہو اور مجھ پہ ایمان رکھتے ہو تو مجھے کیا پڑی ہے کہ تمہیں عذاب کروں۔ باقی جو آیات قرآن حکیم ہیں۔ عذاب وثواب کی اگر آپ غور کریں تو ان کو شفٹ کر کے احادیث میں Clarify کر دیا گیا ہے اور سب سے مشہور حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی ہے۔ اس نوعیت کی کم از کم پندرہ احادیث صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ اس موضوع پہ تواتر کے ساتھ احادیث مسلم اور صحیح بخاری میں ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کا ارشاد ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جس نے دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا اس کو دوزخ کی آگ نہیں جلاتی اور ابو ہریرہؓ نے سوال کیا حضرت ابو ذر کی حدیث میں مزید اس پہ سوال کیے۔ چاہے اس نے زنا کیا ہو۔ چوری کی ہو۔ فرمایا چاہے زنا کیا ہو، چوری کی ہو۔ پھر ابو ذرؓ نے سوال کیا تعجب میں۔ چاہے زنا کیا ہو، چاہے چوری کی ہو۔ فرمایا چاہے زنا کیا ہو چاہے چوری کی۔

مگر آپ جب بھی گناہ Commit کریں گے وہ شراکت میں ہوگا۔ وہ معاشرے میں ہوگا۔ وہ ایک معاشرتی قانون جیسے آپ شریعہ کہتے ہیں تو شریعہ دراصل سیف ایریا کے وہ قوانین ہیں جو اللہ نے ایک معتدل اور ایک مضبوط سوسائٹی کے لیے دیے ہیں۔ اگر آپ خطا کرو گے اور اسلامی معاشرہ ہوگا اور اس پہ شہادتیں موجود ہوں گی تو آپ کو سزا ملے گی اور جس کو سزا مل گئی پھر وہ خدا کی طرف سے معصوم ہے اللہ کی طرف سے اس پہ کوئی عذر نہیں رہا۔ مگر جس کو سزا نہیں ملی اور خدا نے اس کی پردہ پوشی فرمائی۔ تو پھر یہ اللہ پہ ہے کہ اسے سزا دے یا جزا دے۔ As Such جو Conduct قرآن میں درج ہے وہ ایک اسلامی معاشرے میں ایک صحت مند معاشرے کے لیے وہ قوانین ہیں جن کو ہر معاشرہ اپنے لیے تخلیق کرتا ہے وہ امریکن معاشرے میں بھی ہیں، وہ برٹش معاشرے میں بھی ہیں، وہ انٹرنیشنل معاشرے میں بھی ہیں معمولی بات ہے کہ اللہ نے قتل کی سزا قصاص رکھی۔ اگر یورپی معاشرے نے یہ سمجھا کہ یہ سزا بڑی ناقص ہے ہم قتل کی سزا معطل کیے دیتے ہیں۔ تو آپ کرلو۔ چلو یہ تو بڑی بہتر بات ہے کہ اگر انسان معاشرے کو ایسا قانون دے جائے کہ قتل کی سزا کے بغیر مجرم ٹھیک ہو جائے تو بہت بہتر ہم بھی آپ کی بات مان لیں گے مگر اس قانون کی کامیابی شرط ہے۔ تو پھر انہوں نے بارہ چودہ سال قانون لگائے رکھا۔ کہ ہم نے قتل کی سزا قصاص نہیں لیں گے۔ قتل نہیں کریں گے۔ ماریں گے نہیں۔ مگر بارہ چودہ سال کے بعد میسز جولیانی صاحب نے دوبارہ ڈیتھ پینلٹی عائد کر دی تو خواتین و حضرات! دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے قوانین کی پائیداری کے خلاف اگر کوئی شخص کوئی قانون پاس کرے گا اور معاشرہ اس کو جج کرے گا اور اگر وہ واقعتاً اچھے قوانین ہوں گے تو پھر ہم کہہ سکیں گے۔ خدا کے قوانین پائیدار نہیں تھے۔ معاشرہ Safe کرنے کے لیے اور یورپ کے قوانین زیادہ پائیدار تھے۔ چونکہ ہر معاشرہ اپنے تحفظات تخلیق کرتا ہے۔ قوانین بناتا ہے اس لیے اسلام نے بھی ایک معاشرہ تخلیق کیا اسلام نے بھی معاشرے کی تخلیق میں چند ایک حدود نافذ کیں۔ وہ حدود معاشرے کی سیفٹی کے لیے ہیں اس کے تحفظ کے لیے ہیں، اس لیے اگر وہ سزائیں سنائی گئی ہیں تو قانون ہے کوڈ ہے اور اس سے انحراف معاشرے کو ممکن نہیں مگر ہم بات کر رہے ہیں اس ذہنی سطح کی جہاں انسان اللہ سے کمٹ کرتا ہے پھر اپنے وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا۔ اس کے دل میں اگر اللہ کی محبت زیادہ ہے تو وہ گناہ کرنے سے اجتناب کرے گا۔ اسے خدا کی محبت اور انس ہی اس گناہ سے روکیں گے اور بالفرض محال اس نے گناہ کمٹ بھی کر لیا تو اس کی توبہ کی رینج بڑی مختصر ہوگی۔ اور وہ بڑی شدت سے خدا کو پلٹ آئے گا اور اس کے انس کی خاطر میں نے آپ سے پہلے کہا کہ محبت کرنے والے اس لیے گناہ نہیں کرتے کہ وہ خدا سے انس رکھتے ہیں۔ ان کو پتا ہے کہ گناہ خدا سے دوری ہے۔ یہ بدصورتی ہے اور اللہ جمیل ہے "ان اللہ جمیل و یحب الجمال" (مسلم۔ مسند احمد ترمذی) اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے اور گناہ اسراف بھی ہے بدصورتی بھی ہے تو کوئی شخص جو خدا کے قریب جانا چاہتا ہے اپنے آپ کو بدصورت نہیں رکھ سکتا۔

اللہ کے خوف کی معنوی پرتیں!

سوال: اللہ کا خوف کیا ہے اور اللہ سے ڈرنے کا حقیقی مطلب کیا ہے؟

جواب: یہ بات میں نے آپ کو بتا ہی دی ہے کہ میرے نزدیک اللہ کا خوف یہ ہے کہ اہل ایمان اس بات سے ڈریں جوان کو اپنے اللہ سے دور کر دے۔ اس کے علاوہ خوف خدا کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرات گرامی اگر رات کو ہمیں پتا چلے کہ تھانیدار صاحب نے ہمیں صبح تھانے میں بلایا ہے۔ تو رات بڑے کرب میں گزرے گی ہم بڑے پہلو بدلیں گے۔ بڑا خوف آئے گا ہم لوگ بہت ڈریں گے اگر آپ ایک تھانیدار کی جلی کا خوف نہیں سہار سکتے تو مجھے علمائے دین بتائیں کہ خدا کا خوف کیسے سہار سکیں گے۔ اگر آپ نے دنیا کے معمولی سے بندے، ایک زورآور کا خوف ایک ایسے فوجی کا خوف نہیں سہار سکتے جس نے آپ پر بندوق تان رکھی ہو تو آپ خدا کا خوف کیسے سہار لیں گے۔ آپ کی ریڑھ کی ہڈی نہ چٹخ جائے۔ آپ زندہ نہ رہ سکیں۔ کبھی بھی نہ رہ سکیں۔ دراصل یہ خوف خدا کی غلط Interpretation ہے۔ فرمایا رسول اللہ نے میں تم سب سے زیادہ اللہ کی خشیت رکھتا ہوں اور خدا کا خوف صرف ایک ہے۔ جب کہا اصحاب نے یا رسول اللہ آپ کے تو پچھلے اور اگلے سب گناہ معاف ہیں ہم تو بڑی عبادتیں کرتے ہیں تو حضور گرامی مرتبت کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور اس سے ڈرنے والا ہوں اور جو اللہ کو زیادہ جانتا ہے وہ علم والا ہوتا ہے۔ ''انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلما'' اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے اس کے عالم ہوتے ہیں۔ اس کو جاننے والے ہوتے ہیں اور جاننے والے کو پتا ہے اللہ کس چیز سے ناراض ہوتا ہے۔ اس کو پتا ہے خدا حسین ہے، حسن کو پسند کرتا ہے، اس کو پتا ہے کہ گناہ بدصورتی ہے بدعملی ہے۔ اس کو پتا ہے کہ تلخ زبانی اللہ کو پسند نہیں۔ اس کو پتا ہے کہ حسن کلام اللہ کو پسند ہے۔ اس کو پتا ہے کہ بخل اللہ کو پسند نہیں لہٰذا جو عمومی لوگوں کے ثواب ہوتے ہیں وہ خصوصی لوگوں کے گناہ ہوتے ہیں۔ پیغمبر بیچارے نے کیا کر لیا تھا۔ صرف ایک ہی بات اللہ سے کہی تھی نا۔ یونس بن متی نے کہا اتنا بڑا گناہ، وہ گناہ تھا کوئی، انہوں نے مختصر سی بات کی تھی کہ اے اللہ تو نے مجھ سے قوم کے عذاب کا وعدہ کیا تھا اور تو نے عذاب ان پہ نہیں کیا، میں بڑا شرمندہ ہوں۔ اب یہ کوئی گناہ کی بات ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا نہیں بعض لوگوں کی جو زیادہ ذہین تر اور زیادہ عالم ہوتے ہیں ان کی خطا وہ نہیں ہوتی جو عمومی ہوتی ہے تو جتنا ذہن نفیس تر ہوتا ہے اس کا احساس گناہ بھی نفیس تر ہوتا ہے جتنی نگاہ تیز ہوگی، اشرافیہ میں سے ہوگا۔ اتنا بدصورتی کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ اور ہر سطح پر خدا کا خوف یہ ہے کہ آپ وہ کام نہ کرو جس سے خدا کی ہمسائیگی سے دور ہو جاؤ اس کے علاوہ کوئی خوف خدا نہیں ہے۔

خطاب اکیڈمی ادبیات

خواتین وحضرات! بڑی مدتوں کی بات ہے کہ میں نے اپنے اندر ایک عجیب سی آرزو پائی اور وہ مجھے غیر سی لگی۔ اس کا وجود مجھے اجنبیت کا احساس دلاتا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب مراحل تعلیمی ادوار سے گزر رہے تھے، میں یہ خیال کر رہا تھا کہ میں نے جو علم کے معاملات میں تکمیل کی آرزو کی یا میں نے جو تحقیق وجستجو کا دامن تھاما، میری مراد اس سے پوری ہو گئی، مگر بدقسمتی یہ ہوئی کہ جوں جوں میں علم وآگہی کی طرف بڑھتا رہا، مجھے زیادہ کرب، زیادہ بے چینی، زیادہ انتشار سے وابستگی رہی اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ علم اگر امن ہے سکون ہے۔ اور بغیر علم انسان اگر منتشر ہے تو کیا وجہ ہے کہ دورِ حاضر کے قریب قریب ان تمام علوم کی تحصیل کے بعد جو کسی شناخت کے لیے ضروری ہوتے ہیں، میرے سینے میں یہ بے چینی اور یہ کرب موجود رہا اور میں طاقتور انسان بھی نہ تھا نہ میں ان مرشدانِ گرامی کے طرزِ فکر کی پیروی کر سکتا تھا جنہوں نے برصغیر میں اپنے تقویٰ، طہارت اور ریاضت کی عجیب وغریب داستانیں چھوڑی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ انہوں نے اپنے سرکش نفوش، تمرد وانا کو اس بیدردی سے کچلا جو کم از کم میرے لیے ممکن نہ تھا۔ میں اس آرزو کو بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھتا رہا جو ایک نوجوان کی حیثیت سے میرے سینے میں پیدا ہو گئی تھی اور یہ آرزو یہ تھی کہ کیا اس جستجو کے آگے بھی کوئی منزل فکر ہے جہاں انسان کو سکون وثبات نصیب ہو سکتا ہے۔ میں بھی لوگوں کی طرح اس زمانے کا شکار تھا جس میں کم از کم پانچ سکولز آف تھاٹ ایسے پیدا ہو گئے تھے جو تمام کے تمام تشکیک وشبہات کو جا رہے تھے۔ اور کم از کم میرا اپنا Dogmatic Faith ان کی ضرب نہیں سہار سکتا تھا۔ میں بڑی کوششوں کے بعد یہ سمجھ رہا تھا کہ جو مذہب میرے پاس ہے جو خیال میرے پاس ہے اور جو ترتیب ذہن وقلب میں مذہبی طور پہ لے کر آیا ہوں، وہ اس انکوائری کا سامنا نہیں کر سکتی اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ میری مذہبی انڈرسٹینڈنگ میں وہ Instruments ہی نہیں تھے وہ آلات ہی نہیں تھے وہ ذہنی کاریگری ہی نہیں تھی جو اس ذہن کا جواب دے سکے جو یورپ اس وقت ہم پر اعتراض کرتا رہا تھا۔ ان میں Logical Postivist تھے۔ ان میں جدلیاتی مارکسزم تھی، ان میں ایسے ایسے لوگ تھے جیسے انتھروپالوجسٹ بھی جب بیان دینے لگتا تو خدا کے خلاف ہی دے جاتا اور یہ تشکیک کا ایسا صحرا تھا کہ جس میں یقین کی شبنم کے ایک دو قطرے بھی نصیب نہیں ہوتے تھے۔ اس بحران میں دو چیزیں ایسی ہیں جو میں نے از خود سوچیں۔ ایک تو جب میں اپنے معاشرے، پس منظر، زندگی اور ماحول پہ نگاہ ڈالتا تھا تو مجھے ان اعتراضات میں صداقت نظر آتی تھی اور اپنے لوگوں میں بہت سارا جھوٹ نظر آتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ خاندان میں فیملیز میں ہماری معاشرت میں سوائے منافقت، جھوٹ کے اور کچھ

نہیں اور میں پیری ایکشن کے طور پہ نہیں کہ رہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میرا باپ کتنا سچ بولتا ہے۔ بدقسمتی سے ایک ایسا معیار تنقید مجھ میں پیدا ہو گیا تھا کہ جس کے تحت میں یہ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ قول و فعل نہیں بلکہ قول و فکر کے تضادات کتنے پائے جاتے ہیں۔ جب میں اپنی فیملی سے آگے بڑھ کر دوسرے لوگوں، معاشرے، ادیبوں اور ان Highest Values کے علمبرادار لوگوں کو دیکھتا تو مجھ پہ ایک عجیب سا انکشاف ہوتا کہ ہر آدمی کسی گہری آگ کی خندق میں ہے۔ اور ہر آدمی بظاہر کتنا بھی نجیب الطرفین ہو۔ دراصل سینے میں منافقت کی اتھاہ گہرائیاں لیے بیٹھا تھا۔ یہ تنقید نہیں تھی بلکہ یہ دکھ اور درد تھا جس سے میرا مذہبی تشخص مجروح ہو رہا تھا۔ میں اسلام اور مسلمان کو سمجھ رہا تھا۔ مومن کو سمجھنے کی کبھی نوبت نہیں آئی تھی۔ میں تو Simple جدلیات کا عرفان حاصل کر رہا تھا اور میرے نزدیک لا الہ الا اللہ کا مطلب ہی یہی بنتا تھا کہ وہ بے شمار خدا اور بت جو اللہ تک پہنچنے میں حائل ہیں میں ان کو سمجھوں۔ جب میں ان کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا تو مجھے یہ شدت سے احساس ہوا کہ میرے ارد گرد کوئی اس قسم کا کوئی ایک شخص بھی نہیں پایا جاتا کہ جس سے جا کے میں یہ کہ سکوں کہ اے بندہ خدا مجھے عرفان ذات خداوند کا پاک لمحہ چاہیے، لہٰذا تو نوازش کر اور میرے دل پہ نگاہ کرم فرما۔ مجھے کوئی ایسی نظر مل جائے جو میری کائنات بدل دے۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہوا، وہ تمام رومانوی افسانے جو میں نے اپنے اولیائے اللہ تعالیٰ العزیز کے بارے میں پڑھے تھے نہ صرف یہاں بلکہ مغرب میں کہیں سینٹ فرانسیس آف اسیسی بولتا ہوا نظر آتا ہے اور کہیں کسی صوفی کی تعریف غلط ہو رہی ہے۔ اور کہیں کوئی جو واقعہ کوٹ کر رہا ہے، وہ غلط ہے۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ غزالی حدیث غلط کوٹ کرتا ہے۔ یہ سارے واقعات مل جل کر مجھے ایک پرابلم دے رہے تھے کہ

Is God there? Is it true. Somewhere a high scepticism in my heart was convincing me.

صرف ایک مسئلہ میرے آڑے تھا اور وہ مسئلہ یہ تھا کہ کسی بھی اپوزیشن کے ساتھ انصاف کیے بغیر اسے Reject کر دینا بہت بڑی حماقت ہوتی ہے۔ اگر آپ خدا کو چاہتے ہو تو جیسے ابھی تھوڑی سی گفتگو ہوئی تو ایک صاحب نے بڑی معقول بات کی کہ میں نے پہلے استدعا کی تھی کہ میں تعریف و توصیف سننے کے لیے نہیں آتا یا میں محض ایسی تنقید بھی نہیں سننے آرہا جس میں کوئی وزن نہ ہو۔ مجھے ان لوگوں سے علم سیکھنا ہے جو مجھ پہ سوال کریں گے۔ اور اگر ان کا دل چاہا اور میری بات میں انہیں کچھ وزن نظر آیا تو ہم اور ان لوگوں کے درمیان یہ تحصیل علم کا ایک دروازہ ہے۔ میں ان سے سیکھوں اور وہ مجھ سے سیکھیں گے۔ اس لیے میں نے سوال و جواب کی شرط عائد کی تھی کہ اگر ایسا کوئی مرحلہ ہے تو میں ضرور جاؤں گا۔

خواتین و حضرات! مجھے جو سب سے بڑا مسئلہ درپیش آیا وہ یہ تھا کہ میں آزاد ہوں یا غلام ہوں۔ مجھے یورپ کی فکر جو تشکیک، حریت اور شخصی آزادی عطا کر رہی تھی اس کا مقابلہ بھلا پندرھویں صدی کا تھاٹ پراسس کیسے کر سکتا ہے۔ اللہ کا وہ تصور جو کبھی Judaism یا کبھی کرسچین فلاسفی میں ابھرتا تھا وہ تمام فلاسفیز نہ صرف ناقص ہیں بلکہ جابجا انسانی Guilt کے مظاہرات کی Compensation ہے۔ اس کے علاوہ مذہب میں کچھ نہیں رہا تھا۔ اور میں اپنے لیے اسلام میں بالکل Interested نہیں تھا۔ اسلام مطلوب نظر ہی نہیں تھا۔ مگر اللہ میری طلب ضرور تھا۔ جب بھی میرے دل میں

اللہ کی طلب اٹھی تو میں نے اسے غریب الدیار پایا کیونکہ میرا وجود اور میری خواہش اس کی نفی کرتی تھی۔ ایک زور آور اور متمرد نفس جو تھا حاوی تھا اور وہ یہ چاہتا تھا۔ کہ اس قسم کا کوئی کمزور عقیدہ جس کے لیے عصر حاضر میں کوئی دلیل مرتب نہ ہو سکے۔ بغیر سوچے سمجھے ہرگز قبول نہیں کرنا چاہیے۔

And then i decided to make, at least, one effort.

میری کوشش صرف اتنی تھی کہ خدا کو Reject کرنے سے پہلے خدا پر ایک مکمل ریسرچ کی جائے۔ اس سے پہلے کہ میں رسم و رواج کی ہوا میں اڑتے ہوئے زرد پتوں کی طرح ان تشکیک کے خیالات کی پیروی کروں۔ میرے دل نے چاہا کہ میں خدا کو ایک موقع دوں۔ میں اب تک خدا سے ایک موقع لے رہا ہوں مگر اس وقت میں نے یہ چاہا تھا کہ میں خدا کو ایک موقع دوں۔ میں اس غریب کو جو اپنی ہی کائنات میں غربت نصیب ہے اس کو جاننے سوچنے، پہچاننے اور سمجھنے کا ایک موقع تو دوں۔ وہ مجھ سے یہ توقع رکھتا ہے کہ میں بحیثیت انسان اسے عقل کی روشنی میں تلاش کروں۔ اور انسان خود کہتا ہے کہ میں بھی ڈیڑھ دو ارب سال سے دوسرے جانوروں کی طرح بستا رہا ہوں۔ کہاں Primates والا انسان جو ایک لمبوتری سی Skull لیے ہوئے درختوں پر اچھلتا پھرتا تھا اور اس کے پاس ہوش و حواس کا ایک لمحہ نہیں تھا۔ اور کہاں یہ انسان جو Sky-scraper پہ بیٹھا ہوا خود خدائی کے دعوے کر رہا ہے۔ اب بہت فرق پڑ گیا ہے۔ ڈیڑھ دو ارب سال میں تو انسان کو کچھ نہ ہوا مگر دس بارہ ہزار سال کے بعد ایک دم سے انسان نے بدلنا شروع کیا اور ہم شعور کی رمق کو پتھر کی طرح بار بار Ruin ہوتے دیکھتے ہیں۔ آبادیاں مٹتی دیکھتے ہیں۔ پہلے مردوں پہ پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ یعنی پہلی رسم ہی عبادت کی رسم ہے۔ مجھے اس چیز نے بڑا حیران کیا کہ جنگل سے نکلے ہوئے کسی انسان کو اگر پہلے ہی کسی چیز کا خیال آیا تو موت کا خیال آیا۔ پہلے ہی اگر کسی چیز کا خیال آیا تو قبر کا خیال آیا۔ پہلے ہی کسی چیز کا خیال آیا تو دعائیہ کلمات کا خیال ہے۔ پھول چڑھانے کا خیال آیا۔ اگر آپ عراق میں سے دریافت ہونیوالی ایک قدیم بچے کی نعش کو دیکھیں تو آپ کو حیرت ہوگی کہ نئی تہذیب کو بڑھتا ہوا یہ انسان دعائیہ کلمات سے اپنا سفر شروع کر رہا ہے، عبادات سے شروع کر رہا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ اچانک اسے کوئی رہبر نصیب ہو گیا ہے۔ مگر عصر حاضر تک پہنچتے پہنچتے یہ رہبری کہاں کھو گئی۔ اگر کوئی انسان دو بنیادی سوال نہیں سوچتا تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ حق شعور ادا نہیں کرتا ہے۔ یہ ہم سب کو اپنے آپ سے پوچھنا ہے کہ ہم آزاد ہیں یا غلام ہیں۔ اگر خدا نہیں ہے تو ہم آزاد ہیں۔ میں ایک جبلی اقدار کا انسان ہوں۔ میں اپنی عقل کو شہوات دنیا کے لیے، شہوات ذات کے لیے استعمال کروں گا۔ میں اپنے عروج کے لیے دوسروں کو استعمال کروں گا۔ میں مقاصد ذات کے لیے اس دنیا کو مسخر کروں گا اور اگر خدا ہے تو میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں ایسا اس لیے نہیں کر سکتا کہ پھر میں کسی ذات گرامی، کسی سسٹم یا کسی بزرگ و برتر ذات کو جواب دہ ہوں جس سے میری جان قبر تک نہیں چھوٹ سکتی۔ اور قبر کے بعد بھی مجھ پر اس کا احتساب لاگو ہے۔ میں آپ کو ایک بات بتا دوں کہ میں عذاب قبر سے کبھی نہیں ڈرا میں فرشتوں سے کبھی نہیں ڈرا۔ جنات میرے لیے Meaningless ہیں۔ میں نے ان سے کبھی خوف نہیں کھایا اس لیے کہ وہ میرے لیے فضول سی مخلوق ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس دنیا کی تمام کی تمام مخلوقات اور آسیب ایک ذات کی وجہ سے منتشخص ہیں۔ اگر وہ ذات نہیں ہے۔ اگر اللہ نہیں ہے تو ملائکہ کا ہے کے، قبر کا ہے کی، عذاب قبر کا ہے کا۔ دیکھو کفار مکہ کیا خوبصورت دلیل دیتے ہیں کہ بھلا جب ہم

قبروں میں جائیں گے۔ ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی۔ پھر بھی ہمیں اٹھایا جائے گا۔ تو عقل اور فراست یہی کہتی ہے کہ اگر کوئی اللہ نہیں ہے تو پھر بھی ہمیں اٹھایا جائے گا۔ اگر زندگی کی یہ تمام جدوجہد اور اس کا تمام سفر قبر تک اسی طرح ہے تو یہ یقینی بات ہے کہ ہم بلا خوف وخطر خدا کے بغیر اپنا سفر شروع بھی کر سکتے ہیں اور اسے انجام تک بھی لا سکتے ہیں۔ مگر اداسی کی بات یہ ہے کہ God is in between my liberties. میری آزادی اور میرے شعور کی گرفت میں اور میری اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کے درمیان اگر کوئی ذات حائل ہے تو وہ اللہ کی ذات ہے۔ اس سے چھٹکارا حاصل کیے بغیر میری کوئی نجات نہیں ہے۔ یا میں اسے تسلیم کروں یا میں اسے رد کر دوں۔ مگر تسلیم کرنے کا جو انداز ہم میں موجود ہے وہ انتہائی ناقص ہے۔ دور کیوں جائیے جس کو ہم تسلیم کر رہے ہیں۔ وہ اہل کفر کو ایک طعنہ دیتا ہے کہ اگر تم صاحب شعور ہوتے، اگر تم غور وفکر والے ہوتے تو تم کبھی اپنے آباؤ اجداد کے دین پہ قائم نہ رہتے۔ تم یقیناً مجھے مان لیتے۔

حضرات گرامی! مجھ کو اور آپ کو بھی یہی کام ملا۔ اگر ہم عقل وشعور استعمال کیے بغیر آباؤ اجداد کی میراث میں سے خدا کا تصور لیے بیٹھیں گے تو ہم اہل کفر سے بھی بدتر ہیں۔ اس لیے کہ ہم بھی غور وخوض کے بغیر کسی دلیل اور فکر کے بغیر ایک ایسے خدا کا تصور پالے ہوئے ہیں جو ڈرائنگ روم ڈیکوریشن کا باعث ہو سکتا ہے مگر اس کا حقیقی تصور کبھی ہمارے سینوں میں نہیں آ سکتا۔ کون سا خدا ہے۔ جسے جب چاہا جھوٹ کے لیے قسم کے لیے استعمال کر لیا۔ یہ کون سا خدا ہے جو فراڈ اور دجل وفریب کے وقت کبھی ہمارے آڑے نہیں آتا۔ یہ کون سا خدا ہے کہ گناہ کی ہر کشمکش میں مفرور ہو جاتا ہے اور جب ہم اپنی مرضی پوری کر لیتے ہیں تو پھر وہ دوبارہ ہمارے سامنے آ جاتا ہے اور ہم عذر پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر ہم دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کو ماننے والے ہیں۔ یہ اس Faith کا نتیجہ ہے جسے ہم Blindly لیتے ہیں۔ کیا اللہ Blind faith کو تسلیم کرتا ہے۔ قطعاً نہیں! "ان شر الدوآب عنداللہ الصم البکم الذین لا یعقلون" (الانفال: ۸-۲۲) ذرا غور کیجیے گا یعنی میرے نزدیک بدترین جانور وہ ہیں جو میری آیات پہ اندھوں اور بہروں کی طرح گرتے ہیں اور جنہیں شعور حاصل نہیں ہے۔ یعنی انسان کو انسان نہیں کہا جو عقل وشعور استعمال نہیں کرتا وہ میرے نزدیک جانوروں سے زیادہ بدتر ہے۔ "ان شر الدوآب عنداللہ الصم البکم الذین لا یعقلون" (الانفال: ۸-۲۲) کہ جانوروں میں سے بدترین جانور وہ ہے جسے ہم انسان کہتے ہیں جو عقل وشعور کی نعمت رکھتے ہوئے بھی میرے بارے میں غور وفکر نہیں کرتا اور اندھا دھند ایک میراث لیے اٹھتا ہے اور میراث لیے ہوئے قبر میں جا سوتا ہے۔

خواتین وحضرات! اب سوال یہ ہے کہ! بہت سارے لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ کون سا ایسا عصر ہے جس میں اللہ کے لیے دلیل موجود نہ ہو۔ کیا خدا کے لیے میں نے دلیل مہیا کرنی ہے۔ میرا تو ڈیٹا ہی اتنا نہیں ہے مگر مجھے یہ تو دیکھنا پڑے گا کہ جو اللہ ہر زمانے میں موجود ہے جو دعویٰ موجودگی کرتا ہے۔ کیا اس نے ہر زمانے کے عرفان وادراک کے مطابق اپنے لیے کوئی ایسی مضبوط دلیل رکھی ہے جو رد نہیں ہو سکتی۔ کیا آج کے زمانے میں انسانی عقل اپنی سرمستی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ یہ وہ سانپ کا زہر ہے جو انسان خود چاٹے جا رہا ہے۔ کیا آج کی عقل یہ دعویٰ نہیں کرتی کہ خدا کے لیے کوئی Positive Argument آج کے زمانے میں موجود نہیں ہے۔ کیا لوگ یہ نہیں کہتے کہ رحمٰن و رحیم وکریم وجلیل یہ سارے پیاز کے چھلکے ہیں۔ جب چھلکے اتارے جائیں تو وہ خالی رہ جائے۔ There is no doubt.

یہ تو آپ ہی کی Perception ہے۔ کیا وہ آج یہ نہیں کہتے کہ زمانوں میں جب انسان نے اپنے آپ کو قتل و غارت کرتے ہوئے دیکھا تو وہ ایک دوسرے کا قانون نہیں مان سکتے تھے۔ جب وہ ایک دوسرے کا قانون نہیں مان سکتے تھے تو انہوں نے سوچا کوئی ایسی غیر مرئی خوف کی طاقت پیدا کریں جس کے ڈر سے قبائل تھمے رہیں اور وہ جو سرسبز لہلہاتی ہوئی فصلوں میں کوئی سادہ دل دیہاتی نکلتا تھا تو اس کی سرسراہٹ کی آواز آسیب کی طرح لگتی تھی تو پتا نہیں کتنے اس نے دیوتا سرسراہٹ کے بنا ڈالے جس کو آپ پینتھی ازم بھی کہہ لیتے ہیں۔ اتنے سارے تصورات کے ہوتے ہوئے اور اتنی ساری Developments جو انسان نے جہالت سے علم کو آتے ہوئے کی ہیں اس میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انسان کے پاس خدا کو نہ ماننے کے لیے کوئی نہ کوئی عذر موجود رہا ہے۔ مگر خواتین وحضرات! خدا کی طرف سے بھی ہر زمانے میں کوئی ایسی دلیل موجود ہونی چاہیے تھی جو معجزہ یا خارق عادت ہے اور خارق عادت کا وجود کسی کم علم معاشرے میں دلیل کے طور پر ہی ہوتا ہے اور وہ دلیل یہ ہوتی ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کے وجود پہ ہمیں یقین دلانے کے لیے ضروری ہے کہ اس سے پہلے کوئی ایسا کام کر کے دکھاؤ جو ہمارے نزدیک Impossible ہو اور اگر کسی پیغمبر کی ایک پھونک پانی کے گلاس کو دودھ کے گلاس میں بدل دے تو ظاہر ہے کہ اہل کفر کے لیے یہ امر محال ہے لیکن اگر یہ امر محال ممکن ہوسکتا ہے تو خدا بھی ممکن ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ہر معاشرے میں عقلی بلوغت اور Level کے مطابق انبیاء علیہ السلام اپنے دلائل لاتے رہے، جیسے حضرت ابراہیمؑ۔ جن کے زمانے میں تمام عقل والے عقل ابراہیمؑ سے لیتے ہیں۔ میں نے یہ بچ بات آپ سے کہی ہے۔ اس لیے کہ ان حضرت نے عقل وشعور کی بنیادی Instruments کا استعمال انسان کو سکھایا۔ انہوں نے منطق بھی دیا۔ انہوں نے Inductive Logic بھی استعمال کی۔ Deductive Logic۔ جب ستارہ چڑھا۔ ابراہیمؑ نے کہا یہ میرا خدا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے! بہت سارے علماء اس جملے پر کہیں گے۔ ابراہیمؑ کا مطلب یہ نہیں تھا مگر

Moving from general to particular and moving from particular to general.

جب ستارہ نکلا تو ابراہیمؑ نے کہا یہ میرا خدا ہے۔ یعنی ایک ایک چیز کو خدا مان کر پھر اس کی صفات کا احاطہ کرنا شروع کیا مگر جب دیکھا کہ یہ تو زوال پذیر ہے اس کی روشنی تو مدھم ہو جاتی ہے، یہ تو کہیں کھو جاتا ہے۔ کہیں نمودار ہوتا ہے، اس میں تو وہ پائیداری نہیں جو میں خدا کے تصور سے وابستہ کرسکتا ہوں۔ کہا "لا احب الافلین" (الانعام ۶: ۷۸-) میں ڈوبنے والوں کو خدا نہیں سمجھتا۔ چاند چڑھا تو کہا، یہ تو بڑا روشن ہے۔ یہ تو بڑا منور ہے یہ بڑا خوبصورت ہے۔ یہ ضرور خدا ہوگا۔ پھر وہی پراسس دہرایا، پھر سورج، شمس بازغہ کا طلوع ہوا تو کہا یہ تو واقعی جہانوں کا پالنے والا ہے یہ تو فصلیں پکاتا ہے۔ زندگی کو اجاگر کرتا ہے۔ ہمیں نور دیتا ہے مگر جب ایک چھوٹا سا بادل آ کے پورے سورج کی کارکردگی کو تباہ کر دے تو اس نے کہا یہ کیسے خدا ہوسکتا ہے۔ مگر جب خود دلیل نمرود کو دی تو بڑی عجیب وغریب دی۔ دیکھیے ذرا ملاحظہ فرمایئے کے جب پیغمبر دلیل دے رہا ہے تو وہ ناقابل شکست ہے۔ جو دلیل اسے معاشرے سے مل رہی ہے وہ قابل شکست ہے۔ "ربی الذی یحیی و یمیت قال انا احیی و امیت" (البقرۃ ۲-۲۵۸) اس نے کہا ٹھیک ہے دربار تک تو تیرا حکم چلتا ہے ایک شخص کو تو نے پھانسی سے ہٹا لیا۔ ایک معصوم کو تو نے قتل کروا دیا۔ تو خدا ایسے ہی بنتا ہے مگر خدا اتنا لوکل تو

نہیں ہوتا کہ ایک دربار تک قید ہو۔ اگر تو واقعی خدا ہے تو "قال ابراهیم فان الله یاتی بالشمس من المشرق فأت بها من المغرب" (البقرۃ:۲-۲۵۸) "میرا رب شرق سے سورج طلوع کرتا ہے تو مغرب سے طلوع کردے۔" تا قابل شکست دلیل .There was no way نمرود ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ کیا آج کے زمانے تک پہنچتے ہوئے کیا قرآنی Dialectics ختم ہوگئی ہیں، کیا خدا کریم نے یہ "لیهلک من هلک عن بینة" (الانفال۸-۴۲) جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا" و یحیٰی من حی عن بینة (الانفال:۸-۴۲) "جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا" "ان الله لسمیع علیم" (الانفال:۸-۴۲) سننے اور جاننے والا پروردگار یہ کہتا ہے کہ جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا، جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا۔ اب ذرا آپ اپنی زندگیوں پر غور کر کے دیکھیں کہ آپ زندہ ہیں یا ہلاک ہیں۔ غور ہی نہیں کیا تو نہ زندگی ہے نہ ہلاکت ہے۔ آپ دیکھیں کتنا عجیب سا منظر ہے کہ جب پچھلے دنوں ایک یورپی سکول کے کچھ بچوں نے بڑے عجیب و غریب سوال کیے۔ ماں باپ کو کوئی جواب نہیں پتا تھا، بحیثیت فرد۔ چلو جی اوئی سا ایک سپیشلسٹ بیٹھا ہے، اس کے پاس لے جائیں کیونکہ وہ سوال نہ صرف بچوں کو کنفیوز کر رہے ہیں بلکہ ماں باپ کو بھی کنفیوز کر رہے ہیں۔ کیوں آپ کو ان کے جواب نہیں آتے؟ آپ نے تو کبھی زندگی بھر غور ہی نہیں کیا۔ آپ نے تو کبھی وجود خداوند کی قربت اور ہمسائیگی کے لیے کبھی تردد نہیں فرمایا تو وہ کیسے آپ کے قریب آئے؟ اس کا تو اصول ہی بڑا سادہ اور خوبصورت ہے۔ کیا آپ سوچتے ہو؟ کس چیز سے مجھے محبت ہے۔ ہر چیز میں خوبصورتی کی طلب اور حسن کی فراوانی ڈھونڈنے والا صرف اس لیے خدا تک پہنچ گیا کہ خدا سب سے حسین ہے۔ آپ اپنی عقل کو اپنی اس پرکھ سے پہچانتے ہیں جو آپ نے اسے دی۔ آپ کی عقل بھی بالکل آسمانوں کی طرح سات پردوں میں قید ہے، تہہ بہ تہہ، درجہ بہ درجہ، مگر تمام کی تمام Intellect کا مرکز سٹیٹس بنا ہوا ہے، آپ کی تمام ذہنی صلاحیتیں Status کو جا رہی ہیں۔ آگے بڑھو پیسہ ہے۔ ساری ذہنی صلاحیتیں مال و اسباب کو جا رہی ہیں، ذرا اور آگے بڑھو تو سیاست ہے، وجاہت ہے، ہر چیز لکھی ہوئی ہے۔ علم کے صرف تین مقاصد ہیں۔ ایک علم وہ ہے، جسے ہم Facility of life کہتے ہیں وہ علم جو Friction of society کو کم کرتا ہے، وہ علم جو آپ کو سہولت بخشتا ہے تاکہ آپ اتنے بڑے کمپلیکٹ اور لامحالہ اتنی بڑی سوسائٹی میں ایک دوسرے کے انٹرسٹ قائم رکھیں جیسے آپ Traffic Laws میں دیکھتے ہیں۔

All these laws are made to lessen the friction of movement in society.

اس طرح علم سے جو کچھ بھی آپ سیکھ رہے ہیں، اس کا مطمحِ نظر ووکیشنل ہے، وہ علم جس سے روزگار ہے، وہ علم جس سے زندگی ہے، وہ علم جس سے نان نفقہ آپ کا چلتا ہے۔ علم کا ایک دوسرا مقصد علم برائے علم بھی ہوتا ہے۔ یہ ایک علیحدہ امیج! وہ لوگ جن کو تفاخر تھا سوفیسٹ کے سکول سے لے کر افلاطون، ارسطو، آگسٹین، ایکوناس، Saint Dynesius یہ لوگ عالمانہ شان سے گزرے، کیا ہم ان کی قدر اس لیے نہیں کرتے کہ وہ صاحب علم تھے، وہ دنیا کے اس کاروبارِ حیات کو اس تخلیقات کے پیٹرن کو اور آگے بڑھا گئے مگر جب علم کے پس منظر میں مابعد الطبیعات کا انکشاف نہ لکھا جائے گا، جب نفسیات سے بالائے نفسیات کی قدر نہ پہچانی جائے گی۔

That is one of the reason some where back in time wrote Psychology

if applied to others is a science if applied to one's ownself is Mysticism

اگر نفسیات کا مقصد خدا کی شناخت ہوتا تو آج نفسیات کے سارے ڈیپارٹمنٹ خدا شناسوں سے بھرے ہوتے مگر ایسا نہیں ہے نفسیات جس کو آپ روح النفس کہتے ہیں۔

Basiclly it is one of the most helpful knowledge in understanding of your basic instinct, and in understanding your basic self.

مگر یہ علوم اپنے مطمع نظر میں خدا کی شناخت نہیں رکھتے ان کا مقصد آپ کو خدا تک پہچانا نہیں ہوتا بلکہ Basic Self کو Better Self میں Convert کرنا ہوتا ہے۔ تمام تر علوم نفسیات کا مقصد Basic Self سے Better Self کو جانا ہے اور اس کا مقصد ایک نارمل انسان کو، ایک ناکارہ انسان کو ایک ایسے انسان کو جو ایک سوشل یونٹ میں بے قاعدگی کا شکار ہو گیا ہے، اسے دوبارہ اسی زندگی کی توقع میں لانا اور اسی زندگی کے رنگ میں اسے پھینک دینا ہے۔ اس کا قطعاً مقصد خدا کی شناخت نہیں ہوتا۔ مگر ذرا اللہ کو دیکھیے وہ آپ سے کون سی سائیکالوجی طلب کرتا ہے وہ تو یہ کہہ رہا ہے "واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى" (النازعات: آیت ۴۰) کہ "اگر تم مجھے جاننا چاہتے ہو، مجھے پہچاننا چاہتے ہو تو پھر تمہیں اپنے نفس کی غرض و غائیت کو قطعاً ترک کرنا ہو گا کہ نفس کسی بھی حال میں میرا دوست نہیں ہے" سوال یہ ہے کہ کیوں نہیں ہے، آخر نفس ہی کو تو خدا نے، پکار کر کہا "یایها النفس المطمئنةO ارجعی الی ربک راضیة مرضیة" (الفجر: ۲۷-۲۸) کہ "اے نفس مطمئن میں تجھ سے راضی تو مجھ سے راضی" میں، یہ رب کعبہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ خداوند کریم سب سے پہلا معلم ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑے معلم ہیں، یہ سلسلہ تعلیم کا ہے، اس میں کوئی جبر نہیں تھا۔ ذرا دیکھیے تو کتنا بڑا استاد ہے، خدا خود اذیت پسند نہیں آپ لوگوں کے انکار سے اپنے آپ کو خوشی دیتا ہے۔ لگتا تو ایسا ہی ہے

The God has power to change power, to demolish power, to destroy power, to construct power, to reconstruct power.

(Omnipotent-Omnipresent) ادھر دیکھو کہ پانچ ارب انسان اس کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے۔ روٹی وہ دے رہا ہے کہتا ہے نہیں، پانی وہ دے رہا ہے کہتا ہے نہیں، بیوی بچے وہ دے رہا ہے، کہتا ہے نہیں، یعنی انسان اتنے تمرد میں ہے کہ اس کی ہر خوبی کا انکار کیے جاتا ہے، جس کو دیکھو خدا کا گلہ۔ جس کو دیکھو وقت کا گلہ، جس کو دیکھو زمانے کی شکایت۔ لیکن اقبال کسی ترنگ میں کہہ گیا ہے کہ "نہ گلہ ہے دوستوں سے نہ شکایت زمانہ" ہر انسان کی زبان پر وقت کا، زمانے کا گلہ ہے مگر یہ بھی دیکھیے یہ جاتا کہاں ہے۔ ذرا سی شکایت اٹھی تعویذ ہو گئے، ذرا سا گلہ اٹھا سحر ہو گیا، ذرا سی بات ہوئی کسی نے جادو کر دیا اور خدا کیا کہتا ہے، کیا آپ مصائب میں اپنے بنیادی عقیدے اور بنیادی عقل و شعور کو بھی ترک کر دیتے ہو، کیا خدا اپنی پاورز Share کرتا ہے۔ جس نے پیغمبروں سے کوئی پاور شیئر نہیں کی۔ وہ ان گلی کوچے میں بیٹھے ہوئے نااہل جادوگروں کو اپنی پاور بانٹتا پھرتا ہوگا۔ تعویذ دھاگے والوں کو پاور بانٹتا ہوگا کہ تم جا کے میری خلق پہ آسیب کرو۔ وہ کرو۔ یہ جادو، یہ کرو۔ خدا ایسا نہیں ہے۔ خدا نے بڑی خوبصورت بات کی، اتنی خوبصورت آیت ہے کہ لگتا ہے لفظ ہی

زبان سے نہیں جاتے "وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یمسسک بخیر فھو علی کل شیء قدیرO (الانعام ۶:۱۷) یہ بات سن لو کہ "جسے اللہ ضرر سے چھو لے تو کائنات میں ایسی طاقت نہیں ہے جو یہ گرہ کھول سکے" (آیت) "اور جسے وہ خیر سے چھو لے تو اس کی بات ہی کچھ اور ہے۔ وہ ہے ہی قدرت والا" اس کا اعلان سنو اور ذرا اس جاہل کا ایمان دیکھو جو اپنی ہر بلا کو، ہر مصیبت کو خدا کے بجائے کسی زمینی خدا کے حوالے کر دیتا ہے۔ حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع والے دن فرمایا کہ "شیطان آج کے بعد اپنی عبادت سے مایوس ہو چکا ہے" اب وہ لات، عزا اور ہبل، پتھر کی صورت میں نہیں پوجا جا سکتا، اب وہ ہمارے لیے آسیب کی صورت ہے۔ اب وہ Abstract زمانہ ہے۔ کیونکہ اب زمانہ ہی Abstract Art کا ہے، اب تمام خدا Abstract ہو گئے ہیں، اب ہمارے تصور سے نئے نئے آسیب اور نئے نئے خدا گھڑ لیے۔ اتنا تنوع Greeks کی مائتھالوجی میں نہیں ہے جتنا آج کل چل رہا ہے۔ اس حوالے سے جس گلی، محلے اور بازار میں جاؤ تو شرمندگی ہوتی ہے۔ جب میں لوگوں کے یہ اعتقادات دیکھتا ہوں کہ خداوند کریم کے یہ بندے خدا کے سوا ہر چیز کو خداوند کریم سمجھتے ہیں۔ بڑی مدت کی بات ہے جو میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ میں اس دلیل کی تلاش میں اس سفر پہ نکلا کہ اے پروردگار تیرے پاس دور حاضر میں اپنے لیے بھی کوئی دلیل ہے میں نے ابھی آغاز میں ایک چھوٹی سی دعا پڑھی ہے

"رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیراO" (الاسراء آیت ۸۰)

کہ "اے پروردگار مجھے اپنے پاس سے ایسی دلیل غالب عطا فرما جس پر شرق و غرب کے مفکروں، ادیبوں، مفسروں اور دانشوروں کی دلیل غالب نہ آ سکے۔ اتفاق سے جب میں نے قرآن دیکھا تو پہلی آیت سے ہی I was shocked میں نے

خواتین و حضرات! میں نے ایک طویل مدت کے بعد قرآن کھولا

Basically I was trained in objecting.

کیونکہ میں ایک Subjective Explanation کے لیے سرگرداں تھا۔ میری بنیاد ان فلاسفرز اور ریاضی دانوں پر تھی جو کسی کو بخشتے ہی نہیں ہیں، جو کیچڑ کے چھینٹے بھی اڑیں تو فارمولا دے دیتے ہیں۔ وہ کہاں اس طرف آتے کہ خدا کو بے دلیل کیسے مانیں۔ خدا کے لیے ثبوت کہاں سے لاؤ گے، کونسا ایسا ثبوت ہے جو تم خدا کے لیے لاؤ گے تو خواتین و حضرات جب میں نے قرآن حکیم کھولا تو مجھ پر خوف کا لرزہ طاری ہو گیا۔ میں سمجھا کہ ابھی خدا کی دلیل کی عمارت منہدم ہو گی لکھا ہوا تھا "الم o ذلک الکتاب لا ریب فیہ" (البقرۃ ۲:۱-۲) میں نے کہا سبحان اللہ میں اسے کیا سمجھوں، یہ تو وہ خدا ہے جو اتنا Intoxicated ہے۔ Truth کے ساتھ وہ اپنی سچائی میں اتنا ڈوبا ہوا ہے کہ پہلے قدم پر ہی مجھ جیسے متشکک اور فلسفی کو (پتا نہیں، میں اس وقت کیا کیا بنتا تھا) اس نے کہا، برخوردار آؤ تو سہی، پہنچو تو ہماری بارگاہ میں، یہ میری کتاب ہے یہ میرا کلام ہے تم کہتے ہو کہ اللہ کا کوئی ڈیٹا نہیں۔ یہ میرا ڈیٹا ہے۔ یہ میرے لفظ ہیں۔ لوگ کہتے ہیں خدا کا ڈیٹا نہیں ہے اور قرآن کہتا ہے کہ میں خدا کا ڈیٹا ہوں۔ ساڑھے تین سو صفحے کی کتاب جس کا ایک ایک لفظ اللہ کا ہے، حیرت کی بات

ایک ایک لفظ۔ وہ اللہ جو کسی حدوحساب میں نہیں، جو Infinity میں نہیں، جو Beyond Infinity بھی نہیں۔ وہ اس کائنات میں نہ اس کائنات میں "دل کے آئینے میں ہے تصویر یار" کوئی ایسا اس نے کاروبار رکھا ہوا ہے کہ خفیہ خفیہ آئے، خفیہ خفیہ گئے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ کسی صوفی کی Interpretation اور صاحب علم کی Interpretation میں کیا فرق ہوتا ہے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ جب ملکہ سبا کو خط گیا تو ملکہ سبا نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور کہا دیکھتے ہو یہ کیسے طریقے سے خط آیا ہے، یہ کوئی بڑا زبردست بادشاہ ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں اس کا کیا کروں تو سب نے کہا اے ملکہ عالیہ ہم نے تیرے کہنے پہ بڑی جنگیں لڑی ہیں، ہم نے تنہا کچھ نہیں کیا۔ ہم نے کچھ اکھاڑ پچھاڑ نہیں کی، ہم شمشیر زن ہیں، بہادر ہیں، جرنیل ہیں۔ آپ حکم کریں ہم اس بادشاہ سے بھی ٹکرا جائیں گے۔ اس نے کہا نہیں۔ میں اتنی نادان نہیں ہوں جو بادشاہ میری خواب گاہ میں میرے تکیے کے تلے خط چھوڑ سکتا ہے وہ اتنا کمزور نہیں ہے کہ تم جیسے لوگوں سے شکست کھا جائے اور تمہیں پتا ہے کہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے امراء اور رؤسا کو ذلیل ورسوا کر دیتے ہیں اور بستی کو اجاڑ کے ویران کر دیتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ جب تمہارے دل میں اللہ آئیگا تو تمہارے، آگے بڑے بڑے رئیس بیٹھے ہوئے ہیں، بڑے بڑے امراء بیٹھے ہوئے ہیں، بڑے بڑے سرکش اور متمردانا ئیں بیٹھی ہیں، بڑی بڑی خاندانی وجاہتیں بیٹھی ہیں، اندر بڑی بڑی سرکاریں ہیں، تو خدا جب تمہارے دل میں جائے گا تو ان تمام آثار قدیمہ کو ملیا میٹ کر دے گا۔ جب تمہارا دل خالی ہوگا تو پھر آرام سے آکے خود بیٹھ جائے گا۔ یہ فرق ہے، Mysticism اور ارتکاز کے تمام علوم میں۔

خواتین و حضرات! غور سے سنیے گا آپ نے تبت کے لاماؤں کے کرشمے تو سنے ہوں گے۔ اور Hindu Yogi کتنے حیران کن حرکات کے مالک ہوتے ہیں۔ ہمارے اردگرد بہت پراسرار مناظر ہیں۔ بعض اوقات واقعات مختلف نتائج دیتے ہیں۔ ایک دفعہ مجھے سفر میں ایک امریکن ملا تو میں نے اس سے کہا کہ تم بڑے اداس اور غمزدہ ہو۔

And you have been failing with your wife.

اس نے بڑی ایک لگائی اور کہنے لگا Man, how do you know? میں نے کہا یار میں جس مسلک کا بندہ ہوں وہاں چھوٹی موٹی فراست تو مل ہی جاتی ہے، تو اس نے مجھے کہا کہ اس نے تین سال تک ٹمپل میں یوگا کیا ہے اور صرف اس ایک چیز یعنی اندر کی نگاہ کو پانے کے لیے ان کی خصوصی مشقیں کی ہیں لیکن میں تو حیران ہوں کہ مجھے کچھ بھی نہیں ملا تمہیں کہاں سے مل گیا؟ میں نے کہا، میں نے کوئی ابنارمل طریقہ استعمال نہیں کیا، میں نے صرف اخلاص کے معمولی سے ذرے کو جو ابتدائے حیات میں میرے نصیب میں تھا، اس کو تھوڑا سا Use کیا ہے اسی کے توسط سے خدا کو Exploit کرتا رہا۔ اللہ میاں تو خوب جانتا ہے کہ میں تھوڑا سا تو اس کے ساتھ Sincere ہوں نا۔ مجھے زیب نہیں دیتا کہ متاع فقیر ضائع کروں۔ تجھے زیب نہیں دیتا کہ میری اس طلب کی توہین ہو۔ میں تیرے لیے تیری تو جہ کا طالب ہوں اور میں ضرور تجھے مطلوب بنا کے چھوڑوں گا۔ خدا نے کبھی کسی طلب کو ضائع نہیں کیا۔ خدا نے کسی کے ذرۂ اخلاص کی توہین نہیں کی۔ ذرا خدا کا کرم دیکھو، اللہ کیا بات کرتا ہے، ذرا غور کرو کہ جس نے دل سے ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہہ دیا۔ اللہ اس پہ دوزخ حرام کرے گا۔

خواتین وحضرات! کیوں حرام کر دی، میتھڈسٹ بے چارہ اس بات پر بڑا لڑے گا۔ میتھڈسٹ کو برا لگتا ہے۔ یہ کیا ہم ساری عمر نمازیں پڑھیں، ہم ساری عمر تقویٰ میں رہیں، روزے رکھ رکھ کے ہمارے بدن کی جھلیاں جھڑ جائیں اور یہ کیا کہ یہ مفت خورے جنت لے جائیں۔ تو خواتین وحضرات! اس کی دو وجوہات ہیں، جیسے پطرس بخاری نے کہا تھا کہ بھونکتے کتے کاٹا تو نہیں کرتے لیکن ان کا کیا پتا کہ کب بھونکنا بند کر دیں اور کاٹنا شروع کر دیں۔ تو خواتین وحضرات! Transition کے کسی مرحلے میں آپ کسی شخص کو گناہ گار نہیں کہہ سکتے۔ میرا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کہہ رہا ہے سکرات سے ایک لمحہ پیشتر بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ پھر کوئی مائی کا لال مجھے کیوں جنت سے محروم کرے گا۔ جب تک میں خود اپنے آپ کو محروم نہ کروں۔ مجھے اپنا باطن دیکھنا ہے کہ کیا نفاق کے علاوہ کہیں اپنے رب کریم کے لیے، کہیں ایک ذرہ اخلاص موجود ہے کہ نہیں ہے۔ جب پہلی دفعہ یہ حدیث اتری۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ نے اسے نقل کیا۔ کنوئیں میں منڈیر پہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے اور فرمایا جس نے دل سے ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہہ دیا اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی گئی۔ تو ابوہریرہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، ابوسعید خدریؓ نے فرمایا چاہے اس نے زنا کیا ہو، چاہے اس نے گناہ ہی کر لیا ہو فرمایا چاہے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو، چاہے اس نے چوری کی ہو۔ انسانوں کے لیے خوشخبری تھی۔ بقول امام جعفر صادقؒ کہ توبہ آسان ہے ترک گناہ مشکل ہے۔ بقول ان کے یہ ذرا مشکل کام ہے اور توبہ کرتے تھے روز توبہ ٹوٹتی تھی روز ایک مایوسی سے گزرتے تھے۔ سیدنا علی ابن عثمان ہجویری سے کسی نے پوچھا کہ اے مرشد گرامی فرمایئے کہ کیا کسی ولی اللہ سے بھی گناہ ہو سکتا ہے۔ فرمایا ہاں گناہ کبیرہ بھی ہو سکتا ہے اور ستر مرتبہ بھی ہو سکتا ہے، ستر مرتبہ آپ کو پتا ہے، عرب کثرت کے معنوں میں لیتے تھے مگر عذر گناہ بدتر از گناہ۔ مگر خواتین وحضرات! تاسف تو اصلی ہونا چاہیے نا، چند دن پہلے مجھ سے جہلم میں کسی نے پوچھا تھا کہ توبہ کا کیا مقام ہے؟ میں نے کہا میں تو دو ہی باتیں جانتا ہوں کہ اولین Institution جو تخلیق ہوا، وہ توبہ کا تھا۔ حضرت انسان نے سب سے پہلی چیز جو Commit کی وہ خطا ہے اور سب سے پہلا کرم جو اللہ نے کیا وہ توبہ کا قبول کرنا ہے۔ میں نے پہلی مرتبہ قرآن پاک کی آیات دیکھیں۔ ”الم ذالک الکتاب لاریب فیہ “(البقرۃ:۱-۲) تو مجھے یہ احساس ہوا کہ خدا کہہ رہا ہے اے بندۂ خدا اندھا دھند، Blindly نہیں۔ اگر تیرے ذہن میں کوئی تجسس ہے، کوئی فکر ہے، کوئی شک ہے تو یہ میری کتاب ہے۔ اس میں سے اپنا شک نکال لے۔ اس میں شک نکال لے اپنا پھر اگر تو اس کتاب کو بلا شک وشبہ پڑھ تو پھر تجھے میرے تصور میں عذر نہیں ہوگا۔ اور خواتین وحضرات! بہت طویل بات ممکن نہیں دو چار باتیں آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ آپ دیکھیے گا پندرہ سو برس پہلے بظاہر جو آپ کو اوراق نظر آتے ہیں، خدا کی سچائی کی بہت لمبی داستان ہے اور خدا نے خود کہا کہ سارے درخت قلم ہو جائیں، سارے سمندر سیاہی ہو جائیں تو بھی صفات عالیہ پروردگار کو بیان نہیں کر سکتے۔ صرف دو باتیں ذرا غور کیجیے گا، اس عقل وفراست کو دعوت دیجیے گا۔ جو Relativity اور کوانٹم پر تحقیق کرتے رہے ان کو دعوت دیجیے گا۔ جو کاسمالوجی کے آخری حروف پڑھ رہے ہیں اور پڑھا رہے ہیں۔ ان کو دعوت دیجیے گا۔ کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ دو آیات میں۔ ایک میں اللہ تعالیٰ حیاتیات کا اصول دے رہا ہے اور ایک کاسمیاتی اصول دے رہا ہے۔ کہہ رہا ہے ”اولم یر الذین کفروا “(الانبیآ: آیت ۳۰) تم کیسے میرا انکار کر سکتے ہو تو دیکھیے ذرا، تم کیسے میرا انکار کر سکتے ہو۔ ”ان السموات والارض کانتا رتقا

ففتقنھما“ (الانبیاء: آیت ۳۰) تمہیں تو پتا ہی نہیں ہے یہ سب زمین و آسمان پہلے اکٹھے تھے۔ پھر ہم نے انہیں کاغذ کی طرح پھاڑ کے جدا کر دیا۔ عربی میں پھاڑنا اس کو کہتے ہیں۔ کاغذ کو جب بے ڈھنگے طریقے سے پھاڑتے ہیں تو جگہ جگہ سے گیپ پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ زمین و آسمان پہلے ایسے تھے۔

In the beginning all the universe was one mass then I tore them a part.

اور اسی آیت میں ہے ”وجعلنا من الماء کل شی ء حیی“ (الانبیاء: آیت ۳۰) اور میں نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا۔ آپ کو انکار کرنا ہے تو آغاز تو کیجیے نا۔ اگر نماز نہیں پڑھتے تو کوئی زبردستی نہیں ہے۔ اللہ کو مانیں گے تو نماز پڑھیں گے، روزے رکھیں گے۔ اللہ کو مانیں گے تو اس کی بات مانیں گے نا، جب اللہ کو تو نے مانا ہی نہیں تو کیسے یہ سارا کام کریں گے۔ مگر یہ تو کوئی ایسے حقائق نہیں ہیں، یہ تو وہ باتیں نہیں ہیں۔ ذرا غور تو کرو کہ ”وتری الجبال تحسبھا جامدۃ وھی تمر مر السحاب“ (النساء: آیت ۱۲۸) تم گمان کرتے ہو کہ پہاڑ کھڑے ہیں۔ یہ پہاڑ کھڑے تو نہیں ہیں۔ یہ تو سرمئی بادلوں کی طرح اڑتے ہوئے زمین پہ تیر رہے ہیں۔ اس کے لیے آپ کو خلا میں جانا پڑے گا۔ تبھی آپ کو پہاڑ اڑتے ہوئے نظر آئیں گے ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ خداوند کریم کیا فرماتے ہیں۔ ان پہاڑوں کے بہت سارے مقاصد ہیں۔ یہ میں نے میخوں کی طرح زمین میں گاڑ دیے ہیں تاکہ زمین ڈول نہ جائے۔ آپ ذرا تھوڑا سا غور کیجیے میخوں کی طرح گاڑنے سے مراد یہ ہے کہ میخ کا تھوڑا سا حصہ اوپر اور بڑا حصہ نیچے ہو تب زمین میں ٹھونکی جا سکتی ہے۔ آپ زمین کے اندر اس جگہ کو دیکھیے جس میں پہاڑ کھڑے ہوتے ہیں۔ 3.5 ڈینسٹی ہے اس میٹریل کی جو زمین کے نیچے سمندر کی طرح تیر رہا ہے اور زمین کے اوپر جو پہاڑ کھڑے ہیں، ان کی 2.3 اور 2.7 Density ہے۔ یعنی اس میخ کی کتنی مضبوط Base ہے۔ زمین کے اندر گڑی ہوئی ہے اور جب پہاڑوں میں Friction ہوتی ہے۔ جب یہ تیرتے ہوئے براعظم آپس میں ٹکراتے ہیں تو جو گرد و غبار بنتا ہے، اس سے پہاڑ بنتے ہیں۔ پتا نہیں کہ یہ کتنے بنے ہوں گے۔ مگر خدا یہ کہتا ہے کہ اس نے زمین کے اندر انہیں گاڑ رکھا ہے۔ پندرہ سو برس پہلے بھلا کون سا نظریہ ہوگا۔ ہمیں تو پہاڑ زمین کے اوپر ہی نظر آتے ہیں۔ ایک نحیف سا Faith اس بات کا گمان نہیں رکھتا۔ خواتین و حضرات! ایک ایک صفحے پہ اور خالی یہ سائنس نہیں۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے آپ کے لیے اختلاف کی گنجائش کہاں چھوڑتا ہے۔ کہتا ہے میں نے انسان کو بڑی جبلتیں دیں، بڑی خصلتیں دیں۔ مگر تمام جانداروں کو ایک جبلت دی ہے۔ ”واحضرت الانفس الشح“ (النساء: آیت ۱۲۸) ہم نے تمام جانوں کو بخل جان پہ جمع کیا۔ ہم نے تمام زندگی کو سب سے پہلے جو چیز دی ہے وہ Survival ہے۔ یہ Instinct ہم نے رکھی ہے۔ آپ کو پتا ہے شہید کیوں بڑا ہے۔ شہید اس لیے بڑا ہے کہ وہ اس Basic Instinct پہ فتح پا لیتا ہے۔ وہ Instinct of Survival پہ فتح لیتا ہے (آیت) اور کوئی شخص شہداء پہ غالب نہیں پا سکتا۔ اس لیے کہ اس رب کریم نے یہ Instinct! ”عالم الغیب والشھادۃ“ (الحشر: آیت) کہ عالم الغیب میں یہ Instinct رکھی ہے۔ سوائے اس شخص کے۔ ”واللہ شکور حلیمO عالم الغیب والشھادۃ العزیز الحکیمO“ جو اللہ کا شکر کرنے والا ہے۔ اور حلیم الطبع ہے۔ وہ کبھی بخیل نہیں ہوگا۔ کبھی Survival کے پیچھے نہیں آئے گا۔ یہ خدا کی صفات عالیہ ہیں۔ اللہ نے چھوٹی سی بات سمجھائی کہ میاں جب انسان ایک دوسرے کو قتل کر رہا تھا، مار رہا تھا، بگاڑ رہا تھا۔ اپنے سوسائٹی کے تناسب سے

جب زمانہ ختم ہو رہا تھا تو ہم نے ایک پیغمبر کو یہ کہہ کر بھجوایا۔ ''ولکم فی القصاص حیوٰۃ، یاولی الباب، لعلکم تتقون O'' (البقرۃ: آیت ۱۷۹) اہل عقل غور کرو تو ہم نے قصاص میں زندگی رکھی ہے۔ اگر تم ایک آدمی کے بدلے ایک قبیلہ اڑا دو گے۔ اگر ایک شخص کے بدلے ایک خاندان مار دو گے تو تم زندہ نہیں رہ سکو گے۔ تم ختم ہو جاؤ گے اور جب نسل انسان اس قتل و غارت پہ اتنی آمادہ ہوگئی کہ آبادیاں کم ہوگئیں اور بڑی بستیاں ویران ہوگئیں دیار اجڑ گئے اور چھتیں اوندھی ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر کو یہ قانون دے کر بھیجا اور اُس کے زمانے میں یہ قانون کتبوں پہ لکھا گیا۔ حضورؐ نے تو یہ کتبے نہیں دیکھے۔ اس زمانے میں تو کتبے دریافت ہی نہیں ہوئے تھے۔ ذرا قرآن اٹھا کے دیکھ لیجیے۔ ''الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ'' (البقرۃ: آیت ۱۷۸) ''آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت'' ''ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن'' (المائدہ: آیت ۴۵) ''بے شک جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت'' یعنی وہ قوانین جو قرآن نے آج سے پندرہ سو برس پہلے دیے جب آثار قدیمہ نکلے تو وہی قوانین جگہ جگہ کتبات میں ملے، ایسے لگتا ہے آپ کہیں گے کہ قرآن نے اس کو کاپی کیا ہے۔ ایک ایک لفظ وہی ہے جو اُن کتبات میں ہے اور دور کیوں جائیے، ملاحظہ فرمائیے ابھی کل کی بات ہے۔ آپ نے سورہ سبا پڑھی ہوگی۔

ہدہدین خوشخبر از ملک سبا می آید

حضرت سلیمان کے لیے جب ہدہد خوشخبری لے کر آیا تو سلیمان نے کہا تو نے کیا دیکھا ہے۔ تجھے زندہ جلا دونگا بد بخت تو بڑی دیر کر کے آیا ہے۔ انس بڑا تھا ہدہد ہے۔ تو ہدہد نے کہا حضرت بڑی خبر لایا ہوں۔ میں نے ایک قوم کو دیکھا ہے جو سورج کی پرستش کرتی ہے۔ حضرات گرامی! قرآن آپ کے پاس موجود ہے کہ ہدہد نے پہلا Sentence شاہ سلیمان سے یہ کہا کہ اے بادشاہ زمانہ میں نے ایک عجیب و غریب قوم کو دیکھا ہے جو سورج کی پرستش کرتی ہے۔ ابھی دو چار ہفتے پہلے سبا کی آثار قدیمہ نکلی ہیں اور حیرت کی بات ہے جو پہلا ستون نکلا وہ سورج کی پرستش ہے۔ خواتین و حضرات! اگر آپ بڑے سائنٹفک ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ یہ تو کریڈٹ دیں گے کہ وہ اتنے بڑے آرکیالوجسٹ نہیں تھے، Historian نہیں تھے، وہ کوئی عجیب و غریب آلات نہیں رکھتے تھے کہ آثار قدیمہ ماپتے پھرتے اور ان کو پہلے سے بگ بینگ کا پتا ہو میں آپ کو ایک بڑی ضروری بات بتاتا چلوں کہ لوگ کہتے ہیں کہ سائنس ہر بات پہلے دریافت کرتی ہے اور بعد میں مذہب اس کو اپناتا ہے۔ سائنسدانوں کو اس بات کا زعم ہے اور وہ اسلام کو طعنے دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ لوگ کھینچ تان کے سائنس کی باتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ خواتین حضرات! قیامت ابھی آئی تو نہیں ابھی قیامت کا کوئی طریقہ کار طے تو نہیں ہوا لیکن اللہ کیا کہتا ہے۔ ''اذا الشمس کورت O'' (التکویر: آیت ۱) وہ وقت جب سورج لپیٹ لیا جائے گا ''واذا النجوم انکدرت O'' (التکویر: آیت ۱) اور جب ستارے بجھ جائیں گے۔ پھر دوسری جگہ فرمایا کہ وہ وقت جب کشش ثقل کے سارے دھاگے ٹوٹ جائیں گے اور چاند اور سورج باہم آپس میں مل جائیں گے۔ اب ذرا غور کرو کہ یہ ابتدائے حیات کی خبر دیتا ہے کہ ادھر کہتا ہے (اذالشمس کورت O اذانجوم کدرت O) آپ کا کیا خیال ہے۔ ان Intellectual لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ بیچ میں ہمارے زمانے کے ذہین

لوگوں کے اذہان نہیں پڑھ سکتا ہوگا۔ ابتدا کی خبر دے رہا ہے، انتہا کی خبر دے رہا ہے۔ ابھی تو قرآن کی بات تشنۂ تکمیل ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے قرآن تو بڑے دور کی بات ہے، ابھی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پوری نہیں ہوئی۔ سائنسدانوں سے مخاطب ہوکر فرمایا ذرا غور کیجیے گا آپ بڑے جدید لوگ ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں۔ پہلے اس بات کو کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مجھے پروردگار کی قسم ہے کہ اس وقت تک زمانہ آخر نہ ہوگا جب تک انسان درندوں سے کلام نہ کر لے۔ یہ کمزور حدیث نہیں ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے۔ قسم ہے مجھے رب کریم کی زمانہ ختم نہ ہوگا جب تک انسان درندوں سے کلام نہ کرے گا جب تک انسان کے جوتے کا تسمہ اس کے حال کی خبر نہ دے گا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا وہ تو جینیٹکس ہی ہے نا۔ ایک Decoding of Animal language ہے۔ مجھے تیری ابھی سمجھ نہیں آئی۔ خداوند کریم یہ کہتا ہے کہ اے حضرت انسان تو نے ابھی کچھ اور آگے جانا ہے اور میں نے "اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت و من الارض مثلھن" (الطلاق: آیت ۱۲) میں کوئی ایک جہان بنا کے تھک نہیں گیا ہوں۔ ہم بڑے Narcissist لوگ ہیں۔ حضرت انسان سے زیادہ میں نے Narcissist نہیں دیکھا۔ ہم مجموعی طور پر Narcissist ہیں۔ اتنی چھوٹی سی زمین ہے اور بات سے بات نکل آتی ہے۔ اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوتیں۔ پہلے حضور گرامی مرتبت کی حدیث اور پھر جدید سائنسدانوں کا ایک محاورہ سناتا ہوں اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہماری زمین اس کائنات میں ایسے ہے جیسے ساری دنیا جنگل میں پڑا ہوا ایک حلقہ، ایک چھوٹا سا ایک چھلا اور چھوٹی سی ایک مرلی، یعنی اتنی ہے کہ اگر ساری دنیا جنگل ہو جائے تو آپ کی زمین اس جنگل میں پڑے ہوئے ایک حلقے کی طرح ہے۔ اور سائنسدان کہتا ہے کہ اگر پوری کائنات اور ساری دنیا کے ریگزار جمع کر لیے جائیں تو ہماری زمین بھی ایک ذرے کی طرح ہے۔

یہ دونوں ذرائع اپنے اپنے زمانے میں بالکل ایک ہی مفہوم دیتے ہیں۔ Hugeness اور Smallness کی ایک ہی Ability سامنے آتی ہے۔ ان کو جھٹلا کون کہے۔ آپ کو پتا ہے، پیغمبر ہر زمانے میں ٹاپ Intellectual ہوتا ہے، کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پیغمبر ہی کوئی نہیں ہے وہ زمانہ آخر تک Intellectual ہیں۔ اول وآخر ان کی ذہانت سے کسی انسان نے بھی قدم آگے نہیں رکھا۔ میں آپ کو یہ سادہ سی بات بتا رہا ہوں کہ جب میں نے اپنے وجود میں خدا کو تلاش کرنے کی ایک اجنبی خواہش دیکھی تو میں نے اپنے آپ کو مغلوب پایا کیونکہ اس ذرہ اخلاص میں بڑی قوت تھی۔ پھر وہ وقت آیا جب مجھے میرا وجود ہی غیر لگا اور پھر میں نے جدوجہد کی میں متقی بننے کی کوشش کر رہا تھا اور نہ ہی پارسا۔ آپ کو پتا ہے کہ تقویٰ کتنا سخت ہے اور یہ لوگ تو مقدس ہوتے جاتے ہیں۔ یہ فقراء، یہ پیر اور مساکین دس دس لبادوں میں نوعروس کی طرح قدم رکھتے جاتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے ان غریبوں کا ایک ایک پاؤں عرش معلیٰ پہ پڑا ہوا ہے۔ ان کے انداز جو ہیں۔ "ومکروا ومکر اللّٰہ واللّٰہ خیر الماکرین" (آل عمران: آیت ۵۴) خدا کے نام پر ان لوگوں نے یہ مکر و فریب پھیلا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے آزاد اور محفوظ رکھے۔ خواتین و حضرات! مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں آپ کو عذاب کی خبر دوں۔ بھئی پیغمبر کو تو پہنچتا ہے۔ پیغمبر کو تو اس لیے پہنچتا ہے کہ اللہ نے پیغمبر کی نجات کنفرم کی ہے۔ پیغمبر اللہ کا دوست ہے۔ پہلے پیغمبر کو بخشتا ہے پھر اس امت میں سے کچھ لوگ بخشے گا۔ میں آپ کو عذاب کی کیسے خبر دوں گا۔ مجھے تو اپنی بخشش کا پتا نہیں ہے اور میں آپ کو خبر سنا دوں اور میری ہوا جہنم میں نکل رہی ہو۔ یہ تو ناممکن ہے۔

ہمارا کوئی حق نہیں بنتا کہ ہم قرآن کے سوا لوگوں کو عذاب کی خبریں دیں۔ مگر قرآن بھی آپ پڑھ کے دیکھ لیجیے۔ سارا عذاب کافر کے لیے ہے۔ جو اللہ سے انکار کرتا ہے۔ اس کے لیے ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کسی کو کیا پتا ہے کہ جو شخص بے نماز ہے۔ وہ نماز پڑھنا شروع کردے اور نماز پڑھنے والا بے نمازی ہو جائے۔

How can you pass a judgement in transition period

وہ کون عاقل و بالغ ہوگا جو آپ کے لیے سفر سے بہت پہلے منزل کا تعین کردے گا جب تک آپ پہنچیں گے نہیں۔ There are hundred sips between the cup and lip.

آپ کس یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ بخشے ہوئے ہیں میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ میں بخشا ہوا ہوں۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور بات ہے۔ وہ بہت لاڈلے تھے۔ ایک بہت بڑے استاد کی کلاس تھی سارے اچھے پڑھے لکھے تھے۔ ماشاءاللہ تعالیٰ اتنی بدتہذیب کلاس کسی استاد کو نہیں ملی۔ گلے میں پھندے ڈالے، پتھر مارے، کانٹے بچھائے، کیا استاد تھے۔ ہم جیسے استادوں کو شرم آنی چاہیے۔ اس نے کسی کو کوسا نہ کسی کو گالی دی نہ سرزنش فرمائی، نہ کوئی چھڑی ہاتھ میں تھی۔ اس شخص کے لیے اتنی محبت تھی۔ محبت فاتح عالم تھی۔ کیا اللہ کے رسول کی محرومیاں تھیں۔ حضرات گرامی اگر بچپن میں ایک انگلی خراب ہو جائے تو Inferiority قبر تک جاتی ہے۔ کیا اس شخص کا رتبہ ہے، کیا ذہن ہے۔ اس کو کون کم تر برین (Brain) کہہ سکتا ہے۔ کون اس کو لوکل برین (Local Brain) کہہ سکتا ہے۔ کہ کبھی باپ دیکھا اور نہ ہی ماں کی مامتا نصیب ہوئی۔ جس پہ تکیہ کیا وہی شاخ چھن گئی۔ اتنی محرومیوں اور غربت کے بعد، اس شخص نے لوگوں کو کیا دیا محبت، محبت، محبت فاتح عالم۔ یہ وہ استاد تھے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس اُجڈ، گنوار، نااہل کلاس کو اصحاب رسولؐ میں بدل دیا۔ رضی اللہ عنہ ورضوعنہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے اللہ راضی ہوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ سے راضی ہوئے۔ کبھی کبھی لوگ، (برسبیل تذکرہ کہہ رہا ہوں) کہ کبھی کبھی لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی بڑی مدحت فرماتے ہیں..... بڑی تعریفیں ہوتی ہیں۔ میں نے جب سے خیبر کی حدیث پڑھی ہے تو مجھے لوگ مشکوک لگ رہے ہیں۔ مجھے لوگ اس لیے مشکوک لگتے ہیں کہ شائد Intellectualy یا Mentally وہ اس حیثیت کو نہیں جانتے جو کسی لفظ کی ہوتی ہے۔ حضور گرامی مرتبتؐ نے خیبر کے آخری دن فرمایا ''کہ آج میں علم اس کو دوں گا جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ سے بڑی محبت ہے، اور جس سے اللہ اور رسولؐ کو بڑی محبت ہے۔ اس کے بعد میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے بالا کوئی عزت کوئی مقام جناب علی کرم اللہ وجہہٗ کا ہو سکتا ہے کہ جس سے اللہ اور رسولؐ کو بڑی محبت ہو ماشاءاللہ تو ت الاباللہ۔ خدا کے لیے بندگان عالی اور حضرات گرامی تھوڑا سا غور تو کرو کہ ہم نے عمریں گنوا دی ہیں۔ ہم نے خدا کو کبھی وقت نہیں دیا، ہم نے اللہ سے کبھی آرزو نہیں کی، ہم نے اسے کتاب دین سے باہر رکھا ہوا ہے۔ اللہ باہر ہے اور ہم تمام تر آسیبوں کو جمع کر کے اس کی پرستش کر رہے ہیں۔ اب زمانہ زیادہ باقی نہیں رہا، سچی بات آپ کو بتاؤں بہت کم وقت ہے کہ آنے والے وقتوں میں خوشخبریاں بھی ہیں، آنے والے وقتوں میں تباہی، ہلاکت و بربادی بھی ہے مگر صرف ایک چیز کام آئے گی، صرف ایک چیز کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''زمانہ اتنی آفت میں جائے گا اور ہر چیز تباہ ہو جائے گی، رزق ناپید ہو جائے گا تو لوگ کس چیز پر گزارہ کریں گے۔ فرمایا: ''تسبیح خداوندی پر۔''

سوالات وجوابات

انسان کے اختیار کی حدود

سوال: کیا خدا انسان کے معاملات میں بلاواسطہ دخل دیتا ہے اور انسان اپنے اعمال کے حوالے سے کس حد تک آزاد ہے؟

جواب: Main question یہ نہیں ہے۔ Main question تو یہی بنتا ہے کہ

If God is there, Where is he?

کیونکہ جہاں تک ہمارے اکاؤنٹس ہیں جو ہمیں خدا کی طرف سے ملے ہیں، جو اس کے اپنے لوگوں کے توسط سے ملے ہیں تو خدا ہر چیز اور ہر مسئلے میں مداخلت کرتا ہے بلکہ Creater ہے۔ اُن تمام Conflicts کا متصادم Situations کا، ان تمام خیالات کی Situation کا تمام زندگی Generelly اتنا بڑا Protocol ہے کہ وہ کہتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ تمہارے معاملات زندگی میں مداخلت کرتا ہوں بلکہ یہ کہتا ہے "ونفس وما سواھاO فالھمھا فجورھا و تقوھا" (الشمس: آیت ۷-۸) نہ صرف یہ ہے کہ میں تمہارے نفس پہ الہام کرتا ہوں بلکہ فسق و فجور اور تقویٰ اور خیر کے خیالات میں بھی الہام کرتا ہوں، ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔ "وما تشاؤن الا ان یشاء اللّٰہ" (التکویر: آیت ۲۹) "تم چاہ بھی نہیں سکتے اگر میں نہ چاہوں" لہٰذا جو اللہ اس درجہ مداخلت کرتا ہو، آپ اس کو کیسے Irrelevant قرار دے سکتے ہیں۔

It is very difficult to say, کہ There is a very very thin line.

تو وہ ہم سے کیا مقصد چاہتا ہے اور ہم اپنے تئیں اس کے کیا مقاصد پورے کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر رزق، زندگی اور کیریئر کے معاملات میں ہم یہ کہیں کہ ان میں انسان خود مختار ہے اور کسی حد تک اپنے معاملات خود سنوارتا ہے تو Both ends پہ یہ تھیسس غلط ہو جاتا ہے۔ ایک انسان کے بچے یا جانور کے بچے میں آپ فرق یہ دیکھیں گے کہ جانور کا بچہ پیدا ہوتے ہی اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاتا ہے اور بمشکل ایک دو دن کے وقفے سے اس کو ان تحفظات کی ضرورت نہیں رہتی جو انسان کے بچے کو ہے۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ یہ حکایت ہستی جو ابتدا سے پانچ سات سال تک انسان اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ Independent Existence کے قابل ہو۔ پھر جب وہ بڑا ہوتا ہے، اور اس کی Education میں نارمل Routine of Life کو شامل کریں اور اس کے زندگی کے کردار کی تنظیم، اس کے زندگی کے کردار کا تعین کرنا، اس کے Present کے حصول، اس کے Present کے جب اثرات ہم دیکھتے ہیں تو بعض اوقات یہ بیس سال، بائیس سال تک جاتے ہیں۔ جوں جوں زمانہ آگے بڑھ رہا ہے، یہ خیال کہ انسان کس حال اور حالات میں خود مختار ہے۔ یہ تھیسز بڑا غلط ہو جاتا ہے۔ جب ہم بڑھاپے کو بڑھتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہی بچپن والی کیفیت پھر پیدا ہو گئی ہے کہ ہمیں کسی نہ کسی کی ضرورت پڑنا شروع ہو جاتی ہے اور بڑھاپا جو Independently اپنا وقت گزار نہیں سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں Ends چھوڑ کر درمیان کے کچھ عرصے میں انسان کا دماغ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا

خود مالک ہے وہ اپنا Career بات کر رہا ہے۔ وہ ذہین ہے، فطین ہے، وہ دانشور ہے اور وہ اپنے فیصلے خود کر سکتا ہے۔ مگر مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس چیز میں خود فیصلے کر سکتا ہے۔ اگر انسانی پروٹوکول انسان کے حوالے کر دیا جائے، اگر اللہ تعالیٰ معاملات رزق کو انسان کے حوالے کر دے تو دیکھنا یہ ہے کہ کیا پوری انسانی یا پوری حیوانی زندگی میں ایک ہی جین کو اس نے اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے لیے خود رزق کمائے یا اپنی زندگی خود گزارے۔ یہی اختیار ایک ارب جین جو اس دنیا میں مختلف Animals یا Human beings کے ہیں، ان میں سے کسی کو حاصل نہیں۔ اگر ہم میں سے کوئی شخص یہ ذمہ داری اٹھا لے کہ میں چیونٹیوں کا رب ہوں یا میں مچھلیوں کا رب ہوں یا میں کسی اور جین کا رب ہوں تو پھر کم از کم اللہ تعالیٰ یہ کہنے کے قابل نہیں رہے گا کہ الحمد للہ رب العالمین O مگر مسئلہ یہ ہے کہ پروٹوکول، رزق اور حفاظت کی حد تک اگر تھوڑا سا آگے یا آپ پیچھے بڑھ کے دیکھیں تو زمین کی Creation ہی اللہ تعالیٰ کی Relevance کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ سورج اگر ایک لاکھ میل پیچھے چلا جائے تو ہم فریز ہو جائیں سورج ایک لاکھ میل آگے ہو جائے تو ہم سب Burn Out ہو جائیں اور پھر Laws of existence زمین پہ Create کیسے ہو۔ ذرا سا اوپر جا کے خلاء میں معدوم ہو جاتے ہیں۔ بظاہر یہ لگتا ہے یہ دنیا واحد ایک ایسا ایریا ہے جو پوری Galaxy میں Multiple ہے، Imposible ہے۔ اور بڑے سے بڑے سائنسدان بھی یہ کہیں گے ابھی تک تو ریسرچ یہی کہتی ہے کہ اس قسم کی حیات یا اس قسم کا پیٹرن آف لائف کسی اور سیارے پر ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا یہ سوچنا پڑتا ہے کہ Irrelevant God نے یہ پوری کائنات تخلیق کرتے ہوئے ایک چھوٹا سا کیمپ، ایک چھوٹی سی جگہ، ایک مخلوق کی رہائش، آسائش اور زندگی کے لیے جو خاص طور پر تخلیق کی ہے اس کے مقاصد کیا ہیں۔ جیسے میں نے آپ سے عرض کیا کہ خدا اذیت پسند ہے اور نہ وہ یہ چاہ رہا تھا کہ انسان کو دنیا میں تکلیف کے لیے لائے Its not a Christian philosophy کہ جس میں انسان Basic Sinner ہے اور Sin کے لیے زمین پہ آیا ہے تا آنکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قربانی دے کر انسانوں کا خون دھویا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا قول ہی بڑا Different سا ہے۔ اگر آپ خدا کے حق میں دلیل دے رہے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ خدا کو ماننا انسان کی مجبوری نہیں ہے۔ خدا کے ہاں ایسا نہیں ہے۔ خدا یہ کہتا ہے کہ ایمان تمہاری مجبوری نہیں ہے۔ خدا قرآن حکیم میں کہتا ہے کہ "اگر میں چاہتا تو تمام بنی نوع انسان ایک ہی ایمان کے مالک ہوتے" خدا یہ کہتا ہے کہ میں نے دوسرے جانوروں پہ جو تمہیں عقل و معرفت کا شرف بخشا ہے اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ کسی ایک لیول پہ تمہیں لبرٹی حاصل ہو۔ مختصری آیت ہے مگر بڑی جامع ہے کہ (ان ھدینہ السبیل) (الدھر: آیت ۳) میں نے تمہیں ہدایت، عقل، شرف اس لیے بخشی ہے "اما شاکرا و اما کفورا" (الدھر: آیت ۳) چاہو تم مجھے مانو، چاہے انکار کرو۔ اس میں اللہ تعالیٰ انسان کو مجبور قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اگر Practically دیکھا جائے تو پانچ ارب بلکہ ساڑھے پانچ ارب لوگوں کا خدا سے ہٹ جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ لوگ اپنی مجبوری سے نہیں بلکہ اپنی آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

کامیاب معاشرتی زندگی کا راز

سوال: ایک انسانی معاشرہ کن عوامل کے سبب ترقی کرتا ہے؟

جواب: خاتون محترم بات یہ ہے کہ جب امیر علی ٹھگ کو پھانسی پہ چڑھانے لگے تو By the time اُس نے کئی قتل کیے ہوئے تھے۔ تو جب اس سے کسی نے پوچھا کہ تجھے کوئی غم وغصہ اور کوئی تاسف نہیں ہے تو اس نے کہا بالکل نہیں ہے۔ اس نے کہا کیوں، اس نے کہا میرے والد نے مجھے کہا تھا کہ ہر آدمی اللہ کے کسی اسم کے سایے میں پیدا ہوتا ہے اور ہم لوگ اسم قہار کے سایے میں پیدا ہوئے تھے۔ بات یہ کہ اگر آپ تھوڑا سا Analysis کریں تو تاریخ عالم میں آپ دیکھیں گے کہ ظالمانہ جبر والے معاشرے جلد ختم ہو جاتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ انسانی معاشرہ جبر سے مصالحت کے ساتھ آگے نہیں بڑھا۔ بلکہ انصاف اور اخلاق کے اصولوں سے آگے بڑھا ہے۔ یہ پوری انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ حیوانی جبلتوں کی تسخیر کے بعد انسان نے جبلی عقل و معرفت میں ترقی کی ہے۔ اس وقت اس نے ان اصولوں کو اپنایا ہے جن کو ہم Constructive laws of Society کہتے ہیں۔ یہ کوئی شک نہیں ہے کہ تاریخ میں بار بار ایسے ادوار ضرور آتے ہیں کہ جب وہ لوگ جو اچھی عقل والے تھے یا جنہوں نے معاشرے کو اچھی تخلیق دے دی تھی، وہ کمزور پڑ گئے، معاشرہ کمزور پڑ گیا۔ ان کی کرپشن اتنی بڑھ گئی کہ کسی ظالم و جابر کو ضرور ان پر مسلط کر دیا گیا۔ مگر آج تک جو Cave Man سے Sky Scraper تک کا زمانہ آیا ہے۔ اس میں زیادہ تر زمانہ مذہبی عروج کا ہے اور مذہب اسلام بارہ سو سال تک عروج پہ رہا۔ تین ساڑھے تین سو سال عیسائیت عروج پہ رہی۔ اس سے پہلے بھی جن سوسائٹیوں نے عروج پایا ہے۔ ان میں ہم کوئی اعتماد دیکھتے ہیں۔ Super Natural کوئی نہ کوئی اچھی چیز دیکھتے ہیں، عقل دیکھتے ہیں، معرفت دیکھتے ہیں۔ آپ تین ہزار سال پہلے سے Socrates اور افلاطون کو جانتے ہیں۔ آج کی بات نہیں ہے اور زمانے کی ترقی اور تمدن ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ظالم اور مظلوم کی وجہ سے نہیں بلکہ عدل و انصاف کی وجہ سے معاشرہ آگے بڑھا۔

اللہ کے دوست کی توہین

سوال: کیا اللہ کے حضور کامیاب و کامران ہونے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار اور ان سے محبت کرنا لازمی ہے۔

جواب: خواتین و حضرات! پروردگار عالم نے ایک بڑی خوبصورت آیت میں جو ہم سب لوگوں کے لیے بڑی خوشخبری کا باعث ہے بلکہ جب یہ آیت پہلی مرتبہ آئی تو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل بڑے کشادہ ہوئے۔ وہ آیت یہ ہے۔ "قل یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمة اللہ" (الزمر: آیت ۵۳) اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دے جنہوں نے اپنی ذات پہ بڑے اسراف کیے، جنہوں نے اپنی صلاحیتوں کو بے جا خرچا، یہ یاد رکھیں، خدا گناہ کو ایک اچھی صلاحیت کے بے جا خرچنے سے تعبیر کرتا ہے، اسراف کہتا ہے۔ یہ یاد رکھیے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو کلمۂ توبہ لکھایا ہے اس میں اسراف کا ذکر ہے اور خسارے کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے جو صلاحیتیں اللہ نے ہمیں اپنے لیے دی ہیں اگر (مسرفانہ) خرچیں گے تو ہمیں ضرور خسارہ ہوگا اللہ نے پہلی دعا جو آدم کو دی۔ "ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین" (الاعراف: آیت ۲۳) اس لیے کہ "ان یغفر الذنوب جمیعاً انہٗ ھو الغفور الرحیم" (الزمر: آیت ۵۳) یہ Totality کا قانون ہے کہ بیشک تمہارا اللہ

تمام گناہ معاف کرتا ہے ''ان یغفر الذنوب جمیعاً اللہ ھو الغفور الرحیم'' (الزمر: آیت ۵۳) اب جن لوگوں کا آپ ذکر کرتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بڑا مخیر ہے بڑا نیک ہے، پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے اور دس بیس سال سے اس کا طریقہ زندگی یہی ہے مگر دس بیس سال بعد اچانک پتا چلتا ہے کہ یہ ہیروئن فروش ہے۔ اس کی یہ کوالٹی اس کی بیس سالہ کارکردگی تہ وبالا کرنے کو کافی ہے۔

And Secondly in a flash, all these accomplishments will be lost.

اس طرح وہ لوگ جو صبح وشام نیکیاں کرتے ہیں، خیر کا کام کرتے ہیں یا اچھی صلاحیتوں کے مالک ہیں یا انہوں نے بڑی سائنٹفک اصلاحات دی ہیں جیسے مادام ٹریسا (Madam Terresa) تو خدا کہتا ہے کہ جن لوگوں نے سارے اچھے کام جس مقصد کے لیے کیے ہیں میں نے صلہ لوٹا دیا۔ میں نے ان کو شہرت دی، عزت دی، محبت دی، لوگوں کا خلوص دیا، ہر جگہ استقبالیے دیے، بینرز لگے مگر چونکہ انہوں نے میری ذات کے ساتھ ظلم کیا ہے، ناانصافی کی ہے اور ناانصافی یہ ہے کہ اللہ کا دین جو آدمؑ سے شروع ہوا جبلی طور پر انسان کی تربیت کرتا کرتا بالآخر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ تک آیا، عیسیٰؑ بھی آ گئے موسیٰؑ بھی آ گئے تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بات پہنچی یعنی دوستی کے رشتے اللہ کے اس Major دوست تک آئے جس سے پہلے قرآن اس کی وجہ سے جاری تھا۔ پہلے قرآن اسی کی وجہ سے جزوی طور پر اتر رہا تھا۔ جب وہ تشریف لے آئے تو اللہ نے کہا (آیت) "الیوم اکملت لکم دینکم" یہ نہیں کہا کہ نیا دین دیا ہے بلکہ آدمؑ سے لے کر تمام پیغمبروں...... کے رستے سے گزرتا ہوا جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک آیا تو یا ایسے ہے جیسے Academy of religion میں کسی طالب علم نے Basic class پانچویں میں داخلہ لیا تھا وہ اب Ph.D. تک آ گیا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی (المائدۃ: آیت ۳) کہ آج نہ صرف میں نے Message اور دین پورا کیا بلکہ اپنی نعمت تمام کر دی۔ اگر آدمؑ میں، میں نے نعمت رکھی اور موسیٰؑ میں تمہارے لیے رحمت رکھی، یحییٰؑ میں رکھی تو آج تمام رحمت عالم سمٹ کے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آ گئی۔ جہاں میں نے نعمت تمام کر دی ہے وہاں Message بھی تمام کر دیا۔ اس لیے کہ انسان بلوغت فکر کے اس مرحلے میں آ گیا تھا کہ اب Message پورا پورا قبول کر سکتا تھا۔ قوم (امہ یت) یکطرفہ قوم تھی ان کے ہاں تمام کی تمام ٹیچنگ حضرت عیسیٰؑ کی ہے اندرونی ہے۔ وہ قوانین جو آج Impracticable ہیں۔ وہ قوانین کہ جس نے ہمسائے کی بیوی پہ بری نگاہ ڈالی اس نے گویا زنا کا ارتکاب کیا۔ جس نے اپنے بھائی کے خلاف یہ سوچا اس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔ اگر آپ ان قوانین جس نے آپ کے منہ پر ایک تھپڑ مارا آپ اسے دوسرا گال آفر کریں، یہ تمام چیزیں اندرونی شریعت کی تھیں۔ جب تک آپ بہت گہرے اخلاص میں نہ جائیں یہ Religion کا Totallity نہیں ہے۔ یہ چند ایک لوگوں کا Religion ہے جو خدا کی طرف اتنی شوق عبادت سے بڑھے کہ ہر بات کو اپنے اوپر قبول کریں اور اپنے جبر اور سختی سے اس موقف کی تائید کریں جو حضرت عیسیٰؑ نے دیا تھا۔ اس سے پہلے حضرت موسیٰؑ کا تمام مذہب پریکٹیکل مذہب تھا۔ اسی لیے وہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے آج ہمارے Dogmatic مولوی کا مسئلہ ہے کہ اس کو پریکٹیکل Religion کے بعد اور کوئی بات آگے نظر نہیں آتی۔ خواتین وحضرات! میں ایک سوال آپ سے بھی پوچھ سکتا ہوں کہ کسی اکیڈمی اور کسی سکول آف تھاٹ میں امری کے وقت اور اس سے نکلتے

وقت کوئی پراگریس ریکارڈ تو ہوتا ہے اگر میں ایک کالج میں گیارہویں میں داخل ہوا اور ایم۔اے کر کے نکلا ہوں تو کم از کم میں اپنے آپ کو کہہ تو سکتا ہوں کہ میں نے علم میں کچھ اضافہ کیا ترقی کا یہ کون سا مذہب ہے۔ اسلام آپ لیے پھرتے ہو کہ اس میں آپ چھٹی ساتویں جماعت میں نماز اور روزہ سے ابتدا کرتے ہو اور نماز، روزہ پڑھتے پڑھتے گزر جاتے ہو اور کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ یہ کیسا مذہب بن گیا ہے کہ جس میں فکری، ذہنی جلا کی ایک رمق باقی نہیں رہتی اور جوں جوں لوگ اس میں آگے ترقی کرتے ہیں تو لگتا یہ ہے کہ مذہب تمام کسی مابعد الطبیعاتی تاثر سے خالی ہے۔ آپ یقین کرو کہ میں اس حدیث کے مصداق ایک شخص کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتا رہا کہ ''فراستِ مومن سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے'' یہ کہاں سے ملیں گے لوگ۔ اگر مذہب میں نہیں ملیں گے تو پھر فراست مومن والے لوگ کہاں سے ملیں گے جو اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں۔ یہ مذہب کی ایک Category تو ہے۔ صرف دو مثالیں میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ یہ صحیحین کی حدیث ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو مجھے لگتا ہے ملائکہ مجھے جنت کا در کھول کر دکھاتے ہیں فرمایا معاذ یہ اخلاص ہے۔ حضرت عسیر بن عزیزؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میں قرآن پڑھ رہا تھا تو بادل جھک گئے ان میں ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم تلاوت جاری رکھتے تو یہ ملائکہ تھے جو تیری تلاوت سن کے جھک آئے تھے اور بادلوں سے نکل کے تجھ سے مصافحہ کرتے۔ یہ عجیب و غریب باتیں لگتی ہیں۔ Academically یہ باتیں اس دور میں جب کہ آپ اتنے Objective، سائنٹفک طرز عمل کے مالک ہیں۔ بڑی عجیب باتیں لگتی ہیں۔ مگر آپ ان ساری عجیب باتوں کو سمیٹ لیں تو بات پھر اس بنیادی Question پہ آ کے رک جاتی ہے کہ آپ اللہ کو مانتے ہو کہ نہیں مانتے ہو۔ آپ اللہ کو جانتے ہو کہ نہیں جانتے ہو۔ کچھ سسٹم ہی ایسے ہیں جو صرف اللہ ہی سے تشخیص پاتے ہیں۔ ابھی اس بنیاد پہ دیکھا جائے کہ خداوند کریم ان لوگوں کو کیا صلہ دے گا کہ جو ابتدا کو تسلیم کرتے ہیں مگر انتہا کو نہیں مانتے۔ جب وہ چھوٹے چھوٹے دوستوں کو مانتے چلے آئے مگر اللہ کے بہترین دوست کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ادھر اللہ کہتا ہے اس بہترین دوست کا انکار جس کے لیے ساری کائنات میں نے بنائی اگر وہ الحمد للّٰہ رب العالمین ہے تو یہ خطاب کسی اور پیغمبر کو تو نہیں ملا، ''وما ارسلنک الا رحمة للعالمین'' (الانبیاء: آیت ۱۰۷) کیونکہ جہاں جہاں خدا کی ربوبیت کی حدود ہیں وہاں وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کی حدود ہیں اور یہ یاد رکھیے ایک مخلوق کے لیے نہیں ہے بلکہ خداوند کریم نے یہ فرمایا تمام مخلوقات ارض و سماوی کو پیدا کرنے سے پہلے میں نے ایک چیز کو معاہدے کے طور پہ کتاب میں لکھ دیا۔ ''کتب علی نفسہ الرحمة'' (الانعام: آیت ۱۲) کہ میں ان پہ ہر حال میں رحم کروں گا۔ رحم کرتے کرتے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ انتہائے رحمت فرما دی۔ اب اگر کوئی شخص کتنا ہی نیک ہو، کتنا کریم النفس ہو، کتنا ہی خلیق ہو مہربان ہو، انسان دوست ہو، بندہ پرور ہو لیکن جب اللہ کے سب سے بڑے دوست کی توہین کرے گا تو اس کا کیا مقام ہو گا۔ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی شخص نہیں مانتا اور کیوں نہیں مانتا؟ Lets go back to the reason وہ کیوں نہیں تسلیم کرتا۔ آج تک کسی غیر مذہب کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ ماننے کی کوئی Reason نہیں ہے۔ میں اس کی وجہ آپ کو بتاتا ہوں تھامس کارلائل کتاب

Heroes And Heroes Worship.

مرتب کرتا ہے۔اس نے اپنے پیغمبر کو بطور ہیرو کیوں نہ رکھ لیا۔ پر سوال یہ ہے کہ وہ مسلمان تو نہیں ہے مگر پھر بھی مانتا ہے۔مزے کی بات یہ ہے کہ Heroes and Heroes Worship میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو Prophet as a hero مانتا ہے کہ اگر دنیا میں کوئی سب سے بڑا موثر اور انقلاب انگیز پیغمبر گزرا ہے تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں مگر پھر بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتا۔ یقیناً اس کا نہ ماننا طلوع مہر کو چمگادڑوں کے نہ ماننے جیسا ہے۔اگر سورج کو دیکھ کر آپ الٹا لٹک جائیں تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔خدا کو ان سے کیا پڑی ہے۔خدا کا تو سارا فسانہ دنیا ہی فسانہ محبت و دوستی ہے۔اس کو تو اور کسی بات کا پتا ہی نہیں وہ تو اپنے دوستوں کے لیے اس حد تک چلا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلو ابراہیم تو اللہ کے دوست تھے محبت والے تھے مگر یہ صفا و مروہ کیوں ہے۔کیا اب ہم خاتون ابراہیم کا بھی طواف کریں گے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہی سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا، ایک دم اللہ کے رسول غیرت میں آ گئے۔فرمایا "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" (البقرۃ ۲:۱۵۸) کہ خبردار ابراہیم سے منسلک یہ چیز شعائر اللہ ہے وہ میرا دوست ہے، وہ میری محبت ہے وہ میرا خلیل ہے، وہ ایک ایسا انسان ہے جس نے میری دی ہوئی نعمت کا سب سے بہترین فائدہ اٹھایا ہے اس نے مجھے عقل و شعور سے پہچانا ہے۔اس سے بڑا میرا کوئی دوست نہیں ہے اور اس کی بیوی بھی مجھے اتنی ہی عزیز ہے جتنا وہ عزیز ہے۔اس کا بیٹا بھی مجھے اس طرح ہی عزیز ہے، اس کی دعا مجھے عزیز ہے (آیت) "کہا کہ اس کی دعا بھی مجھے عزیز ہے' اور اس کی دعا کی وجہ سے میں نے رحمت عالم کو اس کے خاندان میں رکھ دیا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، یہ تو فسانہ دوستی ہے آپ خود سوچیں حجر اسود کو کیوں چومتے ہیں، کیوں چومیں پتھر کو، عمر نے ٹھیک کہا تھا اس کی حیثیت ہی کیا ہے۔ہم کیوں اسے چومیں۔ جنت سے آیا ہوگا تو دیکھا جائے گا مگر حقیقت یہ نہیں ہے کہ ہم پتھر نہیں چومتے ہم تو لمس دست ابراہیم چومتے ہیں، ہم تو اسماعیل کے ہاتھوں کو چومتے ہیں، ہم تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کے لمس کو چومتے ہیں جو اس پتھر کو لگے ہوئے ہیں،

Feeling is a better science-i tell you,

اور Emotion کی سائنس ڈویلپ نہیں ہوتی ہے سائنسدان اور Mystic میں ایک فرق ہوتا ہے سائنسی تجربات میں سائنٹسٹ کی Feeling کا کوئی حصہ نہیں، وہ چاہے ناراض ہے، بیمار ہے، اداس ہے جس عالم میں بھی ہے کیمیکلز نے وہی ری ایکشن کرنا ہے جو اس کے نصیب میں لکھے ہوئے ہیں مگر صوفی کی ایک ایک معمولی سی Feeling اس کے تجربے کو غلط کر دیتی ہے۔

He is a better scientist

اس کو یہ پتا ہے میرا ایک Emotion، میری ایک Feeling، میرے تجربے ہیں اور سب سے قیمتی تجربات حیات کو خراب کر دیتے ہیں۔ میں جس حیثیت اور جس حقیقت کو جاننے چلا ہوں وہ سائنسز کی غائیت اولیٰ ہے۔ چاہے سائنس اسے پہچانے نہ پہچانے۔جس سائنس کا مقصد ہی کوئی نہیں ہے، جس سائنس کا مقصد فضائے بسیط میں ٹامک ٹوئیاں مارنا ہے کیا آپ سمجھتے ہو کہ science is going to the right way۔اب ذرا غور کیجیے میں آپ کو چھوٹا

سا فرق بتا تا ہوں یہ کتاب وہ کتاب ہے کہ سلیمانؑ کے دربار میں ایک جن کہتا ہے، اے سلیمان اگر تو مجھے حکم دے تو میں تخت سبا ایک پہر تک تیرے دربار میں پہنچا دوں تو قرآن کہتا ہے اس ایک شخص کو اللہ نے کتاب کا علم دیا تھا وہ ایک شخص آصف بن برخیا؟ وہ ایک شخص جسے اللہ نے ایک کتاب کا علم دیا تھا وہ کہتا ہے پیغمبر مجھے اجازت دے میں آنکھ جھپکنے سے کم وقت میں تخت سبا ادھر لے آؤں۔ خواتین و حضرات ڈیڑھ سو سال پہلے قریباً جب دونوں قوانین آئن سٹائن نے دے دیئے۔

Matter can be converted into energy and vice versa was also true.

آج تک توانائی Matter میں کنورٹ نہیں ہوئی، آج تک چھوٹے موٹے تجربات ہوتے رہے کافی عرصہ گزر گیا اور

Energy and matter convert easily

تو یہ جو آپ سٹار ٹریک میں دیکھتے ہیں، آدمی آیا شعاع ڈالی دوسری طرف چلا گیا، زمین سے ستارے تک منتقل ہو گیا مگر آپ کو پتا ہے کہ کتاب کے علم سے ایک شخص نے بہت پہلے یہ کرشمہ سرانجام دے دیا تو آپ کا خیال یہ ہے کہ دنیا اتنی آگے جانے کے لیے ہے۔ اس زمین میں جسے اللہ نے "مستقر و متاع الی حین" (البقرۃ: آیت ۳۶) چھوٹا سا کیمپ، چھوٹی سی دنیا کہا ہے، اس چھوٹی سی دنیا میں آپ جن Achievements کے خواب دیکھ رہے ہو، آگے بڑھنے کے خواب دیکھ رہے ہو ابھی تو آپ نے کائنات کی دہلیز پر قدم نہیں رکھا آپ کو کتنی عمر چاہیے Galaxies کو دیکھ لیں جہاں کروڑوں اور ملین ایئرز کے فاصلے مختصر ہو جاتے ہیں اور اپنی زندگی کی کوئی Average تخمینہ ہے۔ اس کو اللہ نے کہا "قل متاع الدنیا قلیل" (النساء: آیت ۷۷) انتہائی مختصر یہ اتنی قلیل ہے کہ حیات انسانی کا کوئی تناسب حیات کائنات کے ساتھ نہیں بنتا۔ کیا آپ کو اب بھی توقع ہے۔ میں نے کہا نا انسان Narcissist ہے۔ اپنے وجود کی لذت میں ڈوبا ہوا، اپنے آپ کو کائنات میں یکتا اور خدا کا محبوب سمجھتا ہے اور یہ تصور کرتا ہے کہ وہ سب کچھ تسخیر کرے گا۔ شاید اس چھوٹے سے کیمپ سمیت وہ یہ کام اپنے سائنٹفک علوم سے نہیں بلکہ خدا کے کرم سے اس زندگی کے بعد سرانجام دے سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا یہ وجود Perishable ہے۔ اس میں صرف ایک ملکی سی Permanent Silicon chip ہے جس کو آپ روح کہتے ہیں۔ وہ اتنی باریک ہے کہ حضرت آدمؑ کو تمام اولاد آدمؑ ان کی بقول حدیث ہتھیلی پر دکھائی۔ حضرت آدمؑ کا ہاتھ کتنا بڑا ہوگا، میرے دو ہاتھوں کے برابر ہوگا، بڑے قد کے تھے چلو مگر وہ کتنی ارواح ہوں گی، کتنے موٹے دانے ہوں گے جو ایک ہاتھ پہ دکھا دیئے گئے، اتنی باریک Specialized processed chip. ہے یہ روح کہ اس کو نکالتے ہوئے بھی بندے کو بہت تکلیف ہوتی ہے، حالانکہ بڑا لمبا آپریشن کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام چیزیں اور اس کا انفراسٹرکچر اور اس کا لوئر سٹرکچر بھی Destructable ہے۔ انسان ازلی نہیں ہے لیکن ابدی ضرور ہے، اب جہنم اور جنت کے دونوں مظاہر کے لیے وہ لمبی تیاری کر رہا ہے، وہ تسخیر عالم کے لیے نہیں آیا بلکہ صرف ایک سوال کا جواب دینے کے لیے آیا ہے۔ "انا هديناه السبيل اما شاكرا و اما كفورا" (الدھر: آیت ۳) دنیا سے گزر جائیں گے اور قبر کے دہانے پہنچیں گے

Its an Airport to the galaxy.

قبر کوئی چھوٹی سی جگہ تو نہیں ہے ادھر Galaxies ہیں جو Heaven کو جاتی ہیں ادھر Galaxies ہیں جو Hell کو جاتی ہیں۔ پاسپورٹ، آپ کے ہاتھ میں ہے "من ربک" کس کو پوجتے چلے آئے ہو، مادام ثریا تو جواب نہیں دے سکتیں۔ Impossible۔ بھئی کس کی سنیں۔ کوئی کہتا ہے میں نے اللہ کو مانا، اچھا اللہ کو مانا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ مانا، تم خدا کے ساتھ بھی پارٹی بازی کرتے آئے ہو، مجھے بھی الجھار ہے ہو پارٹی بازی میں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانا اور عیسٰیؑ کو نہ مانا، عیسٰیؑ کو مانا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ مانا، آپ کو یاد ہے، یہودی کہا کرتے تھے کہ ہمارا پیام بر تو میکائیل ہے، جبرائیل تو ہمارا دشمن فرشتہ ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ ایک یہودی کے قریب سے گزرے تو انہوں نے یہودی سے کہا او بد بخت، اللہ کے ایک فرشتے کو دوست بناتا ہے اور دوسرے کو دشمن بناتا ہے۔ یہ تو سب اللہ کی مخلوق ہیں اور سب ہمارے لیے ہیں۔ وہی حساب یہ ہے کہ جو یہود کہتے تھے۔ وہی اب بعد میں آنے والا کوئی کہے گا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نہیں ہیں، عیسٰی میرے ہیں۔ میں آپ کو ایک چھوٹا سا واقعہ سناؤں۔ I met a lady جس کو بارہ سال سے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس کا نام جوائیس تھا۔ اس نے مجھے کہا Can you help me میں نے کہا Yes I will do اس نے کہا How to do it میں نے کہا ایک شرط ہے۔ کہنے لگی کیا میں نے کہا

Whould you believe in my prophet to be a prophet.

میں نے کہا اپنے اوپر ایک احسان کرو جب میں تمہارا پیغمبر مانتا ہوں تو کم از کم تم اخلاقاً ہی میرا پیغمبر بھی مان لو۔ اس نے کہا نہیں نہیں میں تو سمجھتی ہوں

He was a prophet. After all these are two great religions.

کرسچنز ہیں۔ مسلمز ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ I don,t mind میں نے کہا

If you dont mind تو میں ایک تسبیح دے دیتا ہوں تو آپ یقین کرو پندرہ دن کے بعد اس نے کہا Professor look I am sleeping یعنی آپ دیکھیں میں خود بڑا حیران ہوا کہ وہ ذرا سی معمولی سی شناخت کے لیے بارہ سال سے جاگتی رہی۔ کیا شعر ہے کہ

لگتی نہیں پلک سے پلک جو تمام شب
کہ شعبدہ ہے اس نگہِ نیم باز کا

میں تو کہتا ہوں کہ ہم پر یہ دورِ حاضر کی تاریخ نازل ہو رہی ہے، جس میں یہ سوال بار بار اٹھتا ہے کہ وہ بڑے نیک لوگ ہیں۔ یہ بڑے اچھے کام کرنے والے ہیں۔ میرے نزدیک وہ لوگ توہین خداوند کے مرتکب ہوتے ہیں جو اللہ کے ایک پیغمبر کو مانتے ہیں اور ایک کو نہیں مانتے۔

عقیدے اور عمل کا ربط

سوال: اسلام عقیدہ اور اعمال کا نام ہے صرف عقیدہ کا نہیں آپ کی یہ بات کہ انسان اعمال نہ کرے اور مرتے وقت توبہ کرے تو یہ سراسر اسلام کے خلاف ہے اقبال بھی اس کے خلاف تھے؟

جواب: جی ہاں محترم آپ نے خوبصورت سوال کیا ہے مگر میرا خیال یہ ہے کہ اسلام میں جب بندہ داخل ہوتا ہے تو اس کا آغاز ہی نماز سے ہوتا ہے، روزے سے ہوتا ہے، پانچ ابتدائی کلمات سے ہوتا ہے۔ اس سے تو بہتر تھا آپ مجھ سے یہی پوچھ لیتے کہ آپ نماز پڑھتے ہو کہ نہیں پڑھتے مگر میں آپ کو بتاؤں میں نماز نہیں پڑھتا تھا مگر جب سے جستجو خداوند میں پڑا ہوں نماز کوئی قضا بھی نہیں ہوتی اور روزے رکھنے میں تو میں ویسے بھی متقی تھا یعنی جائز ہونے سے پہلے سے رکھتا چلا آیا ہوں۔

خواتین و حضرات! یہ بڑا ناقص نتیجہ ہے۔ میں جب بار بار آپ سے کہہ رہا ہوں کہ تصوف مذہب کی اکیڈمی کی آخری کلاس ہے۔ مذہب جو نماز اور روزہ سے شروع ہوتا ہے تو میں آپ سے سوال یہ پوچھ رہا تھا کہ وہ نماز اور روزہ آگے بڑھتے ہوئے مسلمان کو نماز اور روزہ سے زیادہ کیوں کچھ نہیں دیتا۔ میں کہہ رہا تھا کہ دنیا کے ہر علم میں ترقی ہے۔ ہر درسگاہ سے بلوغت ذہن والے لوگ نکلتے ہیں۔ آپ کے اسلام سے اب کوئی عبدالقادر جیلانی نہیں نکلتا، کوئی علی بن عثمان کیوں نہیں نکلتا، کیا Crisis ختم ہو گیا؟ کیا ایسے ختم ہو گئے؟ کیا قوم مسلم دنیا کی انتہا درجہ کی بلندیوں کو چھو رہی ہے کہ اب خدا کے کسی بندے کی ضرورت نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے Dogmatic Academics نے باطنی ضرورتوں پر توجہ نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہا نہیں کہ ظاہری گناہوں کے ساتھ ساتھ باطنی گناہوں سے بھی بچو۔ ہمارے علماء ظاہر نے کبھی باطنی گناہوں کی لسٹ بنائی ہے کہ یہ کون سے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ نماز اور روزہ کے علاوہ انسان منافق بھی ہو سکتا ہے۔ تصوف میں اور Academics کے علماء میں صرف ایک فرق ہے۔ علماء ظاہر، قول و فعل کے تضاد پر زور دیتے ہیں لیکن آج کل تو وہ بھی بات نہیں رہی ہے۔

اگر کوئی بہت نیک عالم ظاہر ہو گا تو وہ ہمارے قول و فعل کے تضاد کو ختم کرنے پر زور دے گا، وہ کہے گا، جو کہو وہ کرو (آیت) "لم تقولون مالا تفعلون O" (الصف: آیت ۲) قرآن کہتا ہے کہ وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو مگر ایک شخص ہر منزل مذہب کے دائرہ پیٹرن سے گزرنے کے باوجود بدترین منافق ہو سکتا ہے۔ کیا مدینہ میں منافق نہیں تھے؟ کیا مسلمانوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے؟ کیا جہاد کے لیے مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلتے تھے؟ اور رستے میں سے نہیں پلٹ آتے تھے؟ کیا قرآن نہیں کہتا صبح مذہب میں داخل ہوتے ہیں اور شام کو چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ کے پاس کوئی ایسا طریقہ کار نہیں کہ Dogmatic Religion میں منافق اور مخلص کو علیحدہ کر سکیں The law of mysticisim is little different اس کی بنیاد کو شرع کہتے ہیں حضرات گرامی آپ کہتے ہو "میں" یہ میں ہوں کون آپ کو یہ سوچنا پڑے گا میں ہوں کون۔ مجھے ایک شخص نے کہا علم الاسما کا کوئی اور استاد ہے تو میں نے کہا جب سے میں نے قرآن کے ان علوم پر تحقیق کی ہے صرف آٹھ سو سال پہلے شیخ محی الدین ابن عربی کا ستا تھا۔ تمام تکبرات تجاہل اور حماقت کا حصہ ہیں سوائے اس کے جسے ایک استاد اپنے شاگرد کو دیتا ہے۔ ایک استاد کو صرف یہ حق حاصل ہے کہ وہ شاگرد کو کہہ سکے کہ تو غلط ہے اور میں صحیح ہوں۔ علاوہ ازیں ہر قسم کا تکبر اور بڑائی ناروا ہے مگر جب ایک سفر سے آپ گزر رہے ہوں گے تو میں آپ کی مثال دوں گا جب کوئی دوسرا گزر رہا ہو گا تو میں اس کی مثال دوں گا یا جب میں پرانے لوگوں کی مثال دیتا ہوں تو میں اس لیے دیتا ہوں کہ مجھے ان لوگوں کے رستوں کا علم ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں تصوف میں شیخ سیدنا حجت الاسلام

محمد بن احمد الغزالی کو جانتا ہوں تو میں نے ان کا یہ قول پڑھا ہو گا کہ آخری چیز جو سینہ انسان سے نکلتی ہے وہ حب جاہ ہے، جاہ طلبی ہے، تعزز ہے اور جو شخص اس راہ سے گزرتا ہے اس کو اس بات کا اچھی طرح پتا ہے کہ

Acadamics are just the beginning.

I would only say لوگ ان چیزوں کی جو ابتدائے اسلام ہیں، Over stress کر رہے ہیں اور جو انتہائے اسلام ہیں، انہیں بالکل Ignore کر رہے ہیں۔ آپ نماز پڑھو۔ میں بھی پڑھتا ہوں، روزے آپ بھی رکھو میں بھی رکھتا ہوں مگر کیا یہاں مذہب ختم ہو جائے گا۔ Is that all کیا اسی وجہ سے وہ فراست مومن دیکھنے کی حسرت آپ کے سینے میں کبھی نہیں اٹھے گی پھر کیوں آپ مجذوبوں کے پاس جا رہے ہو، آپ کیوں ان ان پڑھ لوگوں پر یقین کر رہے ہو جو دھوکے باز اور دغا باز ہیں، ان کی مطابعت کیوں کر رہے ہو۔ کیوں آپ کی غیر معمولی ذہانتیں چھوٹے چھوٹے جاہلوں کے کرشاتی تسلط میں آئی ہوئی ہیں۔ کیا آپ میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اعلیٰ بصیرت کا حامل ہو اور خدا کی سچی طلب اور جستجو اس کے سینے میں ہو اور وہ اس زمانے کے چبھتے ہوئے بے شمار سوالوں کا جواب دینے والا ہو۔ اگر علماء میں کوئی ایسا ہوتا تو ضرور جواب ملتا اور اگر کوئی Mystic میں ہوتا تو زمانہ اسے ضرور جان پاتا۔

سیرت النبی ﷺ

خطاب ہائی کورٹ لاہور

اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا.

(الاسراءآیت ۸۰)

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفونOوسلم علی المرسلینOوالحمدللہ رب العلمینO

(الصافات آیت ۱۸۰،۱۸۱،۱۸۲)

اللھم صل علی محمد و علی ال محمد و بارک وسلم

خواتین وحضرات!

میں وہ تعریفات تو Justify نہیں کرتا جو اتنی ساری میرے حق میں کی گئیں۔صرف اس توقع کا اظہار کر سکتا ہوں کہ پروردگارِ عالم مجھے اس گمان پر پورا اتارے جو میرے احباب کا میرے بارے میں ہے۔ میں بہت شکر گزار ہوں ہائی کورٹ بار کا اور خصوصاً ان عہدیداران کا جنہوں نے مجھے یہ موقع فراہم فرمایا کہ میں اس ملک کے Elite اور ذہین ترین طبقے کے ساتھ، اور جو ماشااللہ گفتگو اور اندازِ گفتگو دونوں میں مہارت رکھتے ہیں، ان سے گفتگو کر سکوں۔خواتین وحضرات: سوادِ چشم انسان سے آج تک کوئی ایسا آنسو نہیں پھوٹا جو وقعت وعزت، میں اس اشکِ لرزاں سے بڑھ کر معتبر ہو جو خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد میں نکلتا ہے۔ایک بہت ضروری بات جو ہم سب کے لیے ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ کیا ہم عقیدت اور محبت میں سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ مرتبۂ علمیہ اور وہ مرتبۂ ذہنیہ تو بھولنے کی کوشش نہیں کرتے کہ جو شاید تمام دنیا میں انوکھا اور غیر معمولی نوعیت کا ہے۔ایک ایسا انسان جس کو اللہ ایک معمولی سا وصف عطا کردے، دو چار شعر تخلیق کرنے کی صلاحیت عطا کردے یا ایک اچھی انشاءپردازی کا وصف عطا کردے یا اس کو کسی آرٹ اور فن میں کوئی مہارت عطا کردے تو وہ پھولے نہیں سماتا۔ان لوگوں میں کتنا فرق پڑ جاتا ہے۔وہ معاشرے سے کتنے جدا ہو جاتے ہیں۔وہ لوگ کتنے عجیب وغریب سمجھے جاتے ہیں جن میں ایک آدھ وہ وصف جو عام لوگوں کا نہ ہو بلکہ ذرا خصوصی

ہوتو ان لوگوں کے انداز زندگی ہی بدل جاتا ہے۔ مگر یہ کیسی ہستیٔ مبارک ہے۔ جس کے کائنات کے سب سے بڑے غیر معمولی سائیکلنگ پری سائیکلنگ، Spiritual, Religious اوصاف بارشوں کے قطرات کی طرح ٹپک رہے ہیں مگر وہ ان تمام غیر معمولی کیفیات کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی مرتبت کی زندگی Absolute Absolute Normalcy میں ہے اور یورپ تو یہی کہتا ہے کہ Inconsistency is the virtue of genius مگر سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بتاتی ہے جہاں علم زیادہ ہوگا وہاں اعتدال بھی بے حدو حساب ہوگا۔ حضور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے علم کے بہت بڑے اصول نکلتے ہیں۔ دو بہت بڑے اصول جو ہماری نگاہوں میں آتے ہیں کہ اگر قرآن بہترین علم ہے اور یقیناً ہے تو اس کے Container کو دیکھنا پڑتا ہے اور لوگوں کے لیے جذب و سرور اور سرمدی کیفیتوں کو علم کا نشان سمجھتے ہیں۔ ان کے لیے نصاب ہدایت تمام ہے کہ اگر بہترین علم قرآن ہے تو اس کے Container کی Condition دیکھنا پڑتی ہے کہ کیا وہ علم کسی Sub-normal میں آیا۔ کیا وہ علم کسی abnormal میں آیا۔ مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی پر غور کرتے ہیں تو علم کا سب سے بڑا اصول جو ہمارے سامنے آتا ہے کہ جتنا علم بڑھے گا، جتنی شناخت بڑھے گی، جتنا ظرفِ انسان بڑھے گا اتنا اس کا اعتدال بڑھتا ہے اور یہ پہلا قانون ہے جو اللہ کے رسول کے توسل سے تمام اہلِ علم کو عطا ہوا کہ اگر تم نے دعویٰ علمیت کرنا ہے، اگر تمہارے پاس دعویٰ شناخت ہے، اگر تم واقعی Intellectual ہو مگر وہ فرق دیکھیے کہ دنیا کا ایک Top intellectual اس بات کی استدعا کر رہا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا چاہتے ہیں۔ پہلے اس بات کو دیکھیے کہ پروردگارِ عالم خود اس علم کا عطا کرنے والا ہے۔ رسول کو امی رکھا۔ دنیا کی کسی درسگاہ میں پڑھنے نہ دیا کہیں اور سے علم حاصل نہ کرنے دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام تر علم عطیۂ خداوندی تھا اس پر بھی یہ دعوت مستزاد فرمائی۔ "و قل رب زدنی علماً" (طٰہٰ: آیت ۱۱۴) اللہ کے نزدیک علم کی فوقیت کیا ہے اور اسلام سوائے مذہبِ علم کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں پروردگار فرماتے ہیں کہ ہم بڑی اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں کہ امانت علمیہ کہاں رکھنی ہے۔ اس سے پہلے خدا اہلِ یہود کے بلعم بن داؤد کی مثال دے چکا ہے کہ اگر علم والے خدا کے علم کے باوجود اگر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں تو ان کی مثال اس کتے کی طرح ہے جس کی آدھی زبان باہر اور آدھی اندر ہوتی ہے اگر قرآن میں کسی بندے کے بارے میں کوئی سخت مثال دی گئی ہے تو وہ اس عالم کے بارے میں ہے جو علم کو دنیا یے دوں کے لیے اغراضِ ذات اور مقاصد شہوات کے لیے استعمال کرتا ہے۔ ایک دنیا دار عالم کبھی بھی لالچ اور فساد سے سیر نہیں ہو سکتا۔ اس کے باوجود جب اپنے بندوں کو امانتِ علمیہ عطا فرمائی تو اس سے مراد وہ پیمبر تھے۔ وہ تواتر کے ساتھ خدا کی اس امانت کے حامل رہے اور انہوں نے لوگوں کے لیے علم اور شناخت پہنچائی مگر خواتین و حضرات! آپ کا کیا خیال ہے کہ پیغمبر کوئی عام سی چیز ہوتا ہے اور خدا نے جس کے نام قرعہ فال نکالا ہو اسے اس نے پیمبر بنا دیا ہو۔ ایسا بالکل نہیں ہے تمام زمانوں میں آپ نے دیکھا کہ اس نے آدم کی فضیلت علمیہ ملائکہ اور جنات پر کیسے صادر کی تھی۔ اس نے اوٹ پٹانگ Choice نہیں کی بلکہ بہت غور و فکر کے ساتھ اس ہستی کو اپنے علم اور امانت کا حامل چنا جس کو وہ جانتا تھا کہ وہ ذہنی اور عقلی اعتبارات سے ساری دنیا سے اس وقت بہتر ہے۔ اسی لیے جب ملائکہ نے اعتراض فرمایا اور جب اللہ نے کہا "واذ قال ربک للملئکة انی جاعلٌ فی الارض خلیفة" (البقرۃ: آیت

۳۰) میں آدم کو خلیفۃ الارض وساوات بنانا چاہتا ہوں تو ملائکہ نے یہ اعتراض کیا کہ یہ فتنہ وفساد کرے گا۔ ہم تو اسے Primate کی Age سے دیکھتے چلے آئے ہیں زمین پہ سوائے فتنہ وفساد کے انسان نے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ تو نگوڑا بدست جنگلی جانوروں کے طرح صرف قتل وغارت اور کشت وخون میں لگا ہوا ہے۔ تو اللہ نے کہا کہ چلو اس بات کا امتحان ہو جائے آپ کی ذہانتوں اور اس کی ذہانت کا امتحان ہو جائے۔ اس کی جبلت اور تمہارے شعور کا امتحان ہو جائے۔ ''وعلم آدم الاسماء کلھا'' (البقرۃ: آیت ۳۱) پھر آدم کو بھی اسماء بخشے اور Challengers کو بھی بخشے۔ ''ثم عرضھم علی الملئکۃ'' (البقرۃ ۳۱:) اے ملائکہ تم بھی لو۔ اے آدم تم بھی لو۔ دس ہزار سال لو۔ ایک دو Millenniums بھی لے لو اور پھر مجھے بتاؤ کہ تم نے میرے اسمائے الٰہیہ سے کیا اخذ کیا ہے۔ پھر وہ جب واپس حضور پروردگار آئے تو پوچھا ملائکہ سے کہ پہلے آپ کو فضیلت آدم پر اعتراض تھا۔ اب بتاؤ کہ علم میں کون بہتر ہے۔ کہ اے مالک کریم ''قالوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم'' (البقرۃ: آیت ۳۲) ہمیں یہ بات سمجھ آئی ہے کہ ہم تو Computers ہیں اور ہمارے پاس تو صرف Data ہے۔ اگر تو ہمارے اندر Data نہ ڈال دے، اور ہمیں نہ بتائے کہ ہمیں آگے اور کیا کرنا ہے یا پیچھے کیا چھوڑ آئے ہیں تو ہم کچھ نہیں جانتے کیونکہ ہمارے پاس Assimilations ہے اور نہ تجربات کی Continuity ہے۔ ہم ماضی کو نہیں جانتے ہیں اور ہم تو صرف آج کے لیے زندہ ہیں اور آج کے احکامات کو جانتے ہیں جو Data تو نے ہمیں Feed کیا، نہ پہلے ہمارے پاس ہے اور نہ بعد میں ہمارے پاس ہے۔ ''یا دم انبئھم باسمآئھم'' (البقرۃ: آیت ۳۳) اے آدم تو بتا تو نے ان اسماء کا کیا کیا۔ تجھے ایک تختی علم دی تھی، تو نے کیا کیا اس بحر طلسم کا۔ ''فلما انبئھم باسمآئھم'' (البقرۃ: آیت ۳۳) آدم نے فرفر سنایا سب نام اور شجرۂ نسب ہائے، واقعات بیان کیے۔ ماضی سے نکات اٹھائے اور حال میں استعمال کیے۔ اور مستقبل کے اشارات چھوڑ دیے تو اللہ نے تفاخر کا اظہار کیا۔ وہ اتنا صاحب قدرت تھا ملائکہ کو سزا اور جزا بھی دے سکتا تھا۔ مگر چونکہ علم سے بڑھ کر خدا کے نزدیک کوئی Value نہیں اللہ کے نزدیک تعلیم سے بڑا کوئی رتبہ نہیں جاننے اور پہچاننے کے سوا خدا کو انسان سے کوئی شے مراد نہیں اس لیے فرمایا کہ ان شر الدوآب عند اللّٰہ (الانفال: آیت ۲۲) میرے نزدیک بدترین انسان وہ ہیں الصم البکم الذین لا یعقلون (الانفال: آیت ۲۲) جو میری آیات کو غور وفکر، عقل وتدبر، علم ومنطق سے نہیں پڑھتے بلکہ اندھوں اور بہروں کی طرح سوچتے ہیں اور ایک Blind Faith پہ یقین رکھتے ہیں۔ ایسا Blind Faith جو ایک عالم فاضل بندے کی ضرب نہیں سہار سکتا، ایسا Faith جو تسکین کے صحرا میں اپنے وجود کا تشخص بنتا ہے ایسا Faith جو آج کل کے Secular نظام کا ایک طنز نہیں سہ سکتا۔ اللہ نے وہ مذہب آپ کو نہیں دیا۔ اس کے برعکس پروردگار عالم فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک درجات انسان علم پر ہیں۔ تعلیم پر ہیں، جانچ اور پرکھ پر ہیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ ''نرفع درجات من نشآء'' (یوسف: آیت ۷۶) جس کے چاہتا ہوں درجے بلند کرتا ہوں اور ''وفوق کل ذی علم علیم'' (یوسف: آیت ۷۶) اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔ خواتین وحضرات: غور فرمائیں یہ علم کی جنگ ہے زمانہ کبھی Materialism کی جنگ نہیں لڑتا اسباب کی جنگ نہیں لڑتا۔ وہ Toynbee کا Response اور Challenge کا Thesis ہو یا ہیگل کا Thesis of Dialectics ہو یا میکسم کے نظریات ہوں۔ Response اور Challenge

کے مابین آج اسلام کو جو Challenge آ رہا ہے، وہ Materialism میں نہیں ہے۔ لوگ جھوٹ کہتے ہیں کہ زمینی حقائق آسمانی حقائق کا مقابلہ نہیں کرتے ذرا غور فرمایئے دراصل آج کل آپ کی یونیورسٹیوں میں اہلِ علم، اہلِ دانش اپنا علم نہیں عطا کر رہے ہیں۔ یورپ کے Corridors کے یہ بھک منگے آپ کی یونیورسٹیوں میں ان کے علوم کے Agent تو بنے ہوئے ہیں مگر آج تک کسی ہود بھائی جیسے Cosmologist نے اپنی کوئی تھیوری پیش نہیں کی ہے۔ آج تک کسی Critic of Islam اور یورپ سے متاثرہ علوم کے ماہرین نے پاکستان آ کر بھی کوئی نظریہ سائنس Develop نہیں کیا۔ تاریخ سائنس اور تاریخ علم و ادب میں یہ لوگ تو مغربی فلاسفہ کے تو کئی نام Quote کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ علم بازاری Marketable شے ہے اور ہمارے اساتذہ اس کے بڑے اچھے Agent اور Sellers ہیں۔ اگر واقعی ان کا علم اتنا معتبر اور اعلیٰ تھا خواتین و حضرات اگر واقعی ہمارے طالبِ علم اتنا اچھا پڑھ کے یہاں آتے تھے تو پھر یہاں آ کر بھی کوئی کارنامہ اپنے طور پر سرانجام دیتے۔ کوئی ایسے علمی وقار کے حامل ہوتے۔ کوئی ایسی ایجاد کر دیتے، کوئی ایسا نو دریافت خیال پیش کر دیتے بلکہ They only appreciate۔ ان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں، ان کو یہ پتا ہی نہیں کہ اسلام علم کا مذہب ہے۔ خیرات کا مذہب نہیں ہے اور خواتین و حضرات غور فرمائیں کہ Russell کہتا ہے۔

We do not know the nature of things. we only know the relationship of things.

ہم نے مغرب کے جس فلاسفر کے اقوال اور خیالات پر ایک صدی نثار کر دی۔ ہم نے جس فلسفی کو علم و دانش کا امام قرار دیا مختصراً اس کے علم کا خلاصہ یہ ہے اور وہ خود کہتا ہے کہ

We do not know the nature of things. we only know relationship of things.

مگر ذرا ملاحظہ فرمایئے کہ پندرہ سو برس پہلے آپ کا رسول کتنی عجیب و غریب دعا مانگ رہا ہے کہ اے مالکِ کریم مجھے حقیقتِ اشیاء کا علم دے۔ آج کا مفکر، سائنس دان، آج کا بہت بڑا عالم یہ اقرار کر رہا ہے کہ ہمیں صرف اشیاء کے تعلق کا علم ہے۔ ہمیں حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں اور آپ کے پیغمبر پندرہ سو برس پہلے خدا کے حضور دعا مانگ رہے ہیں خدا کے حضور کہ اے صاحبِ حقیقت اگر مجھے علم عطا کرنا ہے تو حقیقتِ اشیاء کا علم عطا فرما۔ خواتین و حضرات! علم کا ایک اور دوسرا بڑا وصف بھی ہے۔ بڑے بڑے عالم اور دانشور اس وقت اپنی حقیقت کھو جاتے ہیں جب وہ دنیا سے الگ تھلگ اپنے نظریات کے حصار میں، اپنے خیالات کی بندشوں میں قید ہو جاتے ہیں اور ان کے ان خیالات کو جنہیں آپ Intellectual کہہ لیجیے یا Institutional کہہ لیجیے اس کا کوئی مفاد دنیا کے عمومی بندوں تک نہیں پہنچتا۔ ایسے لوگوں کو عالم نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے علم کا ایک اور بہت بڑا اصول سامنے آیا ہے کہ علم وہ ہے جو زیادہ سے زیادہ حقیقتوں میں ڈھل جائے، علم وہ ہے جو زیادہ سے زیادہ عوام کی فلاح اور بہتری کے لیے ہو، جس علم اور عمل کا Distance زیادہ ہوگا ایسا علم Schizophrenic میں ختم ہو جائے گا اور نہ اس علم کو قبولیتِ عام نصیب ہوگی اور نہ اس کو مفادِ عامہ سے کوئی واسطہ ہوگا۔ اگر آپ دنیائے کل میں غور کیجیے تو آپ کو صرف ایک ہی شخص ایسا نظر آئے گا جس

نے علم اور عمل کو ایک کر کے اسے وقار بخشا ہے یعنی

The closest co-relationship of knowledge and action

کی یہ صورت ہمیں رسول اللہ ﷺ کے علاوہ زمین و آسمان میں کسی اور استاد میں نظر نہیں آتی ہے کہ جو کہا وہ کیا جو اس سے سنا گیا، ویسے ہوا اور وہ اتنی عجیب و غریب حقائق کے پیمبر ہیں کہ اگر آپ یہ کہیں کہ ان کو کیا علم تھا اور کیا علم نہیں تھا تو میں مختصراً صرف یہ کہوں گا کہ یوں تو تمام انسان اللہ کے کنٹرول میں ہیں اور خداوندِ کریم نے قرآن حکیم میں فرمایا "ما من دآبۃ فی الارض "(ھود: آیت ۵۶) زمین پا ایسا کوئی ذی حیات نہیں ہے چاہے وہ آدمی ہو جانور ہو یا پرندہ، کوئی بھی ایسا نہیں "الا ھو اخذ بناصیتھا" (ہود: آیت ۵۶) جسے ہم نے اس کے ماتھے سے نہیں تھام رکھا۔ خواتین و حضرات جب ایک طویل تحصیل علم بعد میں بتائے گی کہ ماتھا جس کو اللہ نے اشارۃً استعمال کیا Forebrain کو کہتے ہیں جو اعلیٰ ترین خیالات احکامات اور فیصلے کرنے والا حصہ ہے تو پروردگار یہ فرماتے ہیں کہ "ما من دآبۃ فی الارض" ایسا کوئی ذی حیات نہیں ہے کہ جس پر ہم نے ایک Remote Control نہیں رکھا ہوا کیونکہ ہم نے ان سے اپنی مرضی کے کام کرانے ہوتے ہیں۔ ہم نے ان کو کہیں بھیجنا ہوتا ہے۔ کہیں اسے روکنا ہوتا ہے تو یہ تمام اختیارات ہم بڑی دور سے ایک Remote Control سے استعمال کرتے ہیں۔ "ان ربی علی صراط مستقیم" (ہود: آیت ۵۶) بے شک آپ کا رب ہمیشہ سیدھے راستے پر ہے اور وہ کنٹرول جو وہ Exercise کرتا ہے انسان کی بہتری کے لیے استعمال کرتا ہے مگر خواتین و حضرات یہ کنٹرول تھوڑا تھوڑا آگے بڑھتا ہوا پیمبروں میں ٹوٹل کنٹرول ہو جاتا ہے۔ ان کو کسی چیز کی آزادی اس لیے نہیں دی جاتی ان کو کسی لمحے کی فراغت اس لیے نہیں دی جاتی کہ ان کا کوئی عمل بحران تک رہے گا، تو ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسی تعلیم Issue ہو جائے، کوئی ایسا عملی نکتہ Issue ہو جائے جو انسانیت کے لیے کارآمد نہ ہو۔ غور فرمایئے کہ حضرت یونس بن متیٰ جب اپنی قوم کی طرف پیمبر بنا کے بھیجے گئے اور مدتوں تبلیغ فرمائی لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ بددعا دی اللہ نے قبول کی کہا اے یونس بن متیٰ صبح ہم سائبان کا عذاب نازل کریں گے، سرخ چمکتی ہوئی بجلیوں کے بادل آئیں گے اور تیری قوم کو تباہ کر دیں گے۔ حضرت یونسؑ وہاں سے نکل آئے اور ان کو بددعا دے کے آئے کہ اب تم میں سے کوئی بھی نہ بچے گا مگر جب یونسؑ نکل آئے تو ان کے کارخاص جو Second-in-command تھے وہ گلی گلی، کوچے کوچے پھرے اور کہا اے لوگو پیمبر کی بددعا سر پہ آ گئی ہے، سائبان تمہارے سر پہ کھڑا ہے۔ کوئی فرد تم میں سے نہیں بچے گا سوائے اس کے کہ تم توبہ کرو۔ اللہ سے پناہ مانگو۔ تمام شہر اپنے جانور اور بچے لے کر ایک کھلے میدان میں گیا۔ آہ و زاری کی۔ اللہ نے عذاب ٹال دیا۔ خواتین و حضرات حضرت یونسؑ بن متیٰ کو رستے میں پتا لگا کہ وہ جو بددعا دے کے آئے تھے عذاب تو نہیں اترا۔ ناراض ہو گئے۔ اللہ سے کہا کہ اے مالک میں تیرا پیغمبر تھا تو نے مجھ سے ہی تو بددعا کرائی تھی میں تبلیغ سے عاجز ہوا تھا۔ اب میری قوم کے سامنے میرا کیا وقار رہا۔ مجھے تو تو نے رسوا کر دیا، میں واپس نہیں جاؤں گا۔ پھر رستے میں واقعہ پیش آیا۔ مچھلی کے پیٹ میں گئے۔ پھر گرفتارِ بلا ہوئے۔ پھر ایک چھوٹی سی آیتِ کریمہ ان کو عطا ہوئی۔ اب دیکھیے بظاہر یہ غلطی لگتی ہے لیکن یہ انسان کی فلاح و بہبود برکت اور خیر میں کہاں تک جاتی ہے۔ اس اندھیرے، تاریکی اور بلا میں یونسؑ نے آواز دی۔ اے پروردگار "فنادی فی الظلمت ان لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین" (الانبیاء: آیت ۸۷)

You are perfect and you know that i am not perfect.

اگر اس آیت کا ایک Simple سا ترجمہ کیا جائے تو یونس بن متیٰ نے یہ آواز دی کہ اے مالکِ کریم

You are perfect, I am not perfect and you know that i am not perfect, i made a mistake, i am sorry.

خدائے کریم نے فرمایا ہم نے اسے غم سے نجات دی اور نہ صرف یہ کہ یہ ہمارے پیغمبر کا سادہ سا اندازِ تکلم اور اپنی غلطی کا کھلا اعتراف اتنا خوبصورت تھا کہ ہمیں پسند آیا اور ہم نے اس کلمے کی بدولت نہ صرف یہ کہ یونس بن متیٰ کو نجات دی بلکہ یہ ہمارا وعدہ رہا کہ کوئی مسلمان، کوئی صاحبِ ایمان ہم سے اگر اس انداز سے معافی مانگے گا ''لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین'' (الانبیاء: آیت ۸۷) تو تمام اہلِ ایمان کو اسی طرح معاف کر دیں گے۔ خواتین وحضرات! اگر شیطان کسی سے گناہ کرائے اور وہ شخص ندامت میں توبہ کرے اور پھر اس ندامت سے خدا کی مغفرت ہاتھوں ہاتھ لے اور بخشا جائے تو مجھے بتایئے کہ شیطان کو یہ واقعہ سستا پڑا یا مہنگا پڑا۔ وہ تو انسان کو گمراہ کرنے کے لیے بیٹھا ہے۔ وہ تو انسان کی بلا اور مصیبت میں Interested ہے جو انہیں اغوا کرنے اور سیدھے رستے سے ہٹا کر انہیں شکوک وشبہات کی پگڈنڈیوں پر ڈالنے کے لیے ہے۔ وہ ایسا گناہ کیوں انسان سے کرائے گا کہ جس کے بعد انسان معافیاں مانگیں گے۔ توبہ کریں گے اور توبہ تو انسان نے خود سے تو نہیں شروع کی۔ ''فتلقیٰ ادم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم'' (البقرۃ: آیت ۳۷) ہم نے ہی القا کیے آدمؑ کے سینے پر کلماتِ توبہ، ہم نے ہی اسے اندازِ انکسار سکھایا، ہم نے ہی اسے منکسر المزاجی دی، ہم نے ہی اسے بتایا کہ تکبراتِ ذہینہ کا علاج انکسار اور توبہ میں ہے۔ وہ ہماری طرف پلٹا اور ہم نے اسے معاف کر دیا۔ ہم اسی طرح تمام مومنین کو معاف کریں گے۔ خواتین وحضرات حضورِ گرامی مرتبت کی زندگی میں ایک Special Accomplishment ہم دیکھتے ہیں وہ پہلے کسی انسان نے نہیں دیکھے کچھ نہ کچھ تو اپنے نفس کی چاہت ہوتی ہے مگر اللہ کی ذاتِ گرامی کا اپنے پیغمبر پر اتنا ٹوٹل کنٹرول ہے کہ ان کی نیند آزاد ہے اور ان کا جاگنا آزاد ہے۔ ان کی نظر آزاد ہے اور نہ عمل آزاد ہے اور نہ ان کی خطا آزاد ہے۔ بہت سے لوگ جب احادیث پر اعتراض کچھ افعالِ پیغمبر پہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کو اس چیز کا علم نہ تھا۔ اس چیز کا علم نہ تھا۔ خواتین وحضرات! آپ جدید ترین Academic یونیورسٹیوں کے پڑھے ہوئے ہیں مجھے بتایئے کیا تمام علم Positive سے نکلتا ہے بہت سارا علم ایسا ہے جو Negative سے نکلتا ہے جو پرہیز سے نکلتا ہے جو کسی Experience کو Avoid کرنے سے نکلتا ہے۔ جو اس کے اثرات کو دیکھتے ہوئے اس کے نتائج کو مدنظر رکھے۔ جس شخص نے پہلے آگ سے ہاتھ جلایا ہوگا اسی نے اپنے ہاتھ کو بچایا ہوگا۔ تو بسا اوقات یہ غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں پیغمبر کبھی بھی خدا کے کنٹرول سے آزاد نہیں ہوتا وہ ہمیشہ ایک ایسی پاکیزہ اور لطیف روح کی طرح ہوتے ہیں۔ خواتین وحضرات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ان کے افعال، اعمال، ان کی علمیت اور ان کی رسالت میں کوئی فرق نہ تھا۔

By far there has never been another intellectual on earth

کوئی اتنا بڑا دماغ نہیں گزرا جس میں یہ Distance اتنے Co-related ہوں، اتنے قریب ہوں اور پھر یہ

دیکھیے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رہتی دنیا تک پیغمبر رہنا تھا تو رہتی دنیا تک ان کے معیارِ عقل کو سب سے بہتر ہونا تھا۔ آج کی دنیا میں اگر

If i am a high sceptic, if i am a philosopher,if i am a secular

تو مجھے یہ لازم تھا کہ میں یہ دیکھنے کی کوشش کروں کہ میں اس پیغمبر کو کیسے مان سکتا ہوں جو میرے لیے Data سے بھی کم تر ہو۔ میں اس پیمبر کو کیسے پیمبر مان سکتا ہوں جس کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ یہ Information میرے لیے Intellectual Calibre سے بھی کم ہے۔ میں اسے کیسے پیمبر مان سکتا ہوں مگر آپ غور کیجیے کہ آپ ان کے اصلی علم کی تو بہت دور کی بات ہے میں آج تک وہ دعا بھی اتنی Comprehensively نہیں مانگ سکا جتنی میرے پیغمبر نے پندرہ سو برس پہلے مانگی تھی اللھم اجعل صبراً "اے اللہ مجھے صبر عطا فرما" وجعلنی شکوراً "اے اللہ مجھے اپنی یاد والا بنا" مجھے میری نگاہ میں ہمیشہ چھوٹا رکھ مجھے میری نگاہ میں عزت وحرمت بخش۔ اگر چھوٹا سا ٹکڑا جو ہے اور مجھے میری خلق کی نگاہ میں چھوٹا رکھ۔ پروردگار عالم اس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لہجہ اتنی Maturity ہے۔ اتنا بڑا Brain، اتنا بڑا ذہن کہ ایک چھوٹی سی دعا میں وہ پوری زندگی کی Complications کو سمیٹے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ اگر آپ نے زندگی میں کوئی بھی دعا نہ مانگی ہو تو آپ بڑی کوشش کر کے سمیٹیں گے اس لہجے اور خیال کو کہ کوئی ایسی دعا ہو کہ اس دعا کے مانگنے کے بعد مجھے کسی اور دعا کے مانگنے کی حسرت نہ رہے۔ تو فرمایا "اللھم احسن عاقبتنا فی امور کلھا واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الآخرۃ" (مسند احمد) اے پروردگار میرے تمام کاموں کا انجام بہتر بنا دے اور مجھے دنیا کی رسوائی اور عذاب آخرت سے بچا۔ خواتین وحضرات آخر ایک دماغ ہے اس کے اندر It is not a simple fact. اس ذہن کو دیکھیے جو وہ دعائیں آپ کو عطا کر رہا ہے۔ اور دوسری طرف وہ ذہن ہے جس کو الفاظ کے انتخاب پورے نہیں آتے اور اپنی اعلیٰ ذہانتوں کے باوجود آپ کی رہنمائی نہیں کر سکتا، ذخیرۂ الفاظ کے باوجود اسے اختصار نہیں آتا اور علوم کی بہتات کے باوجود اسے اعجاز نہیں آتا مگر یہ کیسا Mind ہے کیسا Brain ہے جو حقائق دنیا کی بھی خبر دیتا ہے اور حقائق آخرت کی بھی۔ اگر پروردگار عالم یہ کہے الا یعلم من خلق کہ بھئی تم کیا سمجھتے ہو کہ مجھے اپنی تخلیقات کی خبر نہیں آپ کا خیال یہ ہے کہ اکیسویں صدی کی مجھے خبر نہیں۔ میں تو ابتدائے کائنات کی خبر دیتا ہوں۔ تمہارا خیال ہے کہ بیچ میں جو کچھ ہو گا مجھ سے اوجھل ہے۔ میں ایسا خدا ہوں کہ دوسروں کا مالک ہوں۔ جب دنیا اپنے زور پر چلتے ہوئے انجام تک پہنچے گی تو وہاں مجھے کھڑا پائے گی۔ مجھے بیچ کی کوئی خبر نہیں

سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

اگر وہ ایک آیت میں یہ کہے کہ "اولم یر الذین کفروا ان السموات والارض" (الانبیاء: آیت ۳۰) How dare you deny me تو یہ انکار کیسے کر سکتے ہو

In the beginning Heavens and earth were one mass, then I forcibly tore them apart.

یہ تمام کائنات پہلے ایک وجود تھی۔ قرآن میں اللہ نے کہا کانتا رتقا ففتقہما چیر کے پھاڑ دیا۔ اس کو جبراً ایک دوسرے سے جدا کیا، اس کے ٹکڑے ٹکڑے کیے "وجعلنا" اور پیدا کیا "من الماءِ کل شیءٍ حیّ" (الانبیاء: آیت ۳۰) اور میں نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا۔ یہ تو ابتداء تھی ایک حیاتیات کی ابتداء ہے۔ ایک کائنات کی ابتداء ہے اور یہ پھر فرمایا "اذا الشمس کورت" (التکویر: آیت ا) مجھے اس ساعت کی بھی Calculation ہے جب میں سورج کو لپیٹ لوں گا۔ ستارے ماند پڑ جائیں گے۔ "القارعۃ ما القارعۃ O وما ادرٰک مالقارعۃ" (القارعۃ: آیت ا-۲) یہ قیامت یہ زلزلہ عظیم یہ کھڑکھڑانے والی شے یہ تم پر حادثۂ کرب وبلا ضرور آنے والا ہے۔ یہ تمہارا انجام ہے اس انجام تک جانا ہے تم Secularist ہو چاہے تم مسلمان ہو یا کچھ اور ہو۔ تمہیں اس انجام تک ضرور پہنچنا ہے۔ خواتین وحضرات سوال پیدا یہ ہوتا ہے کہ کیا آج کا ہارورڈ، کیمبرج کا، آکسفورڈ یا قائداعظم یونیورسٹی کا طالب علم معمولی سا حیاتیات اور کائنات کا علم جاننے کے بعد کیا یہ گمان کرے گا کہ اب اس نے علم حاصل کر لیا ہے یہ گمان کرے گا وہ اپنی دانست میں قدرتِ خداوند سے آگے نکل گیا ہے۔ ایسا امکان صرف جہلاء ہی کر سکتے ہیں اور یہی قرآن حکیم میں اللہ ان سے کہتا ہے۔ اگر تم جانتے ہوتو یہ کبھی نہ کہنا کہ زمانہ ہمیں زندہ رکھتا ہے اور زمانہ ہمیں مارتا ہے اور اس سے آگے کوئی ایسی حقیقت نہیں جس کا ہم نے سامنا کرنا ہے۔

خواتین وحضرات جس اللہ کے علم کا یہ عالم ہو اس کے پیغمبر آخر کو کچھ تو شناخت ہوگی ان زمانوں کی شناخت تو ہوگی، ان وقتوں کی شناخت تو ہوگی جو آگے آنے والے ہیں تو پھر ملاحظہ فرمایئے بہت کم آپ نے یہ حدیث سنی ہوگی۔ بہت کم۔ یہ وہ احادیث ہیں جو Normally اس لیے نہیں کہی جاتیں اور جانی جاتیں کہ ان کا کوئی براہ راست واسطہ اختلاف سے نہیں آپ کو پتا ہے ہمارے علماء عموماً وہ احادیث اٹھاتے ہیں جس سے ایک دوسرے سے لڑائی ممکن ہو سکے تو چونکہ اس حدیث کا کوئی اس قسم کا واسطہ نہیں ہے اس لیے اس حدیث کو Pick نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو سوال اوپر تلے آئے اور پوچھا گیا سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ تخلیق کائنات سے پہلے اللہ کیا کر رہا تھا۔ "فرمایا اس کا عرش پانی پر تھا۔ پھر تخلیق حیات سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا اور مختصراً اس کا مطلب یہ ہوگا خدا اس وقت پانی پہ کام کر رہا تھا اور تمام تخلیق کو پانی سے پیدا کر رہا تھا" تو پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا زمین وآسمان بنانے سے پہلے کہاں تھا جب یہ ستارے نہیں تھے۔ چاند نہیں تھے، سورج نہیں تھے Galaxies نہیں تھیں کوئی کچھ بھی نہیں تھا تو اس وقت اللہ کیا کر رہا تھا Gases میں تھا۔ اس وقت وہ ایسے پانی ایسے دھوئیں میں تھا جس میں پانی ملا ہوا تھا۔ اس وقت اس کے اوپر بھی ہوا تھی اور نیچے بھی ہوا تھی اس وقت پوری کائنات میں کچھ بھی نہ تھا سوائے ہوا کے اور ہوا کو اللہ تعالیٰ نے نفس سے فرمایا اور ایسا پانی، ابن عباس نے کہا جس میں گیس اور پانی ملی ہوئی ہوا میں سے۔ اگر آپ تھوڑا سا غور کیجیے ابھی تو انسانوں نے حقائق کی تعلیم شروع کی۔ خواتین وحضرات یہ کہ ہم مغربی جستجو سے ناکارہ ہیں بلکہ جب ہم قرآن حکیم کے معیار دیکھتے ہیں تو پتا یہ لگتا ہے کہ مسلمانوں نے صرف ان Corridors میں عقیدتیں جمع کی ہیں۔ انہوں نے اپنا تو کچھ نہیں کیا مگر جب ہم کوئی قرآن کی وضاحت چاہتے ہیں جب اللہ کی کتاب کی وضاحت چاہتے ہیں۔ میں یہ بات بالکل آپ پہ واضح کردوں کہ قرآن کتاب تخلیق ہے اور سائنس کتاب تحقیق ہے۔ ان دونوں کا آپس میں کوئی As Such

واسطہ نہیں سوائے اس کے کہ

Sciences are there to explain the ultimate world of God.

اور جس شخص نے قرآن توجہ سے نہیں پڑھا اور تحقیق اور جستجو سے نہیں پڑھا وہ محض اس کا قصور ہے کہ اس کو یہ نہیں پتا کہ قرآن میں کیا حقائق درج ہیں اور کس دور کے حقائق درج ہیں اگر ایک معمولی سی حدیث ہے اگر آپ اس کو سمجھنے بیٹھیں تو آپ کو اس زمین و آسمان سے پرے ان Cosmologists کے ان Thesis سے واسطہ پڑتا ہے کہ جو آپ کہتے ہیں کہ

Before the building of the Cosmos, before that the stars come into existance, before that whole of the universal system came into existence there were clouds, there were moisturized gases.

ان کی تشریحات شروع ہوئیں۔ اور پھر حیرت یہ نہیں ہوتی کہ Sciences کتنی آگے نکل گئی ہے۔ خواتین و حضرات انصاف کرنا پڑتا ہے۔ انصاف یہ کرنا پڑتا ہے کہ پندرہ سو برس پہلے کون سے ایسے Sophisticated Instruments تھے کون سی ایسی Greeks کی کتابیں موجود تھیں کون سے فضلائے روم کے حقائق موجود تھے، کون سے ایسے دانشور موجود تھے جن کو ان حقائق کا علم تھا۔ خواتین و حضرات! علم بہت محدود تھا۔ Greeks کی محنت سے علم میں دو چار اصول ضرور قائم ہو گئے تھے۔ علم الابدان میں Roman's کی محنت سے چند اصول ضرور بن گئے تھے تو حکایت یونان میں سے ایک حقیقت جو حکیم بطلیموس نے پیش کی تھی۔ Ptolemy نے کہا تھا کہ

Earth is stationary and the stars are revolving around it.

یہ بات ماضی بعید کی ہے اور پھر قرآن کے آنے کے بعد کاپرنیکس نے جو Thesis دیا تھا تو اس نے کہا

In fact, Ptolemy was wrong. The Sun is stationary and the most of the stars are revolving arowd.

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بطلیموس اور طوسی کے درمیان قرآن اور PTOLEMY آیا اور دیکھنا یہ چاہیے اگر لوگ یہ کہیں کہ قرآن پچھلے علوم کو قطع کرتا ہے تو اصولاً قرآن کو بطلیموس کی بات Copy کرنی چاہیے تھی اگر یہ کہیں کہ بہت بڑا کوئی Psychopath تھا۔ اور اگر اس نے قرآن میں کچھ حقائق اکٹھے کیے تو Maximaum Best اس کو کوپرنکس کی بات نقل کرنی چاہیے تھی مگر قرآن ایسی بات نہیں کرتا۔ قرآن بالکل Different بات کرتا ہے۔ "وسخر الشمس والقمر" (الزمر: آیت ۵) چاند، سورج، ستارے سب ہم نے مسخر کیے ہیں اور ان تمام کائناتی چیزوں کا ایک اصول ہم نے وضع کیا۔ وہ اصول کیا ہے۔ "کل یجری لاجلِ مسمیً" تو یہ تمام چل رہے ہیں ایک وقتِ مقرر تک۔ نہ صرف یہ کہ یہ تمام وقتِ مقررہ تک چل رہے ہیں بلکہ "کل یجری لاجلِ مسمیً" ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔ جوش نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ

ہم ایسے اہلِ نظر کو ثبوتِ حق کے لیے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

مگر خواتین و حضرات میں سمجھتا ہوں کہ جس کے پاس تھوڑا سا علم کا انصاف ہے، عقل کا انصاف ہے جو اپنے آپ کو کسی بھی پایۂ اعتدال اور میزان پہ رکھتا ہے جو کسی بھی Prejudice سے خالی ہے۔ رب کعبہ کی قسم کہ قرآن کی صرف ایک آیت ہی اس کے ایمان کے لیے کافی ہے۔

Otherwise they will have to find reasons, otherwise they will have to tell me and you. They will have to find the reasons.

کہ آخر کیا Source تھا اس علم کا اتنے Exact علم کا آخر کیا Source تھا۔ ان کو ثابت کرنا پڑے گا کہ کون سا ایسا نفسیاتی عارضہ ہے جو رہتی دنیا تک علوم کی اتنی Exact شناخت کرسکتا ہے۔ ان کو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ ایسے آثارِ علم موجود تھے جس کی وجہ سے قرآن نے ادھر سے یہ چھینا ادھر سے وہ لیا۔ ادھر سے وہ مانگا اور یہ کتاب مرتب ہوئی۔ پیغمبر کے ہاتھ سے ایسی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ ایک معمولی سی بات آپ کو بتا دوں کہ قرآن فہمی کے لیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی سمجھنے کے لیے تھوڑے سے زیادہ علم کی ضرورت ہے۔ ایک چھوٹی سی مثال آپ کو دوں۔ غلام احمد پرویز بھی اور برق بھی اور بہت سارے ایسے مفکرین ہیں جو اسلام میں شاید اقلیت کی ابتدا کر رہے تھے دانشوری کے مراحل طے کر رہے تھے۔ انہوں نے چند حدیثوں پر اعتراض کیے اور اعتراض بڑی بڑی احادیث پہ کیے لیکن میں ایک حدیث، آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ ضرور بتانا چاہوں گا۔ جہاں مفکرین عصر حاضر کی کم علمی حائل ہے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابوذرؓ پتا ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے۔ فرمایا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ ہم میں تو انکسارِ علم اصحاب کے درجے کا بھی نہیں آیا وہ اتنے شریف اور اعلیٰ درجے کے علمی لوگ تھے کہ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو کہہ دیتے تھے کہ خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتا ہے۔ And we insist کہ ہم زیادہ جانتے ہیں اور ضرور کوئی نہ کوئی بات احمقانہ حد تک ہم جانتے ہیں۔ تو پوچھا اے ابوذرؓ تمہیں پتا ہے یہ سورج کہاں جاتا ہے۔ فرمایا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ ارشاد ہوا ابوذرؓ آسمانوں کی بلندیوں یعنی عرش پہ جاتا ہے پھر وہاں سے اسے پلٹنے کا حکم ہوتا ہے اور یہ پلٹتا ہے۔ ایک دن آئے گا کہ جب اس کو پلٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا یہ مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ اس حدیث میں خواتین و حضرات بے شمار اعتراضات آئے اور اعتراضات Secular فلسفیوں کی جانب سے آئے۔ اب دیکھیے اس وقت تک جب یہ حدیث تھی اور سورج کی Movements محدود نہیں تھی اور یہ آج تک بہت سارے لوگ اتنی سنجیدگی سے تو نہیں پڑھتے اور ان کو کچھ پتا بھی نہیں تھا کہ ایک علم ہمارے پاس تھا وہ بھی Movement of the sun کا تھا مگر جب تحقیق علم ہوئی تو پتا یہ چلا کہ سورج ڈیڑھ سو میل Per Second کی رفتار سے Upper Galaxy تک مع اپنے ستاروں کے Move کرتا ہے اور جس مقام پر جاتا ہے اس کا نام ہی انہوں نے Solar Apex رکھا ہوا ہے۔ اگر آپ تھوڑا سا غور کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سورج عرش تک جاتا ہے اور Apex کا اس سے بہتر ترجمہ کوئی نہیں ہے۔ خواتین و حضرات! پیشتر اس کے کہ ہم زبانِ اعتراض دراز کریں ہمیں کم از کم کچھ دیر رک کے یہ جانچنا چاہیے پرکھنا چاہیے۔ اب بتائیے اگر قولِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم Discard کریں گے۔ ابھی

میرے ایک بڑے دوست نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے کہ اللہ کا یقین کس چیز پر ہے اللہ کے یقین اور واحد اعتبار کی آیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس لیے کہ خدا کے کلام اور نظام کی بنیاد صرف ایک قول رسول پر ہے۔ صرف۔ اور وہ قول رسول یہ ہے ذرا خود غور کر کے بتایئے کہ محمد ﷺ اللہ کے ہاتھ میں کس درجہ کنٹرول میں ہوں گے کہ جس سے حضرت گرامی کی چالیس برس کی زندگی کو Particularly ایک ایک Angel کی وساطت سے Watch کیا گیا تاکہ ان کی زبان مبارک سے مذاقاً بھی کھیل کود اور مشغلے میں بھی ایک ذرہ برابر جھوٹ نہ نکلے کیونکہ ان کی زبان مبارک سے نکلا ہوا کلام بندگانِ خدا کے لیے کلام خدا کا درجہ رکھتا ہے اور سب اس پہ اعتبار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن کی صداقت کا کوئی اور ثبوت نہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائیں کہ یہ قرآن ہے تو اس کے علاوہ قرآن کی صداقت کا کوئی ثبوت نہیں بہت سارے لوگ اس بات پر کہتے ہیں کہ قرآن کی زبان بڑی اچھی ہے یقیناً اچھی ہوگی لیکن خواتین و حضرات! ہمیں کیا پتا عربی کیا شے ہے۔ ہمیں کیا پتا کہ وہ انداز بلاغت کیا ہے۔ ہمیں اگر کچھ پتا ہوگا تو اپنی پنجابی زبان اور اردو کے متعلق پتا ہوگا کہ یہ ہمارے آس پاس بولی جاتی ہیں۔ ہم زبان کے اعتبار سے کسی طور بھی قرآن کی گواہی نہیں دے سکتے کیونکہ ہمارا اس کی زبان سے گہرا تعلق نہیں ہے علاوہ ازیں کوئی انسان اس بنیاد پر بھی قرآن کو قرآن نہیں کہہ سکتا کہ اس کی Language ،Different ہے۔ ہمارے پاس صرف ایک دلیل ہے کہ قرآن اس لیے اللہ کا کلام ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ بات میری نہیں میرے خدا کی ہے۔ اگر وہ اسے اپنی Own کر رہے ہیں تو وہ حدیث ہے اور اگر اسے خدا سے منسوب کریں تو وہ قرآن ہے اور خواتین وحضرات یہ Prophethood کے بغیر نہیں ہے۔ یہ Prophethood کے ساتھ ساتھ شہادت سفر علم بھی ہے۔ وہ سفر علم جو آدم سے شروع ہوا اور وہ قرآن جو جستہ جستہ پہلے پیغمبروں کو عطا کیا گیا۔ ایک ایک آیت کی صورت میں ان میں بانٹا گیا اور قرآن سے پہلے بھی قرآن اترا اور تمام پیغمبروں پر اور حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ نے کہا کہ میں آپ کوئی کتاب نہیں دے رہا۔ میں آپ کو اب مکمل کتاب دے رہا ہوں اور ساتھ ساتھ اس کتاب کی حفاظت کی یقین دہانی بھی کرا رہا ہوں۔ کیونکہ اب کسی اور پیغمبر نے نہیں آنا۔ اب کوئی شخص خدا کی طرف سے شہادت دینے نہیں آئے گا۔ اس لیے تمہاری صداقت اور امانت قیامت تک لوگوں کے لیے سند رہے گی کہ میں اللہ ہوں، قرآن میرا کلام ہے اور تُو میرا رسول اور آپ کو معلوم ہے کہ جنت اور دوزخ کی تقسیم میں ایک فرق ہے۔ جنت اور دوزخ کا حصول اعمال پر نہیں ہے۔ خواتین وحضرات اس لیے کہ اس کا تعلق علم سے ہے۔ خدا پر اعتبار اور رسول پر اعتبار عمل سے نہیں علم سے تعلق رکھتا ہے اور اگر آپ کا علم ناقص ہوگا تو چاہے آپ کے اعمال کیسے ہی کیوں نہ ہوں آپ خدا کی بخشش کے حقدار نہیں ہو سکتے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کچھ ایسا کام بتایئے کہ اس کے بعد مجھے کسی اور سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے فرمایا اللہ کو اللہ جان اور ایک جان اور اس کی عبادت کر اور لا الہ الا اللہ کہہ۔ اور پھر اس پر استقامت سے قائم رہ پھر اس میں کوئی دوسری ملاوٹ نہ کر، جہاں تک شریعت کا تعلق ہے خواتین وحضرات شریعت صرف ایک پاکیزہ فضاء Create کرتی ہے۔ ایک ایسی سوسائٹی، ایک ایسا ماحول، ایک ایسا قانون، ایک ایسا انداز زندگی جس کی بنیاد پر کچھ ایسے لوگ پیدا ہو سکیں جن کی انتہا شاید کسی خدا شناس پر ہو، کسی اللہ کے ولی پر ہو، کسی پیغمبر پہ ہو مگر جب Secular وراثت ہی ہمیں یہ کہتی ہے کہ ہاتھ کاٹنا غلط

ہے تو خواتین وحضرات! اگر واقعی ہاتھ کاٹنا غلط ہے، یہ سزا غلط ہے۔ لیکن رب تک کیا کسی Secular Society میں خواتین وحضرات! میں آپ سے Question پوچھ رہا ہوں کیا امریکن اور برٹش سوسائٹی نے اپنے اعلیٰ ترین Legal تفکرات کے ساتھ ہمیں کوئی ایسا System دیا ہے کہ جس سے جرائم کی تعداد کم ہوئی ہو؟ کیا کوئی ایسا نظام Replacement دیا ہے؟ یہ جو ہر وقت اسلام اور اس کے نظام پر تنقید کی جاتی ہے۔ یقین جانیے میں رب کعبہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ میں امریکن لا جوڈیشل سسٹم کا ضرور قائل ہو جاتا مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کے بہترین سسٹم کے باوجود دنیا میں سب سے زیادہ Crimes امریکہ میں ہو رہے ہیں۔ جبھی کسی نظام کے حوالے سے Replacement دو گے تو ہم مانیں گے نا۔ آپ ہمیں Replacement دو نا! کیا آپ ہمیں جاہل مطلق سمجھتے ہیں؟ کیا مسلمان اتنا ہی احمق اور بے وقوف ہے کہ اپنے نظام کو کسی کم تر اور بدتر نظام کے لیے چھوڑ دیں اگر آپ کو اپنے نظام کے بہتر ہونے کا دعویٰ ہے اور اگر آپ کہتے ہیں ہم بڑے مہذب ہیں۔ تو ہمیں آپ بتائیے کہ پندرہ اور اٹھارہ سال آپ نے قتل کی سزا معطل کر رکھی۔ اور کہا کہ قتل کرنے اور مارنے کی سزا نہیں ہونی چاہیے لیکن پھر میئر نے نیویارک میں دوبارہ Death Penalty شروع کر دی ہے اس کا مطلب ہے They failed لہٰذا آپ نے جو نظام چنا تھا اور آپ نے اگر کم از کم دس ہزار مفکرین اور psychologists جرائم پیشہ افراد کی اصلاح کی لیے جمع کر لیے لیکن آپ ہمیں نتائج بتاؤ تاکہ اتنی زیادہ اصلاح اور اتنی زیادہ مروتوں کے بعد جرائم پیشہ نے آپ کو بخش دیا۔ اتفاق دیکھیے اس وقت دنیا کے بدترین جرائم پیشہ لوگ امریکہ اور یورپ میں ہیں اور دنیا کی سب سے بڑی Crime Average جو ہے امریکہ کی ہے کیا ہم اس وجہ سے تمہارا نظام اختیار کر لیں کہ ہمیں اپنے جرائم پیشہ کی تعداد بھی مقابلتاً اب کم لگتی ہے اور کیا ہم اس میں زیادتی کے خواہش مند ہیں۔ یہ قوانین Replace نہیں ہو سکتے۔ خواتین وحضرات قرآن حکیم کہتا ہے کہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جو تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے ہٹ جاؤ۔ مسئلہ یہ ہے کہ آج تک دنیا کے کسی نظام نے اپنے اندر مداخلت پسند نہیں کی یعنی آج تک یہ نہیں ہوا کہ Communism نے کسی قسم کی مداخلت اپنے اندر برداشت کی ہو۔ Capitalism نے کسی قسم کی مداخلت اپنے اندر برداشت نہیں کی۔ کوئی بھی نظام دنیا کا اپنے اندر مداخلت برداشت نہیں کرتا اس لیے کہ کسی سسٹم کی تمام کڑیاں مل جل کے اس نظام کے فوائد مرتب کرتی ہیں۔ اگر ساری دنیا کے نظام میں ایک Social Security System ہے تو اسلام میں دو Social Security System ہیں۔ ایک زکوٰۃ کا ایک صدقات کا مگر یہ زکوٰۃ وصدقات اس وقت نافذ العمل ہوں گے جب ان کے ساتھ نظامِ عدل بھی وابستہ ہوگا۔ جب ان کے ساتھ دوسرے بھی Islamic Systems آ کے جڑیں گے تو یہ دنیا کا سہل ترین نظام ہے۔ اس کے پیچھے نظامِ خدا کی ایک گارنٹی ٹھہری ہے کہ "ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ" (طٰہٰ: آیت ۲)۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے تجھے جو نظام دے کر بھیجا اس میں کوئی مشقت نہیں لیکن یقین جانیے کہ قرآن Warn کرتا ہے کہ تم نماز پڑھ لیتے ہو اور صدقات چھوڑ دیتے ہو۔ تم یہ سود رکھ لیتے ہو اور تمہیں یہ نہیں پتا کہ سود کس System سے ختم ہوتا ہے۔ تم لوگوں نے کارکردگی کے معیار ایسے ناقص رکھ لیے ہیں کہ تم خدا کے احکامات سے نت نئے بہانے ڈھونڈتے ہو۔ ایک بات اچھی طرح سن لو "یاایھاالذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ" (البقرۃ: ۲۰۸) اگر تم نے اسلام کا فائدہ اٹھانا ہے۔ اگر تم

نے اسلام کا اور میرے رسول کی دی ہوئی اس نعمت کا فائدہ اٹھانا ہے تو تمہیں پورے کا پورا یہ نظام لانا ہوگا۔ لولا لنگڑا اور Bypass نہیں لا سکتے۔ ہاں ایک دفعہ سے پورا پورا لے آؤ۔ پورے نظام اسلام کو نافذ کرلو اس کے بعد مجھ سے آ کے گلہ کرنا کہ اسلام Decadent ہے، پرانا ہے، کمزور ہے اور معاشرے کی ترقی میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے۔ یہ کر رہا ہے وہ کر رہا ہے۔ خواتین و حضرات یقین جانیے کہ کون سا ایسا قانون آپ کو ملے گا جس کے نتیجے میں آپ اپنے معاشرے، تمدن اور زندگی کو آسان، دلکش، اور خوبصورت بنا سکتے ہیں۔ اسلام ایک امن پسند، انسان دوست اور ماڈرن نظام دیتا ہے۔ لیکن اسلام میں جس قدر ایک اعلیٰ نظام ہے، اس کی ایک بدبختی بھی ہے کہ اس کو ہمیشہ غلط انداز اور بری نیت سے پیش کیا گیا اور مکروہ سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک اس نظام کے مقاصدِ جلیلہ اور ثمرات عوام کی بہتری اور فلاح و بہبود کے لیے عام نہ ہو سکے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی نہایت لذیذ ترین چیز موجود ہو اور اس کا ذائقہ اور مزا آپ کی کمزوری بھی ہو اور دینے والا اگر اس چیز کو اگالدان میں ڈال کر آپ کو پیش کرے تو آپ کا کیا حشر ہو گا۔ یہ تمام عالم، یہ تمام دانش، یہ تمام مذہب اگالدان میں پڑا ہوا ہے۔

We must check up our credentials.

میں آخر میں آپ کو عدل کی ایک چھوٹی سی بات بتاتا ہوں۔ کیا جو پہلے لوگ تھے وہ مناصب کے حریص نہیں تھے؟ اگر سنتِ پیمبر نہیں تو سنتِ انصاف کیوں ادا کرتے ہیں۔ ایسے علماء جو سرکارِ رسالت مآب کی سنت پہ چلے تھے۔ یہاں کے انصاف کا کچھ اور ہی قرینہ تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہ کو جب خلیفہ نے کہا کہ ہم آپ کو قاضی القضاۃ بنانا چاہتے ہیں تو امام نے کہا میں نہیں بن سکتا مجھ میں اہلیت نہیں ہے۔ تو خلیفہ نے بلایا اور امام سے کہا تم جھوٹ بولتے ہو۔ تو امام نے کہا ہاں میں بولتا ہوں۔ اب تو ظاہر ہو گیا ہے کہ میں جھوٹ بولتا ہوں لہٰذا جھوٹ بولنے والا کیسے Chief Justice بن سکتا ہے۔ اس بات سے خلیفہ وقت زچ ہو گیا اور اس کے نتیجے میں امام اعظم کو اس نے جیل میں ڈال دیا اور جیل ہی میں ان کی وفات حسرت آیات ہوئی تھی۔ یہ کیا مناصب کی ہوس تھی کہ جس نے پورے پورے دین کے مناصب کو تہ و بالا کر دیا۔ خواتین و حضرات! ہم وہ جو باغیاں ہیں مگر اس میں سے میں بھی آپ سے ایک بڑا اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس لیے اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ بڑی کوشش کی زندگی میں مگر صدق وصفا کا ایک شمہ برابر علم حاصل نہ ہوا جو میرے آقا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا، بڑی کوشش کی مگر اس مہمان نوازی کو نہ پہنچ سکا جو میرے آقا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھی، بڑی کوشش کی مگر میں مقروض ہو کر قرض خواہی کا وہ انداز اپنا نہ سکا جو میرے آقا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھا، میں زندگی بھر اس صبر وتحمل کا مظاہرہ کبھی نہ کر سکا جو میرے آقا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھا، میں نے صفات کی ہر شاہراہ پر اسے بلند مرتبہ دیکھا اور بڑی کوشش کی کہ کوئی Identification کی صورت اختیار کروں لیکن مجھے اعتراف شکست ہے۔ خواتین و حضرات! میں کبھی بھی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ذہنی مرتبے کو نہ پہنچ سکا جو اس نے میرے لیے چنا تھا۔ میں کبھی بھی اس کی خواہش اور تمنا کو نہیں پہنچ سکا۔ مگر ایک بات میں نے کبھی ترک نہیں کی جو میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے عطا فرمائی تھی اور یہ بات ان کی اپنی ذات سے محبت اور انس تھا جسے میں کبھی ترک نہیں کر سکا۔

سوالات وجوابات

ابو جہل موحد تھا لیکن منکرِ رسول ﷺ کیوں؟

سوال: جب ابو جہل بھی اللہ کو مانتا تھا تو پھر اس کا نبی سے جھگڑا کس بات پر تھا؟

جواب: خواتین وحضرات! انسان کی زندگی ماننے اور نہ ماننے سے نہیں بلکہ ترجیحات سے ہے وہ کس بات پہ کس بات کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ فیصلہ کن بات ہے۔ سوال یہ ہے کہ ابو جہل کیا مانتا تھا، ابو جہل اللہ کے رسول کو سچا مانتا تھا۔ اس کو پتا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی غلط بات نہیں کہتے کبھی ان کی زبانِ مبارک سے کوئی لغو بات نہیں نکلی، جھوٹ نہیں نکلا۔ امانت دار اتنے تھے کہ تمام معاشرہ، تمام زمانہ ان کی امانت کا گواہ تھا۔ مگر اس سوال کا جواب ابو جہل نے خود دیا کہ باوجود یہ جاننے کے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے تھے، باوجود یہ جاننے کے کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں صحیح کہہ رہے ہیں۔ شریک بن اخنس نے ابو جہل سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرتے ہو۔ اس نے کہا ادان، سقایا پہلے ہی بنو ہاشم کے پاس، ولایہ پہلے ہی بنو ہاشم کے پاس، حذایا پہلے ہی بنو ہاشم کے پاس اگر نبوت بھی بنو ہاشم لے گئی تو باقی قریش کے پاس کیا بچے گا۔ خواتین وحضرات! یہ بالکل واضح جواب ہے کہ ابو جہل عمر بن ہشام وہ مطلق اس بات کا قائل تھا کہ نبوت، رسالت اور حقیقت اپنی جگہ مگر خاندانی تمرد اور وجاہت اپنی جگہ پر ہے۔ اگر غور کیجیے تو ابو جہل بالکل واضح الفاظ میں یہ بات کہہ رہا ہے کہ میری خاندانی عزت اور وجاہت کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور نبوت سے خطرہ ہے۔ کیوں کہ بنو ہاشم اور ان کا قبیلہ ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ قبائل کے اپنے تعصب تھے۔ وہ کسی قیمت پر نہیں چاہتے تھے جیسے بنوامیہ، جیسے بنو ہاشم ایسے اور بھی جو قبائل تھے عرب کے۔ وہ اپنے استحکام کے لیے اپنے اپنے اختیارات طلب کرتے تھے اور ابو جہل نے بڑے صاف لفظوں میں کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی میں تو کوئی کلام نہیں ہے مگر سقایا، حذایا، ولایہ پہلے ہی بنو ہاشم کے پاس ہیں اگر وہ نبوت بھی لے گئے تو پھر ہمارے پلے کیا رہ جائے گا۔ تو اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ ابو جہل کو اپنی خاندانی عزت وجاہت سچائی سے زیادہ عزیز تھی اور یہ بھی Priority Decide کرتی ہے کہ مسلمان کون ہے ایماندار کون ہے۔ اگر آج بھی آپ کی خاندانی وجاہتیں آپ کے عزت وجاہ ومنصب آپ کی رواداریاں آپ کے خاندانی روایت آپ کے دین پر آج بھی غالب آجائیں گے تو آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہیں بلکہ عمر بن ہشام کی ہی تقلید کر رہے ہوتے ہیں

اللہ کی واحدانیت اور رسالت ﷺ کی شہادتیں!

سوال: حضرت آدم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک 1,24,000 نبی اور رسول بھیجے گئے اللہ کی واحدنیت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی گواہی تو دنیا کے وجود کے ساتھ بھی دی جا سکتی تھی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شروع میں مبعوث ہو کے یہ کام کر سکتے تھے پھر یہ ہزاروں سال کا سلسلہ کیوں مرتب کیا گیا؟

جواب: خواتین وحضرات جیسے میں نے آپ سے کہا پہلے انسان کی جو تاریخ ہے Anthropological سروے ہے، چوتھی ایک Last ice age سے شروع ہوئی ہے۔ اس Last ice age کو Neolithic Age بھی کہتے ہیں اور Neolithic age کی زیادہ سے زیادہ عمر تیس ہزار سے چالیس ہزار سال کی ہے۔ تیس اور چالیس ہزار سے بہت پہلے کا ایک چھوٹا سا واقعہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اسی کروڑ سال سے پہلے تمام مخلوقات دو چیزوں میں بانٹی گئیں۔ وہ مخلوقات جو زمین میں تھیں تو کچھ مخلوقات نے فیصلہ کیا ہم زمین کے اندر رہنے کے بجائے زمین کے بالائی حصے کو جائیں گے، ہم درختوں پہ جائیں گے۔ ہم آسمان کی طرف بڑھیں گے، ان کو ہم Primate کہتے ہیں۔ Primate جو پہلے انسان سے مشابہت رکھنے والی مخلوق ہے۔ انہوں نے سب سے پہلا اجتہاد یہ کیا کہ زمین اور سوراخ اور بلوں کو چھوڑ کر یہ درختوں کو بلند ہوئے ان میں انسان بھی تھا۔ مگر آپ دیکھیے کہ اسی کروڑ سال سے لے کر تیس ہزار سال تک جب تک Ice Age شروع ہوئی، انسان کی عقل نے کوئی Progress نہیں کی بلکہ Chimpanzee کی اگر مقدار ذہن دیکھی جائے اور اس وقت انسان کی مقدار ذہن دیکھی جائے تو حیرت انگیز انکشاف یہ ہوتا ہے کہ آج کے بچے کی Brain Quantity اگر 2000 cc ہے تو آج بھی وہ Primate کے ساتھ چلنے والا Chimpanzee 750 cc Brain Quantity پر کھڑا ہوا ہے تو Obviously اتنے کم مقدار ذہن میں کوئی بڑے معقول عقل کی بات اور فیصلے کی بات نہیں ہو سکتی۔ جتنا عرصہ انسان کو اللہ نے عقل دینے میں لگایا خداوند کریم نے قرآن حکیم میں اس کو واضح کیا "هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا o" (الدھر: آیت ۱) کہ بلاشبہ زمانے میں انسان پر ایک طویل عرصہ ایسے گزرا کہ وہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا، اس کو عقل وشعور کچھ نہ تھا۔ پھر خداوند کریم نے اس کو دو سسٹم دیے، دیکھنے کا سسٹم دیا اور سننے کا سسٹم دیا۔ اس کو ڈبل نطفے سے پیدا کیا "انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه" پھر اس کو دوہرے نطفوں سے پہلے اسے سنگل پھر ڈبل کیا اس کے بعد ہم نے چاہا کہ اس انسان کو آزمائیں اسے آگے بڑھائیں، اسے باقی مخلوقات سے علیحدہ کریں تو فرمایا "فجعلناه سميعا بصيرا" (الدھر: آیت ۲) پھر ہم نے اس کو دو سسٹم دیے سماعت اور بصارت۔ لاکھوں سال گزر گئے ان سسٹم کو پانے کے باوجود انسان اس قابل نہیں تھا کہ خدا کو پہچان سکے پھر آخری مرحلہ تربیت انسان آیا اور پروردگار عالم نے فرمایا کہ (آیت) "انا هدينا ه السبيل اما شاكرا و اما كفورا" (الدھر: آیت ۳) اب میں نے تمہیں راہ دکھائی اتنی تمہاری عقل ہو گئی کہ تمہیں روشنی عطا کی، فکر عطا کی، عقل عطا کی۔ اب تمہاری مرضی ہے، بہت بڑے اور بہت اعلیٰ ترین استاد کی طرح۔ اب اس نے Choices کو بندے پہ چھوڑ دیا۔ "انا هدينا ه السبيل اما شاكرا و اما كفورا" اب تمہیں راہ روشن دکھا دی، فکر دے دی، عقل دے دی، چاہو تو مجھے مانو چاہو تو نہ مانو۔ ہدایت کے تمام سلسلوں میں یہی رواج رہا جیسے میں نے آپ سے پہلے کہا کہ انسان کبھی اس قابل نہیں تھا کہ مکمل قرآن کو حاصل کر سکے مکمل سوچ کو حاصل کر سکے تو جیسے ایک بچہ بڑا ہوتا ہے، اسے ایک ایک لفظ، ایک ایک جملہ آپ تعلیم دینے کی کوشش کرتے ہو۔ ا، ب، سے شروع کرتے ہو اسی طرح اقوام عالم کا اور حضرت انسان کا یہ حال تھا کہ شروع میں انسان بہت بڑی سوچوں کا مالک نہ تھا۔ محدود عقل کے ساتھ اس کی فکر اور اس کی کشادگی ذہن درجہ بدرجہ بڑھ رہی تھی۔ اور جیسے جیسے بڑھ رہی تھی اسے قرآنی احکامات دیے جا رہے تھے سے کتاب دی جا رہی تھی حتیٰ کہ یہود ونصاریٰ

کے زمانے تک انسان اس قابل ہو گیا کہ بیشتر احکامات الٰہیہ کو سمجھنا شروع ہو گیا۔

"واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لاتعبدون الا اللہ وبالوالدین احسانا و ذی القربی والیتمی المساکین و قولواللناس حسنا واقیموالصلوۃ واتوا الزکوٰۃ ثم تولیتم الاقلیلا منکم وانتم معرضونO"(البقرۃ: آیت ۸۳) پھر ان لوگوں کو وہ قوانین دیئے گئے، نماز دی گئی، آداب دیئے گئے مگر اللہ نے دیکھا کہ ابھی انسانی جبلت، انسانی عقل پہ حاوی ہے اور یہ لوگ بار بار جبلتوں کو پلٹ جاتے ہیں، بار بار ہدایت کے باوجود اپنی خواہشات کو پلٹ جاتے ہیں۔ ابھی انسان اعتدال اور Normalcy کے اس انداز میں نہیں آیا تھا۔ معجزات کے باوجود جو حضرت عیسیٰ کو عطا ہوئے، آیات کے باوجود جو حضرت موسیٰ کو عطا ہوئیں ملاحظہ کیجیے ان کی جبلت کی تقلید کا کیا عالم کہ موسیٰ نے اس قوم کے لیے کیا کچھ نہ کیا۔ مینڈکوں کی بارشیں ہوئیں، جوئیں پڑیں، پہلوٹی کے بچے لے لیے گئے، پچھاڑ دیا گیا قوم کو سلامتی سے نکالا گیا مگر جونہی بالیات جس کے قریب سے گزرے وہاں عالیشان بتوں کو دیکھا اور مندروں کو دیکھا تو فوراً موسیٰ سے Request کر دی کہ ہم بھی اپنے خدا کے لیے ایک ایسا ہی بت نہ بنالیں۔ ان کی جبلت ہنا ئیت اور تقلید کی روش جس کی وجہ سے قرآن نے ان پہ لعنت کی ہے کہ یہ صفات انسانوں میں کم اور بندروں میں زیادہ ہوتی ہیں۔ بنا بریں بھٹکے ہوئے بندرو تمہاری یہ عادتیں نہیں جائیں گی۔ ابھی تم اس قابل نہیں ہو کہ امانت الٰہیہ کو مکمل حاصل کرسکو اور ابھی تم اس قابل نہیں ہو کہ میں قرآن حکیم کو پورا تم پر نازل فرماؤں۔ پھر وہ لوگ آئے جن کو آپ بڑے بدتمیز اور جاہل کہتے ہو جو دور جاہلیت کے لوگ تھے۔ وہ اعراب جو تندخو، بدسرشت۔ پھر ان میں وہ مشکل ترین استاد آئے۔ ایک عظیم استاد جس کو صرف پڑھانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ایسا استاد جس کے ہاتھ میں کوئی چھڑی کوئی طعنہ نہیں تھا، کوئی سخت بات نہیں تھی۔ اس نے اس قوم کی جاہلیت کا جبر سہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استادی کا شرف یہ دیا آج کے استادوں کو سبق یہ دیا کہ وہ کتنی محنت کے بعد انہوں نے بالآخر اس بدتمیز گنوار اور شیطنت پرست قوم کو اصحاب رسول میں بدل دیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ تو خداوند کریم کسی کام کو اچانک نہیں کرتا بلکہ Gradually ترتیب سے۔ اللہ نے قرآن میں کہا کہ عجلت کا کام شیطان کا ہے اور اللہ تو اپنی مرضی سے آہستگی سے، تدبر سے، فکر سے، علم سے، عقل سے انسانوں کی اصلاح کرتا ہے اور تمام بڑے پیغمبروں کا یہی شیوہ کار رہا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے۔ کیونکہ عقل تمام ہو گئی انسان اپنی بلوغت کو پہنچ گیا کتاب اسے دے دی گئی اس کے بعد کسی اور پیغمبر کے آنے کی گنجائش نہیں رہی۔ کیونکہ ایک بڑی سادہ سی بات آپ کو سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ جب تک کتاب پوری نہ ہوئی تھی پیغمبر آتے رہے، Amendments آتی رہیں، شریعتیں بدلتی رہیں، موسیٰ کی اور تھی، عیسیٰ کی اور تھی، آدم سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک شریعتوں میں تغیر ہوتا رہا۔ جب تک شریعتیں متغیر رہیں جب تک حلال و حرام کی تکمیل نہ ہوئی پیغمبر آتے رہے، پیغمبر اس لیے آتے رہے کہ اللہ کی طرف سے کتاب کی تبدیلی کا حق کسی فرد بشر کو سوائے اللہ کے پیغمبر کے حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا جب تک احکامات میں تبدیلیاں ہوتا تھیں، شریعتیں Change ہوتا تھیں، تب تک پیغمبر آتے رہے مگر جب اللہ نے یہ کہہ دیا کہ "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی" (المائدۃ: آیت ۳) تو میں نے آج کتاب پوری کر دی دین تمام کر دیا۔ نعمت سے مراد یہاں رسالت ہے۔ آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اب اگر آپ کو کسی Guidance کی ضرورت ہے کسی Instruction کی ضرورت ہے تو بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن موجود ہے اور حدیث رسولؐ بھی موجود ہے۔ اس لیے اب کسی قسم کی Further گنجائش نہیں رہی کسی بندے کی رسالت کی گنجائش نہیں رہی کسی اور کتاب کی گنجائش نہیں رہی اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں قرآن، رسالت محمدیہ اور حدیث رسول کی وجہ سے آج مسلمان ہوں مجھے کسی اور واسطے کی ضرورت نہیں رہی۔

کیا جہاد کی فرضیت انفرادی ہے؟

سوال: آج کل مسلمانوں کا کشمیر، فلسطین اور عراق میں بہت برا حال ہے۔ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں اور ایک جسم کی مانند ہیں۔ کیا ہم پر جہاد فرض ہوتا ہے کہ نہیں؟

جواب: خواتین وحضرات! جہاد کبھی معطل نہیں ہوتا جہاد دور امن میں بھی جاری رہتا ہے اور جہاد آج اس وقت بھی جاری ہے جب کبھی جنگ آزمائی بھی ہو۔ جہاد جنگ میں دفاع ہے۔ مسلمان تہذیب کا دفاع ہے۔ آج تک مسلمانوں نے کوئی جنگ ایسی نہیں لڑی کہ جس میں دفاع پیش نظر نہ تھا، تہذیب کی مدافعت پیش نظر نہ تھی اور آج بھی اگر آپ کی تہذیب کو خطرہ ہے اور آپ کو من حیث المجموع جہاد کا حق ہے جب بھی Individual شریعت ہاتھ میں لیتا ہے جب Individual ایک Struggle آغاز کرتا ہے تو یہ Physical Retaliations ہیں۔ For Example اگر ایک فلسطینی، ایک اسرائیلی اور یہودی کو مارتا ہے تو وہ وجہ صرف یہ ہے کہ ایک فلسطینی کے حقوق غصب ہیں مگر آپ کے نہیں ہیں۔ آپ جو فلسطین سے باہر ہیں۔ آپ کے حقوق غصب نہیں ہیں۔ کم از کم اسرائیل کے ہاتھوں سے نہیں۔ مگر آپ کو جب درد محسوس ہوتا ہے تو ایک Natural Affinity ہے جو ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے ہوتی ہے مگر یہ کہنا بڑا مشکل ہوگا کہ اگر فلسطین اسرائیل کے تسلط سے آزاد ہو جائے تو کیا پھر بھی وہ اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھیں گے کہ نہیں رکھیں گے۔ ملاحظہ فرمایئے میں آپ کو فرق بتاتا ہوں جس وقت بہت ساری امت مسلمہ غیروں کے قبضے میں تھی جب مصر پہ قبضہ تھا، شام پہ قبضہ تھا، سوڈان پہ قبضہ تھا، عراق پہ قبضہ تھا، سعودی عرب پر بھی وہ لوگ غالب تھے۔ اس وقت چار بڑی تحریکیں اسلام میں اٹھیں۔ ایک تو اخوان المسلمین مصر میں، ایک تحریک محمدیہ انڈونیشیا میں آپ کے وقت میں بھی اس وقت دو بڑی Organisations جیسے جماعت اسلامی وغیرہ پائیں اور انہوں نے اسلامی نظام کی حمایت کا نعرہ اٹھایا اور کوشش کی۔ مگر قومیں آزاد ہو گئیں۔ یقیناً ان قوموں کی آزادی میں Basically Religion کا حصہ تھا جیسے آپ کی پاکستان کی آزادی میں Basically Religion کا حصہ تھا یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں کے پاس ملازمتیں نہیں تھیں یہ صحیح ہے کہ انگریز بہت سارے طریقے ایسے استعمال کر رہا تھا کہ Overall مسلم امہ Depress ہو جائے مگر اس کے باوجود مسلم امہ کو اکٹھے ہونے کے لیے کوئی نعرہ نہیں مل رہا تھا۔ وہ ملازمتوں پر اکٹھے نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ اپنی توہین ذات پہ اکٹھے نہیں ہو سکتے تھے۔ بالآخر اقبال اور قائداعظم نے اللہ نے انہیں توفیق بخشی کہ آخر ایک اسلامی Cause پر کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ اس نعرے کے وجود میں آتے ہی پوری مسلم امت کو ایک مرکز مل گیا۔ سنٹر سی مل گئی۔ تو اقبالؒ نے اپنے لیکچرز

میں بڑی خوبصورت بات کہی ہے کہ اسلام نے ہمیشہ مسلمانوں کی مدد کی ہے مسلمانوں نے کبھی اسلام کی مدد نہیں کی اور اس وقت بھی اسلام کام آیا اور آپ کو ایک نیا ملک اور ایک آزاد ملک دے گیا، باقی جگہ بھی اسلام کام آیا۔ اسلامی جذبے نے ہی مصر کو رہائی دی، اسلامی جذبے نے شام کو رہائی دی مگر بعد میں Secular عنصر اس پر غالب آ گیا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ آج بھی اگر آپ ایک Objective View سے دیکھیں کہ کہاں اور کس قسم کی جنگ کون لڑ رہا ہے کس کے لیے لڑ رہا ہے پھر آپ کو احساس ہوگا کہ جہاد ایک Pure Islamic Institution ہے جسے اس وقت جاری کیا جاتا ہے جب مسلمانوں کی حکومت کسی مسلمان کے ہاتھ میں ہو اور وہ مسلمان باعمل مسلمان ہو اور اس کے خلاف کوئی شرعی اعتراض نہ اٹھتا ہو۔ جب آپ اسے اسلامی حکومت کا سربراہ مانیں گے تب اگر وہ فتویٰ جہاد سوچ سمجھ کے علما اور شریعت کے ذریعے دے گا۔ پھر اس کو ایک اسلامی Conceptual جہاد پہ وہ پورا اترے گا کوئی Individual بندہ یا کوئی Individual مولوی فتویٰ جہاد نہیں دے سکتا۔ یہ مسلک ایک حکومت وقت کا ہے۔ خلیفۂ وقت کا ہے مگر اس خلیفہ وقت کے لیے پورا مسلمان ہونا ضروری ہے اور اس اعتبار کے ساتھ کہ باقی امت بھی اس پر مسلمان ہونے کا اقرار کرے۔ آج کے حکمرانوں کو ہم ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کی مثال نہیں دے سکتے آج مسلم امت کا کوئی بھی حکمران اس قابل نہیں ہے کہ اسے کسی اعتبار سے وہ اسلامی شرف حاصل ہو جو باقاعدہ پہلے مسلمانوں کو حاصل ہوتے تھے۔ اس لیے اب حکومتی Level پہ فتویٰ جہاد نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا Individual انفرادی جہاد تو وہ ایک جذبہ ہے ایک ایسا جذبہ جس کی شدت میں کوئی کلام نہیں مگر ایک جہاد جو اس وقت بہت ضروری ہے یہ اس وقت ہر مسلمان کر سکتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی مرتبت تبوک کی جنگ سے پلٹے تو آپ نے کہا کہ اب ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کو پلٹتے ہیں۔ تو اصحاب نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ اہلِ کفر سے جنگ کرنا اور تلواروں سے سر کاٹنا اور کٹوانے سے بڑا بھی کوئی جہاد ہے۔ فرمایا ہاں ''جہاد بالنفس'' ہمیں اپنا امتحان لینا ہے ہمیں جائزہ لینا ہے کہ ہماری دعائیں کیوں مقبول نہیں۔ ہمیں سوچنا ہے کہ خدا ہماری مدد کیوں نہیں کر رہا خدا کا وعدہ تو بڑا سادہ ہے کہ وہ ''ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنینO'' (آل عمران: آیت ۱۳۹) اگر تم سستی نہیں کرو گے، اگر تم غم نہیں کرو گے تو ہمیں اپنے عزت و جلال کی قسم ہے کہ ہم تمہیں غالب کریں گے۔ فرض کرو آج عراق اسیر قیدِ فرنگ ہے۔ فرض کرو آج افغانستان اسیر قیدِ فرنگ ہے۔ فرض کرو آج پاکستان مغلوب قیدِ فرنگ ہے تو آپ کو سوچنا پڑے گا کہ کیا ہم میں ایمان کی کمی تو نہیں۔ ربِ کریم کا وعدہ تو سچا ہے۔ اس سے سچی بات تو کسی کی نہیں پھر ہمیں بحیثیت مسلمان سوچنا پڑے گا کہ شاید ہم اس آیت پہ پورا نہیں اترتے کہ جو اللہ نے کہی کہ میرے بارے میں سستی اور غم نہ کرنا بلکہ امید رکھنا۔ اللہ کے ساتھ امید رکھنا اور غیر کے ساتھ امید نہ رکھنا۔ اور اگر تم نے ہمارے ساتھ امید وابستہ رکھی اور اپنے دلوں کو اپنے ایمان سے مضبوط فرمایا تو یقین جانو ہمیں عزت و جلال کی قسم ہے ''وانتم الاعلون ان کنتم مومنین'' خواتین و حضرات! میں اس میں تھوڑی سی بات Add کر دوں کہ ایک بات ضرور جانیں کہ تصورِ مہدی کیا ہے۔ آنے والے وقتوں میں تصور مہدی کیا ہے اگر آپ سچ پوچھو تو جو بات ہم میں نہیں۔ وہ مہدی میں ہے۔ جو اس وقت کسی مسلمان میں نظر نہیں آتی وہ مہدی میں ہوگی بخاری میں مہدی کی بڑی معمولی سی تعریف کی ہے کہ زمانہ آخر میں امتِ مسلمہ کا سردار ایک نیک مسلمان ہوگا یہ بڑی واضح حدیث ہے کہ اللہ اس لیے مہدی کے ساتھ ہے

کہ وہ قرآن کی اس آیت پہ پورا اترتا ہے۔ وہ اداس نہیں ہے غم کرنے والا نہیں ہے۔ وہ جذبۂ اصلاح سے سرشار ہے۔ وہ ہادی ہے۔ وہ اور غیروں کو بھی ہدایت کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔ اور یہ بھی سن لو کہ اللہ کا اگر ساتھ ہو تو سلطنتِ فراعنہ تین سو برس کی بے شمار لاؤ لشکر بے شمار Tank توپیں بے شمار ہواؤں میں اڑتے ہوئے آسیب مگر ایک اللہ جو موسیٰ کے ساتھ ہے اور اسے کہتا ہے خبردار ولا تحزن۔ دیکھیے اللہ کیا کہتا ہے۔ موسیٰؑ کو جب حضرت موسیٰؑ نے خوف کا اظہار کیا تو موسیٰؑ سے صرف اتنا کہا مت ڈر میں جو تیرے ساتھ ہوں۔ آج بھی لگتا ہے کہ اللہ آپ کے ساتھ نہیں ہے جب اللہ آپ کے ساتھ ہو گا تو پھر مقتدرِ اعلیٰ وہی، عزت و ذلت کا مالک وہی مالک ملک تو "قل اللھم ملک الملک تؤتی الملک من تشآء و تنذع الملک ممّن تشآء و تعزمن تشآء و تذل من تشآء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر" (آل عمران: آیت ۲۶) سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ وہ کسی مسلمان کی رسوائی کرے، شاید یہ چند کوڑے یہ چند تازیانہ ہائے غیرت، ہمیں درس دے جائیں۔ ہماری عزت اسلام چکا جائے اور بجائے ہم دیوانوں کی طرح جنگ کرنے کے ایک مضبوط قومی شعور کے ساتھ اٹھیں پھر انشاءاللہ تعالیٰ زمین پہ ہمیں کوئی ناکام کرنے والا نہیں ہو گا۔

قحط الرجال سے کیا مراد ہے؟

سوال: قحط الرجال سے کیا مراد ہے؟

جواب: میرا خیال ہے میں ابھی اسی موضوع پہ بات کر کے ہٹا ہوں کہ We must check up۔ قحط الرجال سے مراد ہے مردوں کا قحط، مردِ خدا کی اصلاح میں، ایسے شخص کو کہیں گے جو خدا کے توکل، خدا کی امید اور خدا کی محبت اور تین چیزوں میں اللہ کا مرد ظاہر ہوتا ہے اور ایک چیز یہ ہے کہ وہ اللہ کے واسطے دوستی کرتا ہے اور اللہ کے لیے دشمنی کرتا ہے ایمان کی حلاوت مرد میں نمایاں ہوتی ہے اور مرد جسے رجل حریت یا رجل مذھب کہتے ہیں وہ تین صفات کا حامل ہوتا ہے اللہ کے واسطے دوستی کرتا ہے۔ اللہ کے واسطے دشمنی کرتا ہے۔ اس میں محبت رسول دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر ہوتی ہے اور تیسری بات کہ وہ کفر اختیار کرنے کو اتنا ہی برا سمجھتا ہے جیسے آگ میں زندہ جل جانے کو سمجھتا ہے۔ جس میں یہ باتیں ہوں گی وہ اللہ کا مرد ہو گا جب کوئی اللہ کا مرد ہو گا تو وہ کبھی زوال پذیر نہیں ہو گا۔

سورہ البقرہ کا قرآنی پس منظر

بنیادی طور پر اشیاء کے نام بہت متاثر کرتے ہیں دیکھا یہ گیا ہے کہ کسی بڑے واقعے یا کسی عجیب وغریب خارق عادت واقعہ یا کسی اہم اصولی واقعہ کی بنیاد پر سورت کا نام رکھا جاتا ہے۔ جیسے الحمد کو قرآن کی اپروچ کہا جا سکتا ہے اسی طرح سورۃ بقرہ کو خلاصہ قرآن بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس میں فطرت کی وہ تمام خرابیاں جو ممکنہ حد تک انسان کو عرفان ذات پروردگار سے روکتی ہیں، ان کا ذکر ہے۔ یہود کی ان عادات کا ذکر ہے جو کسی بھی انسان میں موجود ہو کر اسے جبلی اقدار سے آشنا کرتی ہیں جو اسے بہتر ذہن کو جانے نہیں دیتیں۔ سورہ بقرہ میں ایسے حیرت انگیز واقعات موجود ہیں جو بظاہر ایسے لگتا ہے خدا نے کثرت معجزہ فرمائی ہے۔ بہت پہلے پیارے پیغمبروں کے ساتھ بہت سارے جو واقعات گزرے ان کا ذکر کیا۔

وہی بات جو میں الحمد کی وضاحت میں کہہ آیا ہوں کہ یہود اس وقت اس میچورٹی کو پہنچ رہے تھے جہاں انہیں کافی حد تک پیغام اللہ نے دینا چاہا۔ توراۃ کے دس احکامات جن کا ذکر قرآن نے بھی کیا ہے، انہیں عطا کرتے ہوئے، اس بات کا اچھی طرح خیال رکھا کہ یہ قوم اب میچورٹی کے اس مقام تک پہنچ گئی ہے کہ اپنی جبلی خواہشات کی خاطر نت نئے عذر، بہانے اور تجاویز نکال سکتی ہے تو یقیناً ان میں یہ ملکہ بھی ہوگا کہ یہ خدا کا رستہ پہچان سکیں مگر اس قوم کا عملی مشاہدہ یہ حیرت انگیز انکشاف کرتا ہے کہ یہود میں بار بار رخصت اپنی جبلی اقدار کی طرف اور احکام کو ٹالنے کی کوشش بدرجہ اتم موجود ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ ایک ایسی بدتمیز اور ناز یبا کردار کی قوم ہے کہ اس کے لیے بار بار کسی بڑی سزا کا سنانا لازم قرار پاتا ہے۔ کبھی یہ فراعنہ مصر کے جاہ و جلال کا شکار ہوتے ہیں تو کبھی خداوند کریم ان کے سر پر طور سینا کو کھڑے کرتے ہیں پھر کبھی ان کو چالیس برس کی صحرائے سینا کی دربدری سے آشنا کیا جاتا ہے۔

اس عرصے میں سورہ بقرہ کی تلاوت سے بہت بڑا نفسیاتی پہلو جو ہمارے سامنے آتا ہے اور جو شاید آج ہم پاکستانی صورتحال میں بھی اس کا سامنا کر رہے ہیں، وہ طریقہ کار یہ ہے کہ جس کے تحت خداوند کریم نے انسانی میچورٹی اور کلام البیان کو دینے کے باوجود جو سب سے بڑا ذہنی قدم اٹھایا ہے، وہ علم کو آگے بڑھانا اور نفسیات ذہن کو سمجھنا اور اس پر غور و فکر کرنا ہے اور انسانوں کو ہر اعتبار سے علم و عقل کی اس منزل تک لانا ہے جس پر رسول اللہؐ اور اصحاب رسول پہنچے تھے۔ یہ ایک حیرت انگیز پراسیس ہے جو قطعاً بھی معجزاتی نظر نہیں آتا بلکہ ایک سوچا سمجھا طریقہ کار جس میں اللہ میاں ایک بہت بڑے استاد کی طرح نظر آتے ہیں جو اپنی کلاس کو تعلیم دیتا ہے۔ مجموعی طور پر تمام انسان ایک کلاس ہے۔ اس کی ابتدا اس

کے درمیان اور اس کا انجام اس کو اپنے طریقے سے چلاتے چلے ہیں جہاں سزا ضروری ہے وہاں سزا سنا رہے ہیں اور جہاں مقبولیت ہے وہاں بہت سارے انعامات بھی سنا رہے ہیں۔

کئی لوگ یہ کہتے ہیں کہ جنت وجہنم کا کیا بکھیڑا اللہ میاں نے پال رکھا ہے۔ خدا کے ہاں سے لالچ ایشو ہوتا ہے اور کہیں خدا کے ہاں سے ڈرانے والی سزائیں جاری ہوتی ہیں۔ مگر اگر آپ قوموں کی عملی زندگی کا نفسیاتی اور سماجی لحاظ سے مطالعہ کریں تو یہ بات بڑی وضاحت سے نظر آتی ہے کہ انسانوں کے کنڈکٹ میں اللہ کی تعلیمات کو آگے جو بھی اقدام لینا تھا اس کے مطابق اللہ نے ان کے لیے اجرا کیا۔ ساتھ ساتھ آنے والے وقتوں کے پیچیدہ اذہان کے لیے طریقہ کار بھی متعین کیا۔ مثال کے طور پر جب اللہ یہ کہتا ہے و القد علم الذین اعتدو منکم فی اسبت و قلنا کونو قردة خاسئین جب ان سے کہا گیا کہ تم اس تالاب سے سبت والے دن مچھلی نہ پکڑو ورنہ تم بگڑے ہوئے بندر ہو جاؤ گے تو دیکھیے ایک توجہ یہ بھی کرنی پڑتی ہے کہ بندر کی خاصیت کیا ہے تو اس کی سب سے بڑی صفت ہمارے سامنے یہ آتی ہے کہ یہ نقال ہے، ہر صورت ایک بندر دوسرے بندر یا ایک بندر کسی بھی دوسرے شخص کی نقل کرنا ضروری سمجھتا ہے تو رخصت اور نقالی جسے اللہ نے کونو قردة خاسئین کہا کہ لالچ اور نقالی یہ دونوں صفات ہمیں بنو اسرائیل کے اس پورے طبقے میں نظر آتی ہیں اس میں بدنی ضروریات کو رجعت ہے اور وہ اللہ کا حکم ماننے سے صرف اس لیے انکاری ہوتے ہیں کہ ان کا لالچ ان کی بے عقلی اور ان کا دوبارہ جبلتوں کو رجوع کرنا ہر وقت ان کے سامنے ہے۔

پھر سورۃ بقرہ میں جہاں خدا کے رستے میں ہمیں انسانوں کی طبعی شادمانیاں نظر آتی ہیں وہاں اخوت وتسلیم بھی نظر آتی ہے۔ حضرت اسماعیلؑ اور ابراہیمؑ کے واقعات خاص طور پر خانہ کعبہ کی بنیا درکھنا اور ایمان ودین کی مرکزیت قائم کرنا شامل ہے۔ اس میں ہمیں بڑی وضاحت سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں ناقص عقل کی جبلی رجحتوں کا ذکر کیا ہے وہاں ایک پائیدار شعور اور بڑا سمجھدارانہ اور صحتمندانہ جائزہ اشیا کا موجود ہے۔ اس کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ اس میں حضرت ابراہیمؑ کو واضح طور پر ایک مثال قرار دیا گیا ہے۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ایک ایسی مضبوط دلیل تک پہنچ چکے تھے جس کو خداوند کریم کی عنایت سے انہوں نے اپنے غور وفکر سے پایا۔ خاص طور پر سورہ بقرہ کا جب ہم انجام دیکھتے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دونوں طرف کے ان رجحانات کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ بالآخر اپنے اوپر اور رسالت پر ایمان اور دوسرے احکام کو مضبوط کرتا ہے۔

دونوں کی بنیاد عقل وشعور پر ہے۔ ایک عقل وشعور منفی رجحانات تخلیق کرتا ہے انسان کو جانوروں کے اقدار کی طرف لوٹاتا ہے جبکہ وہی عقل وشعور ہے جس کی مدد سے حضرت ابراہیمؑ نہ صرف خدا تک پہنچتے ہیں، خلیل اللہ ٹھہرتے ہیں بلکہ بیت اللہ کی مرکزیت قائم کرتے ہیں، اسی میں وہ تمام آیات ہیں کہ جو سنت ابراہیمؑ کو اس قدر مقبول اور اتنا معزز کر دیتی ہیں کہ آئندہ تمام آنے والے انسانوں کے لیے خدا اس پیٹرن کا ٹھاٹ پراسیس ریکمنڈ کرتا ہے حتیٰ کہ ان کے بیوی بچوں کی بھی تمام عادات کو حج کا ایک حصہ بنایا گیا۔

اگر دیکھا جائے تو سورہ بقرہ دونوں طرف کی تکمیل کا نام ہے۔ ایک طرف فتنہ پرور، فتنہ سامان اور فتنہ جو عقل ہے جو بالآخر جہنم اور اس مقام تک لے جاتی ہے جس کو "ان الذین کفروا سوآء علیھم انذرتھم ام لم تنذرھم

لایومنون○ ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم○" (البقرۃ:۶-۷) یہاں یہ کہنا بڑی ضروری بات ہے کہ ختم اللہ سے مراد اللہ میاں کا ایک باضابطہ پروسیجر ہے جس کے تحت انسانوں کے دلوں سے آگہی اور شعور ختم ہوتا ہے۔ ایک انتہائی منفی رویے پر قائم ہو جانا اور اسے پسند کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہے حتیٰ کہ اس کا انجام جہنم اور ستیاناس ہے۔ سید ہجویرؒ نے جیسے ارشاد فرمایا کہ انسانوں کے دل پر دو قسم کے وسوسے دو قسم کے رجحانات غالب ہوتے ہیں ایک کو ہم خطرات کہتے ہیں دوسرے کو وطنات کہتے ہیں خطرات وہ الیے ہیں یا وہ کمی بیشی ہے جو انسان کے دل میں گناہ و ثواب کی آتی ہے جس کو محسوس کرنے کے بعد وہ اپنے اندر خدا کی محبت کی وجہ سے تاسف پاتا ہے اور وہ اللہ کو رجعت کرتا ہے وہ خطرہ قلب سے صاف ہو جاتا ہے مگر جب وہ رجعت اور توفیق نہ رہے اور خدا کی طرف پلٹنا انسان کا باقی نہ رہے تو خطرہ آہستہ آہستہ ایک مستقل حیثیت اختیار کر جاتا ہے وہ داغ پھیلتا ہوا ایک کینسر کی طرح جال بن جاتا ہے جو انسان کی سوچوں عقل و معرفت اور اس کے انداز زندگی کو چاٹ جاتا ہے اس وقت اس کا وطن کہا جاتا ہے یہ وطن وہ حالت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ''ختم اللّٰہ علی قلوبھم '' کہا ہے۔ اس آیت کا پروسیجر بذات خود وضاحت کرتا ہے کہ ایک دن یا ایک لمحے کا عمل نہیں ہے۔ پہلے دلوں میں وسواس اور خطرات آتے ہیں جو وطنات بنتے ہیں جب دلوں میں وساوس اتنے گہرے ہو جائیں تو پھر خدا کہتا ہے وعلی سمعھم وعلی ابصارھم وہ سماعت اس کو سننے سے انکار کر دیتی ہے جو اللہ کی طرف اس کو لے جائے یہ آنکھ اس چیز کو دیکھنے سے انکار کر دیتی ہے جو دوسری طرف ہے تو دل میں خطرات آنے کے بعد ایک طویل عرصہ لگتا ہے۔ جب سماعت پر ہر قسم کی نصائح اور پند بیکار جاتے ہیں اور آنکھیں اس چیز کو دیکھنا ہی بند کر دیتی ہیں اور ایک قسم کا غیر حقیقی پراسیس شروع ہو جاتا ہے، وہم شروع ہو جاتے ہیں اور انسان اس میں اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ اسے ایک ہی طرف کی چیز نظر آتی رہتی ہے اور وہ بدی کی سائیڈ ہے۔ ذاتی منفعت کی سائیڈ وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم (سورۃ البقرۃ) غشا اس پردے کو کہتے ہیں جس میں دل اس طرح ڈھک جاتا ہے کہ اس کو اپنے گردوپیش میں کوئی امید اور روشنی اور کچھ نیکی کی کرن نظر نہیں آتی۔ تب کہیں جا کے اللہ تعالیٰ کا وہ لفظ ختم اللہ علیٰ قلوبھم اس پر فٹ بیٹھتا ہے یعنی دلوں پر مہر تب ہوتی ہے جب دیکھنے سننے اور تمام حواس کے پراسیس اتنے کلوز ہو جائیں کہ کوئی لفظ نصیحت اس پر اثر نہ کرے۔ اس کی واپسی کا کوئی رستہ نہ رہے اور جبلی اقدار مکمل طور پر حاوی ہو کر اسے ایک ناپید شے قرار دے دیں۔

اس آیت میں کبھی بھی یہ نہیں ہوا کہ وہ پیدائشی مہر لے کے پیدا ہوا ہو کیونکہ یہ خدا کے اس تصور کے خلاف ہے کہ ''کتب علی نفسہ الرحمۃ '' (الانعام: آیت ۱۲) جب اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ کافر و مسلم ہر قسم کے بندوں کو جہنم یا جنت میں جانے سے پہلے ایسے بے شمار مواقع دے گا جس میں سے اس کا پلٹنا ممکن ہو سکتا ہے ورنہ رحمت کا قطعاً مطلب نہیں ہے کہ آپ دلوں کو پہلے سے ہی مہر شدہ پیدا کریں اور ان کو جہنم میں ڈال دیں۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہوا۔ ان آیات میں انسانی فطرت کے دونوں طرف کی فطرتوں ایک قلب سلیم اور فطرت سلیم کے شعائر بھی بتائے گئے ہیں اور دوسری طرف فطرت خبیثہ کے بھی شعائر بتائے گئے ہیں۔

بنو اسرائیل کا ذکر اس ضمن میں یہ ہے کہ وہ مغلوب اور نالائق ہی ٹھہرے ''ذلک بانھم کانوا یکفرون

بایات اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق' ذلک بما عصوا و کانو یعتدون" (البقرۃ: آیت ۶۱) اس لیے کہ انبیاء کی تکفیر کرنا انبیاء کو قتل کرنا آیت اللہ کو مسخ کرنا اور اپنے مقاصد کے لیے انہیں استعمال کرنا، ذلک بما عصوا و کانو یعتدون یعنی وہ نہ صرف بڑھ کے برائیاں کرنے والے تھے بلکہ معتدین یعنی اعتدال سے گزرنے والے لوگ تھے۔ اعتدال سے اس حد تک گزرنے والے کہ سورہ بقرہ ہی میں ذکر کرتے ہوئے اللہ کہتا ہے کہ یہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت دل ہو جاتے ہیں۔ ان کی شقاوت قلبی کو ہم سنگدلی بھی نہیں کہہ سکتے کہ سنگدل میں بھی آنسو پھوٹ پڑتا ہے۔ "ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ" (البقرۃ: آیت ۷۴) کہ ایسے پتھر بھی ہیں جو پھٹتے ہیں اور ان میں سے پانی پھوٹ نکلتا ہے ایسے بھی ہیں جن سے چشمے نکلتے ہیں، سو خدا کی محبت اور خوف سے پتھروں پر بھی اثر ہوتا ہے۔ مگر وائے انسان اس پر اس قسم کے کسی حرف تعلیم کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

سورہ بقرہ دراصل اسلام کی نہیں بلکہ ایمان کی داستان ہے۔ ایمان اور کفر کی داستان ہے۔ اس میں انسان آگے بڑھتا ہوا کس حد تک مکروفریب اور ریاکاری اور نفاق سے کام لیتا ہے بالآخر ایک ایسی منزل تک پہنچتا ہے کہ جسے آپ آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ اس میں واپسی نہیں ہے۔

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اپنی خطا اور نسیان کے باوجود نصیحت و تسلیم اختیار کرتے ہیں جن کے دلوں سے محبت خداوند نہیں جاتی، وہ آگے بڑھتے ہوئے بالآخر اللہ کے حضور اللہ کی محبت اور اس کے کرم تک پہنچتے ہیں، وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں ملائکہ اور غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو تمام ہمارا ایمان بالغیب یا جس کو ایمان ظاہر کہتے ہیں، صرف ایک چیز کا مرہون منت ہے آپ عذاب قبر پر یقین کریں نہ کریں بلکہ یقین ہونا نہیں چاہیے، جب تک عذاب قبر کے خالق پر یقین نہ ہو۔ اسی طرح نماز روزہ ملائکہ تمام چیزیں ایک خیال کا حصہ ہیں۔ اگر آپ کو اللہ پر یقین نہیں ہے تو یہ تمام پریکٹس اور سماجی خدمات محض رسم و رواج اور ناہوزرہ جائیں گے۔ ان سے کبھی بھی ایمان قائم نہیں ہوگا بلکہ ہمارے اپنے معاشرے میں ہزاروں لوگ ہیں صبح و شام عبادات بھی کر رہے ہیں مگر چونکہ بنیاد تصور اللہ پر قائم نہیں ہے، رجحان اللہ کی طرف نہیں مڑ رہا اور بنیادی یقین خدا کا موجود نہیں ہے۔ اس لیے یہ عبادات رائیگاں ہیں۔

اس کے برعکس جو شخص پہلا مسئلہ حل کرتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا سورہ بقرہ میں۔ وہ بڑی مشہور دلیل ہے جب اللہ تعالیٰ ابراہیم کو آیات الٰہی سے مزین کرتا ہے، ان کے دل کو اس قابل کر دیتا ہے کہ وہ پہلے اپنے خیال سے خدا کی آگاہی پاتے ہیں پھر آیات اللہ سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ جب آیات اللہ سے اس کا اثبات ہو جاتا ہے تو پھر بھی کوئی نہ کوئی کسر رہ جاتی ہے، اسی لیے جب ابراہیم نے یہ کہا اذقال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتا کہ تو مردہ کو زندہ کیسے کرتا ہے تو اللہ نے جواباً کہا "قال اولم تومن" اے ابراہیم ابھی بھی تمہیں کوئی شبہ ہے، تم نے اتنا سوچا، پڑھا لکھا، غور کیا اور صحیح اندازہ لگایا تو نے خوئے تسلیم اختیار کی، اپنے رب کی آگاہی تک پہنچا تو کیا ابھی بھی کوئی شبہ باقی ہے؟ فرمایا نہیں ذہنی طور پر تو قطعاً کوئی شائبہ انکار کا باقی نہیں ہے نہ مجھے کسی قسم کا آپ کی ذات گرامی کے بارے میں شبہ ہے۔ ولکن یطمئن قلبی مگر یہ ہے کہ دل بھی مشاہدے سے اطمینان پاتا ہے تو یہاں مشاہدے کی اپنی ویلیو ہے فرض کریں میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ اسباب سے کہیں مبرا ہے۔ میں یقین

رکھتا ہوں کہ اگر تمام تر اسباب موجود نہیں ہیں تو پھر بھی مجھے میرا اللہ کسی بھی طریقے سے مدد دے سکتا ہے جیسے اللہ نے سورہ بدر میں کہا کہ ہم نے صرف آپ کی تالیف قلب کے لیے ملائکہ بھیجے تھے ورنہ تو ہم ان کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتے تھے۔ اللہ کسی کا پابند نہیں ہے۔ اس نے اپنے ہی تخلیق شدہ کسی سبب پر اپنی خدائی کی بنیاد نہیں رکھی ہوئی۔ اس لیے وہ بڑا آسانی سے یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ نہ بھی ہوتا تو بھی میں تمہیں ہر بلا ہر گردش سے نکال لیتا مگر چونکہ ہم ایک ایسی دنیا میں ہیں جہاں کہ ہماری زندگی اسباب کی محتاج ہے۔ پیدا ہونے پروان چڑھنے اور کام کاج کے لیے تمام کا تمام ایک سلسلہ اسباب ہے جو اس طرح مربوط کر دیا گیا ہے کہ انسان زندگی کے کسی بھی لمحے میں سبب سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔ اس عالم میں جب آپ کو خدا یہ کہتا ہے کہ مجھے اس طرح مانو کہ اسباب سے گزر جاؤ، میں مسبب الاسباب ہوں تو جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ماننے کے باوجود کہا کہ ٹھیک ہے اعتبارات یا اعتقاد صرف ذہنی ہوتا ہے ذہن میں کوئی خامی کوئی خدشہ نہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ اگر نظر سے دیکھ لیں تو نہ صرف تائید ہوتی ہے بلکہ اطمینان قلب ہوتا ہے اللہ نے ان کو مشاہدہ دکھایا۔ وہ مشاہدہ کتنا طاقتور تھا کہ اسی طرح تیسرے سپارے کے آغاز میں جب نمرود بھی یہی دعویٰ کر رہا ہے جو پہلے خدا کر چکا ہے تو خدا سے تو ابراہیم سوال کر چکے ہیں کہ آپ مجھے وہ مظاہرہ دکھاؤ مگر خدا یہ کہتا ہے کہ تجھے ذہنی اعتبار ہے؟ تو فرمایا ہاں ہے مگر مشاہدہ میرے اعتبار کو مضبوط تر کر دے گا سورہ بقرہ میں ہی نمرود یہ دعویٰ کرتا ہے کہ "انا احیی و امیت" (البقرۃ: آیت ۲۵۸) کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں تو یہ دونوں دعوے مساوی چلتے ہیں۔ ادھر اللہ کا دعویٰ یہ ہے کہ "انا احیی و امیت" اُدھر نمرود کہہ رہا ہے کہ انا او حی و امیت دونوں دعوے مساوی ہیں۔

اللہ نے جب پوچھا کہ ابراہیم تجھے میرے دعوے پر اعتبار نہیں؟ تو حضرت ابراہیم نے کہا اس میں قطعاً کوئی شک نہیں۔ لاریب فیہ مگر مسئلہ یہ ہے میرے مالک کہ میں صرف شہادت نظری چاہتا ہوں تاکہ میرا جو یقین ہے، میرا ذہن ہے، وہ اس کو مضبوطی سے قبول کرے مگر جب نمرود یہ دعویٰ کرتا ہے تو ابراہیم اسے کہتے ہیں۔ اچھا ٹھیک ہے تو اس کا ثبوت لاؤ۔ اللہ نے تو ابراہیم کو یہ ثبوت دیا کہ چار پرندوں کو پکڑ کر ان کے سر کاٹ کر، ان کو دور دراز کی چوٹیوں پر رکھ دے مگر ان کو قتل کرنے سے پہلے ہلا لے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سورۃ بقرہ بڑے نفیس اور حیرت انگیز نفسیاتی نکات پیش کرتی ہے، یہاں اللہ تعالیٰ نے کہا ان پرندوں کو پہلے ہلا ملا لینا کہ ذہنی تشکیک کا ہر وہ پہلو جو اسے ایک ساؤنڈ آرگومنٹ میں اس کو چیلنج کر سکتا ہے وہ نکل جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ابراہیم کے ذہن میں یہ وسوسہ گزرتا کہ اللہ میاں میں نے جو پرندے قتل کیے تھے، وہ تو قتل ہو گئے ہیں یہ تو تُو نے کوئی اور زندہ کر کے بھیج دیے ہیں۔ اللہ نے کہا پہلے ہلا لینا کہ تُو ان سے اتنا مانوس ہو جائے کہ جب وہ تیری طرف پلٹیں تو تجھے ان کے قریب آنے سے پوری طرح پتا ہو کہ یہ وہی پرندے ہیں۔

یہاں مجھے کہنا پڑتا ہے کہ خدا بہت ہوشیار ہے اتنی باریکیوں تک جا کے انسانی نفسیات میں شبہات کو رد کرنا یا اللہ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

دوسری طرف جب نمرود یہ کہتا ہے کہ میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور پھر ابراہیم اس سے ثبوت طلب کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے یہ پھانسی پر چڑھا ہوا آدمی ہے اس کو سزا میں دے چکا ہوں۔ یہ مر رہا ہے چلو چھوڑ دو اس کو، رہا کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس شخص کو جو بالکل زندہ اور صحیح سالم بیٹھا ہوا ہے، اس کی جلاد گردن اڑا دیتا ہے۔ تو کہتا ہے دیکھا ہے وانا او حی و

امیت میں بھی زندہ کرتا ہوں، میں بھی مارتا ہوں۔حضرت ابراہیمؑ دلیل تبدیل کر دیتے ہیں کہ ایک دربار کی حد تک محدود تیرے اختیارات اس لازوال رب کریم کے اختیارات کا مقابلہ نہیں کر سکتے جو زمین و آسمان پر محیط ہے ابراہیم اسے کہتے ہیں۔
"قال ابراهیم فان الله یاتی فالشمس من المشرق فات بها من المغرب فبهت الذی کفر"(البقرۃ: آیت ۲۵۸) اگر تو اللہ ہی ہے اور تو نے خدائی ہی کا بیج ڈالنا ہے تو پھر میرا رب تو سورج چاند ستاروں کو اس ترتیب اور اس گردش سے سجائے بیٹھا ہے۔اگر تو سمجھتا ہے کہ تو خدا ہے تو پھر ایسا کر دے کہ تو سورج کو شرق کے بجائے مغرب سے طلوع کروا دے۔ فبهت الذی کفر (البقرۃ:۲۵۸) کافر مبہوت ہو گیا یہ عقلی ہیبت ہے اور مبہوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ابراہیم اس کو ایسے میدان میں لے جائیں گے جو انسانی بس سے ناممکنات کے زمرے میں آتا ہے، کہیں آگے مظاہر فطرت تک جاتا ہے۔ابراہیم کی دلیل یہ تھی کہ اللہ ایک کلیت میں اللہ ہے وہ پوری کائنات کا اللہ ہے تم ایک دربار میں بیٹھے ہوئے ایک فضول سا دعویٰ کر کے، اپنے آپ کو کیسے خدا ڈکلیئر کر سکتے ہو؟

سورۃ بقرہ اس لحاظ سے بڑی دلچسپ۔ ماشاءاللہ تعالیٰ العزیز بڑی تفہیم والی سورت ہے کہ اگر آپ خالی سورہ بقرہ سے گزریں تو آپ کو عقل و معرفت کے وہ بنیادی اصول مل جاتے ہیں جس کی مدد سے آپ نے اللہ کی آگاہی کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔اسی طرح قریباً قریباً تمام وہ بڑے وساوس اور لالچ جو انسان کا رستہ روک سکتے ہیں وہ بھی بنو اسرائیل کے ضمن میں درج ہیں۔

اسی قوم کے سلسلے میں ایک حیرت کی بات سامنے آتی ہے کہ انسان جس چیز کا عادی ہو جائے اسے وہی مل جاتا ہے۔

تو جس قوم کو من وسلویٰ مل رہا ہے، جس کو بادلوں کے سائے میسر ہیں کہ صحراؤں کی تپش ان کو جھلسا نہ دے۔ اس موقع پر بھی وہ لوگ اس آسمانی خانہ نعمت سے تنگ آ کر حضرت موسیٰ کو کہتے ہیں کہ ہمارا تو دل اس سے بڑا تنگ آ گیا ہے۔ہمیں وہی زمینیں چاہئیں، وہی تھوم، پیاز، لہسن، ادرک، مولیاں، گاجریں درکار ہیں خواہ بہشت سے ہمیں جو من وسلویٰ اتر رہا ہے، یہ ہم نہیں کھا سکتے۔ یہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تواتر عادت اور انسانی فطرت یہ ساری کی ساری تھکنے والی چیزیں ہیں۔انسان طبعاً نئی سے نئی تبدیلی اور نئی سے نئی جدت چاہتا ہے۔اپنے کسی مسلک پر قرار نہیں پکڑتا۔اسی طرح سورہ بقرہ میں ہی وہ واقعہ ہے جب اللہ نے ان کو کہا کہ میں نے ان کے سروں پر طور کھڑا کر دیا، تب کہیں جا کے مانے تو ہم دیکھتے ہیں، وہ ایک ایسا زمانہ تھا اور اللہ اس کی خصوصاً نشاندہی کر رہا ہے کہ جبر کے بغیر کسی ذہن کا تبدیل ہونا ممکن نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسان اس وقت اس ابتدائی بچے کی حالت سے گزر رہا تھا جس کے بارے میں استاد کہتے ہیں کہ یعنی ڈنڈا پیتا نہیں اور بچہ بگڑا نہیں۔اس کا بچپنا، شعور، وہ جبلی عادتیں، ایک دوسرے کا سب کو، کاپی کرنا، ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنا اور آنا فاناً رستے سے نکل جانا۔ حسن اور عطبک میں، بتوں کو دیکھ کر خدا کا بت بنانے کی فرمائش کرنا یہ ساری وہ باتیں ہیں جس میں کوئی بندہ کھڑا ہو کے یہ نہیں سوچتا تھا کہ دیکھو ہمارے پاس پیغمبر ہے پیغام ہے اللہ اور اس کی کتاب ہے، اس کے باوجود ان کا یہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان بندروں کی طرح تھے جو صرف ایک دوسرے کو اور اپنے امراء اور رؤساء کو کاپی کرنا چاہتے تھے۔اس لیے وہ بار بار پلٹتے تھے۔ان عبادات کی طرف جیسے وہ مصر میں بڑے بڑے ہیکل اور اہرام چھوڑ آئے

تھے۔ ان میں جب وہ بڑے بڑے ہبل اور دوسرے بتوں اور ان کی ظاہری شان وشوکت سے متاثر ہوتے تھے تو خواہش کرتے تھے کہ خدا کے بت بھی بنانے چاہئیں۔ اس پر غضب خداوندان پر ہوا، ان کو یہ سزا دی کہ تم میں سے نصف نصف کو قتل کرو گے، اس کے بعد سورہ بقرہ ہی میں ان لوگوں کے بارے میں ہے کہ ان کو بار بار بے اعتباری ہو جاتی تھی۔ وہ بار بار ثبوت ڈھونڈتے تھے۔ کبھی ایک معجزہ طلب کرتے تھے، کبھی دوسرا۔ حتیٰ کہ ان کو اللہ نے "فاخذتکم الصعقة وانتم تنظرون" (البقرۃ: آیت ۵۵) بڑے بڑے لوگ اکٹھے کئے، پھر ایک بجلی آئی جوان کو چاٹ گئی "ثم بعثنا کم من بعد موتکم لعلکم تشکرون" (البقرۃ: آیت ۵۶) موت کے بعد پھر تمہیں زندگی دی ہے، بنی اسرائیل۔ مگر اس کا حشر کیا ہوا؟ آپ جا کے پھر بت پرستی کے لالچ میں مبتلا ہو گئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ معجزہ یا اس قسم کا غیر فطری عمل یا خارق عادت ایمان مضبوط نہیں کرتا۔ یہ ایمان کو مضبوط نہیں کرتا بلکہ خارق عادت میں سب سے بڑی پرابلم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نظری دھوکہ آپ کو دے جائے یا چمتکار دکھا جائے تو آناً فاناً آپ اسی تلاش میں بیٹھے ہوتے ہیں کہ کسی محیر العقول اور غیر فطری واقعے سے اپنے ایمان کو مضبوط کریں۔ آپ دیکھتے ہی دیکھتے ایک ایسے شخص کے ساتھ چلے جائیں گے جو سرے سے آپ کا دین اور تمام ایمان غارت کر دے۔ اس لیے اس موقع پر ہمیں پتا لگتا ہے کہ اللہ نے حتمی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ مزید معجزات کی اب گنجائش نہیں۔ پہلے ہی پوری قوم کو مسلسل معجزے دکھانے کے باوجود مجھے کیا ملا؟ اللہ کہتا ہے یہ تو وہ انسان ہی نہیں ہے۔ یہ بلوغت شعور نہیں رکھتا، فیصلہ ہی کرنے کے قابل نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ اب میں مزید معجزات نہیں دکھاؤں گا۔

اب انسان اور آگے بڑھتا اور اتنی میچورٹی حاصل کرتا ہے، اس کے دماغ کی کشادگی اتنی ہوتی ہے، بچپن سے جوانی کی سٹیج میں آتا ہے، اب اکتساب فیض اور اکتساب علم کا وقت ہے، اتنا میچور ہو جاتا ہے کہ اب وہ خدا کا پیغام قبول کر سکتا ہے۔

اس لیے اب محمد رسول اللہؐ کا آنا لازم تھا۔ قرآن کا آنا لازم تھا، سورہ بقرہ میں حضرت ابراہیم کی دعا یہی بتاتی ہے "ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایٰتک ویعلمھم الکتب والحکمة" دعا میں معجزے نہیں طلب کیے گئے بلکہ ایک ایسے رسول کے لیے کہا گیا ہے کہ جوان کو علم وحکمت کا درس دے، جوان کو لکھائے پڑھائے "ویزکیھم" اور ان کو پاک کرے باطنی عمل بھی دے اور ظاہری عمل بھی "انک انت العزیز الحکیم O" (البقرۃ: ۱۲۹)

نزول ترتیب اور ترتیب قرآن میں لوگ اس کی ترتیب میں بے ترتیبی پاتے ہیں۔ ایک آیت بڑی تیزی سے دوسری آیت سے بدلتی ہے، دو بڑی باتیں ہیں جو قرآن میں پائی جاتی ہیں۔ مسئلہ اپنے وقت اور ضرورت کے وقت پیدا ہوتا ہے سب سے خوبصورت بات قرآن میں یہ ہے کہ اس میں فرضی مسائل نہیں پوچھے جاتے۔ مسائل پیدا ہو رہے ہیں، ایک نئی جنریٹنگ سوسائٹی ہے اور تخلیق کا ایک نیا پہلو ہے۔ ایک نیا فلسفہ حیات اور ایک نئی زندگی افکار ہے۔ اس افکار کے مطابق یہ جاننے کی ضرورت پڑتی ہے کہ خدا کی مرضی کیا ہے؟ جوں جوں دین آگے بڑھے گا ہر آدمی اس کو ہر حال میں یہ پوچھنا چاہیے کہ خدا کی مرضی کیا ہے؟ خدا اس معاملے میں کیا چاہتا ہے؟ خدا سود میں کیا کہتا ہے؟ پانی کے بٹوارے اور جائیداد کی تقسیم میں کیا کہتا ہے؟ خدا شکار کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ تو ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن ایک ترتیب یافتہ تھیسز نہیں

ہے بلکہ قرآن مجلس کی انکوائری کی کتاب ہے جہاں ہمہ وقت ایک استاد بیٹھا ہے جو مجسم قرآن ہے جیسے جیسے سوال آ رہے ہیں ویسے ویسے جواب آ رہے ہیں۔ اس لیے قرآن میں ترتیب مضامین کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ یہ ایک ایسے استاد کی کتاب ہے جو حرکت کر رہی ہے اس کو نئے نئے مسائل اور نئے نئے مراحل پیش آ رہے ہیں۔

جیسے ایک عورت حضورؐ کی خدمت میں آئی اور کہا میرے خاوند نے مجھے طلاق دے دی ہے میرے بہت سارے بچے ہیں میں کہاں سے کھاؤں؟ حضورؐ خاموش رہے۔ مجلس تو ظاہر ہے اس قسم کے کسی مسئلے میں نہیں پڑی ہوئی تھی۔ مجلس تو کوئی اور سوال کر رہی تھی، ایک عورت دخل اندازی کرتی ہے اور سوال یہ پیش کر دیتی ہے۔ حضورؐ خاموش رہتے ہیں حتیٰ کہ قرآن کی آیت اترتی ہے اللہ نے اس عورت کی آواز سن لی جو اللہ سے گلہ کر رہی تھی کہ اس کا حل کیا ہے۔

اب اصحاب رسول کو دیکھیے یہ واقعہ بازار میں پیش آ گیا۔ ایک صحابی کے پاس ایک خاتون کھجوریں لینے آئی، وہ اسے اندر لے گئے اور اس پر چابکدستی یا درازدستی کا مظاہرہ کیا تو اس عورت نے کہا خدا سے ڈر۔ چونکہ صحابی تھے اللہ سے ڈر تو ان کا خمیر میں تھا لہٰذا وہ اتنے خوفزدہ ہوئے کہ روتے پیٹتے ہوئے مجلس صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے اور فرمایا یا رسول اللہ میں برباد ہو گیا اور اپنے آپ کو ستون سے باندھ دیا۔ حضور خاموش رہے حتیٰ کہ یہ آیت اتری کہ میاں اگر تم نے کوئی برا کام کیا ہے تو کوئی اچھا کام کرو تمہاری اچھائیاں تمہاری برائیوں کو لے جاتی ہیں۔ تو اسی طرح کے سوالات قرآن کی تمام تاریخ میں پیش آتے ہیں۔

جوں جوں سوال اٹھتا ہے وہاں وہاں جواب دیا جا رہا ہے اس لیے یہ ترتیب آپ کو بظاہر حقیقی ترتیب نظر نہیں آتی۔

غیب کی تعریف وقت اور بندوں کے لحاظ سے ایک نسبتی معلومات کا نام ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ ایک بندہ ایک معاملے میں غیب میں اور دوسرا شہود میں ہو۔ اسی طرح عین ممکن ہے کہ ایک جگہ ایک چیز غائب ہو دوسری جگہ وہ شہادت میں ہو۔ پھر ہو سکتا ہے کہ ایک صدی میں علم یا ایک شناخت غیب میں ہو۔ دوسری صدی میں وہ حضور میں ہو۔ تو اتنے نسبتی علم پر کوئی مستند یا حتمی رائے دینا ناقص ترین علم کی نشاندھی کرتی ہے۔

جہاں تک میرا علم ہے اس کائنات میں صرف ایک غائب ہے اور اس پر بھی شہادت موجود ہے۔ اگر آپ کہیں کہ عذاب قبر غائب ہے تو میں کہتا ہوں ٹھیک ہے غائب ہے لیکن اس وقت میرے پاس اس کا علم نہیں ہے۔ فرض کیجیے ایک پورا سسٹم آپ کے نزدیک غیب میں ہے مگر اس سسٹم کا مالک، آپ کی شہادت میں ہے تو کیا اس کے بعد اس غائب کو ہم غائب کہیں گے؟ فرض کیجیے عذاب قبر غیب ہے برزخ جنت اور دوزخ غیب ہے ملائکہ اور جنات غیب ہیں، یہ ساری چیزیں غائب ہیں مگر ان کا خالق ان کا تخلیق کرنے والا وہ حضور میں ہے۔ شہادت میں ہے۔ آپ کے دل اور دماغ میں ہے آپ کے وجود میں سرایت کر رہا ہے، آپ کی نظر میں اور آپ کے دست و پا میں ہے۔ وہ کہتا ہے محمدؐ تیرے ہاتھ پر اصحاب نے بیعت نہیں کی، میرے ہاتھ پر کی، جو بدر میں کہتا ہے کہ بدر میں تُو نے کنکریاں نہیں پھینکیں میں نے پھینکی ہیں۔ وہ کہتا ہے قاب قوسین و ادنیٰ میں میں اپنے محبوب کے اتنے قریب تھا جیسے دو بھوؤں کا فاصلہ وہ جو یہ کہتا ہے کہ جو کچھ اس نے دیکھا مجھے ٹھیک دیکھا ہے اس نے کوئی خطا نہیں کی اب جب عالم و کائنات لاتعداد کائناتوں اور گلیکسیز کا جس حضور

کی شہادت میں ہو اس کے لیے کیا غیب ہو سکتا ہے؟

لوگ پیغمبروں پر غائب و شہادت کا سوال کرتے ہیں۔ یہ بڑا ناقص سوال ہے جس شخص کا سارا ایمان ایک پیغمبر کی شہادت پر ہو، اس پیغمبر کو کیسے کہہ سکتا ہے کہ اس کو غیب کا علم ہے یا نہیں۔ یہ تھوڑی سی عقل کی بات ہے۔ میں خدا پر یقین لایا رسول اللہ کی وجہ سے۔ ملائکہ پر محمد رسول اللہؐ کی وجہ سے یقین لایا۔ قرآن پر محمد رسول اللہؐ کی وجہ سے اعتبار کیا۔ قرآن تو ایک ہی ہے جو ان کی زبان سے نکلا وہ حدیث ہے جو محمد رسول اللہؐ کی زبان سے ادا ہوئی مگر مجھے فرق کس نے بتایا؟ س نے کہا یہ قرآن اور کسی کا کلام ہے اور یہ میری بات ہے۔ یہ سارا فرق ایک شخص کی صداقت اور امانت پر مبنی ہے۔ جب میں نے اپنے رسول کو صادق مانا، امین مانا، تو میں نے اس کی حاضر باتوں پر بھی یقین کیا اور اس کی غائب باتوں پر بھی یقین کیا۔ اگر ایک شخص میرے غیب و حضور کا امانت دار ہے تو کیسے عجیب سا لگتا ہے کہ میں اسی شخص سے سوال کروں۔ تجھے غائب آتا ہے، تجھے غائب دیا گیا یا نہیں دیا گیا۔ اتنا احمقانہ سوال، شاید مذہب میں پہلے کبھی نہ اٹھا نہ اس کا سامنا کیا گیا۔ جو لوگ بھی اس قسم کا سوال کرتے ہیں، میرے نزدیک ان کا ایمان بالکل مشکوک ہوتا ہے۔ وہ اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں ایمان دار کہا جائے۔

پھر محمد رسول اللہؐ وہ واحد ہستی مبارکہ ہیں جو تواتر سے انبیاء اللہ کے وجود اور ان کی باتوں پر شہادت دیتے چلے آئے تھے۔ کسی نے ملائکہ کے ذریعے اللہ کو پہچانا، کسی نے حضور خداوند سے اس کو پہچانا، کسی نے اس کے اشارہ اور کنایہ، کسی نے براہ راست کلام اور کسی پیغمبر نے اس کے مقدس ترین ملک روح الامین سے اس کو پہچانا، صرف ایک ہستی مبارکہ ہے جس نے اس کی رویت سے اسے پہچانا اور اس پر شہادت دی آخر اس اللہ پر شہادت کیسے مکمل ہو سکتی تھی جس پر رویت کی شہادت نہ ہوتی؟ وہ تو ایک جزوی شہادت تھی اور لوگ کبھی بھی شبہ کر سکتے تھے۔ اگر میں نے کسی کو دیکھا نہ ہو، اس کی باتیں اور اس کے خیال سنے ہوں تو میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ ایسا ہے یا ویسا ہے یہ تو وہی شخص کہہ سکتا ہے اللہ کی طرف سے وہ ڈرا سکتا ہے جو اس کے وجود اور اس کے خیال کی شہادت سے آگاہ ہے۔

پیرا نیڈ اور رسول میں ایک ہی فرق ہے کہ وہ تمام تر شہادتوں کے باوجود جھوٹا ہے اور یہ تمام تر شہادتوں کے ساتھ سچا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں بھی استحکام اور اعتدال پیدا نہیں کر سکتا اور پیغمبر ایک کائنات کو مستحکم اور معتدل کر رہا ہے۔ اتنا سارا فرق تو سب کو محسوس ہوتا ہے۔ اللہ نے اپنے بارے میں جو استعمال کے لفظ عالم الغیب و الشھادۃ یعنی غائب اور شہادت دونوں پر علم حکمران ہے۔ اللہ نے اپنا نام جو رکھا ہے۔ عالم الغیب والشھ دۃ یعنی غائب ہو یا شہادت اس پر علم حکمران ہے "ولا یحیطون بشی ء من علمه الا بماشاء" (البقرۃ:۲۵۵) جیسے اس نے آیت الکرسی میں کہا کہ زمین و آسمان میں ہر ظاہر اور چھپی ہر پوشیدہ حقیقت، طاقت، خبر، غیب اور شہادت پر کوئی چیز حکمران ہے "ھو الاول والاخر والظاھر والباطن وھو بکل شی ء علیم" (الحدید:۳) تو یہ علم سے ہے سمیع اور بصیر، علیم اور لطیف یہ خبیر علم سے ہے اگر علم ہی خبر اور علم ہی شہادت ہے جیسے حضرت موسیٰ کو اس نے کہا کہ تجھے کیسے صبر آئے تجھے علم جو نہیں ہے تو اس بات کی ہمیں پختہ تر شہادت ملتی ہے کہ اللہ کے بعد اگر کوئی سب سے بڑا عالم زمین پر موجود ہے تو وہ اس کا بندہ اور رسول محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس شخص کو اپنے پیغمبر کے علم کے بارے میں شبہ ہے اس سے بڑا نادان مسلمان کوئی نہیں ہو سکتا۔

اب اس پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں۔ ایک اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہؐ کو یہ خبر کیوں نہ ہوئی وہ خبر کیوں نہ ہوئی یہ جو فصل والا معاملہ ہے۔ اس میں ان کو کیوں نہ پتا تھا کہ نقصان ہوگا۔ جیسے ایک حدیث میں ہے اور یہ بار بار رسول اللہؐ کا کہنا کہ مجھے کچھ پتا نہیں ہے البتہ جو میرا رب مجھے بتائے تو رسول اللہؐ کی یہی بات اس مسئلے کے حل کے لیے کافی ہے کہ مجھے تو بس اتنا علم ہے جتنا میرا اللہ مجھے بتاتا ہے۔ اب کسی کو کیا پتا اللہ اپنے محبوب کو کیا بتاتا ہے؟ اللہ اپنے محبوب کو دجال کا بتاتا ہے، قیامت کا بتاتا ہے۔ اللہ اپنی کتاب میں اور آخر مقام فنا اور حوض کوثر کا بتاتا ہے، جنت اور دوزخ کی سیر کرا رہا ہے ملین اور ٹریلین سالوں کی خبر دے رہا ہے پھر بھی وہ لوگ کہتے ہیں کہ لوکل خبر کیوں نہ تھی؟ بڑی سادہ سی بات ہے کہ لوکل خبر روکی جاتی ہے اس لیے کہ مقصود علم کا دینا ہوتا ہے۔ اگر کوئی اس قسم کا انکشاف ہی نہیں کیا گیا اس قسم کی بات نہیں کی گئی یا کسی انداز سے یہ پتا چلا کہ اللہ نے اپنے رسولؐ سے یہ خبر روک لی ہے تو مقصد تحقیر کبھی نہ تھا۔ مقصد یہ نہیں تھا کہ ان کے پاس غیب کا علم نہیں ہے یا اللہ نے نہیں دیا۔ مقصد یہ تھا کہ ان رکاوٹوں کے سبب سے ایک قیمتی ترین حصول علم کا اخراج تھا۔

چلیے اس مصدقہ مثال کو لے لیجیے کہ حضورؐ کے پاس کچھ لوگ آئے، انہوں نے کہا حضورؐ ہم کھجور میں پیوند لگاتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا میں تو پیوند پسند نہیں کرتا فرمایا ہم پیوند نہیں لگائیں گے پھر گئے۔ انہوں نے پیوند نہیں لگایا فصلوں کا نقصان ہوا۔ اگلے برس پھر آئے کہا حضورؐ آپ نے کہا تھا ہم نے پیوند نہیں لگایا۔ نقصان ہوگیا۔ فرمایا میں تو اللہ کا نبیؐ ہوں مجھے تو جو اللہ کہتا ہے میں کہہ دیتا ہوں، کبھی میں اپنے پاس سے اگر بات کر دوں تو اصول یہ ہے کہ تم اپنے تجربات اور اپنے طریقے سے فائدہ اٹھاؤ۔ آپ اس حدیث کو دیکھیں تو سائنس کا قیمتی ترین اصول سامنے آتا ہے جو پیغمبر رہتی دنیا کے لیے چھوڑ گئے۔ مجھے پتا ہے کہ ایک بزنس کے کوائف کیا ہیں مگر میں پریکٹیکل تو نہیں ہوں۔ اگر ایک شخص مجھ سے بزنس کی خبر لینے آتا ہے اور مجھ سے ڈسکس کرتا ہے میں اسے اطلاع اور خبر دے سکتا ہوں مگر میں اس سے یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ میاں تم اس بزنس کے اتار چڑھاؤ جانتے ہو، ذرائع جانتے ہو، تم وہ کام کرو جو تمہارے تجربے میں افضل ترین ہیں۔ مجھ سے دعا کرالو مگر کام وہ کرو جسے تم جانتے ہو جو تمہارا تجربہ ہے۔

دنیا میں جتنی ترقی بھی ہوئی ہے یہ تجربات کے تسلسل سے ہوئی ہے۔ اگر اس طرح غلطی کر کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آپ کو رسک میں ڈالتے تو رہتی دنیا تک اہل اسلام میں یہی ہوتا تھا کہ چاہے حقائق کدھر بھی جا رہے ہوں، آپ یہ کہیں دعا کریں، میرا کام ہو جائے، حقائق کے خلاف دعا غلط ہوتی ہے۔ حضورؐ نے یہ قانون قائم کیا ہے یہ قانون کہ تجربہ انسان کی میراث ہے اور اللہ کی طرف سے اس قانون پر ان کا استدراک ہے کہ کسی قیمت پر بھی تجربے کی شہادت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

سوالات و جوابات

اسلامی ممالک میں اسلامی حکومت کے قیام کا فقدان!

سوال: دنیا میں ستاون اسلامی ملک ہیں ان میں کس میں اسلامی حکومت قائم ہے اگر نہیں تو کیوں؟

جواب: حضرات گرامی As Such تو کسی ملک میں بھی اسلامی حکومت قائم نہیں ہے ہاں البتہ کچھ قبائل میں اسلامی حکومت کے تصور قائم ہیں جیسے سعودی عرب میں ہے جیسے ہمارے پڑوس میں ایک لوکل Interpretation of Islam ضرور موجود ہے۔ مسلمان قومیں بہت سارے بحرانوں اور زوال سے گزری ہیں جیسے میں نے آپ سے عرض کیا۔ ایک بچہ اپنے عقیدے پہ بڑی ضربیں کھاتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہوا ایک متفق علیہ یقین تک پہنچتا ہے یہی اسلام کا ہوا کہ جب یہ قید و بند سے نکلیں غلامی سے نکلیں تو یہ چیلنج میں آئیں۔ چیلنج یہ ہوئی کہ اقوام مغربی کی ظاہری قوت کو انہوں نے دلیل جانا۔ دلیل سمجھا اور اپنی پستی کو مذہبی اقدار سے جانا اصل مسئلے پر تو انہوں نے کبھی غور نہیں کیا۔ اصل مسئلہ پہ اقوام اسلام نے کبھی غور نہیں کیا انہوں نے خدا کی وحدت پہ کبھی اعتبار نہیں کیا انہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ اللہ یہ کہتا ہے۔ "ولاتھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنینO" (آل عمران: آیت ۱۳۹) میرے بارے میں سستی نہ کرنا غم نہ کرنا تم ہی غالب ہو اگر اہل ایمان میں سے ہو۔ خواتین و حضرات! ہمیں بڑے غور سے یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ کہ اگر ہم غالب نہیں ہیں تو پھر اللہ غلط کیوں کہتا ہے ہم اہل ایمان نہیں ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ ہم اہل ایمان نہیں ہیں اگر ہم اہل ایمان ہیں تو خدا نے کتاب میں لکھ دیا ہے میں میرے رسول میرے مومنین ہمیشہ غالب رہینگے تو آپ پلٹتے کیوں نہیں ہو، یہ دیکھتے کیوں نہیں ہو کہ اگر ہم غالب نہیں ہیں تو بڑا واضح یہ اشارہ ہے جو اللہ نے قرآن حکیم میں فرمایا "ولاتھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنینO" (آل عمران: آیت ۱۳۹)۔ کہ سستی نہ کرو غم نہ کرو۔ تم ہی غالب ہو اگر ایمان والے ہو۔ اور اگر ہم غالب نہیں ہیں تو یقیناً ہم اہل ایمان نہیں ہیں۔ کہیں خامی جا رہی ہے۔ کوئی کمی ہے جو ہمارے مذہب فکر میں آ گئی ہے اور وہ ایک سادہ سی خامی ہے اس کا اگر آپ Analysis کرو گے تو بڑا سادہ سا نکلے گا کہ یہ دین اپنی ترجیحات میں بگڑا ہوا ہے۔ مسلمان کی ترجیحات بگڑ چکی ہیں۔ مڈل ایسٹ کو دیکھو نیشنل ازم مدتوں ترجیح اول رہا۔ اور جب وہ نیشنل ازم سے Religion کو آئے تو بھی اللہ ان کی ترجیح اول نہ رہا۔ اسلام تشخص تو ہے مگر اللہ ترجیح اول نہیں ہے۔ یہ بڑی Important بات ہے جو آپ کو یاد رکھنی ہے کہ اسلام موجود ہے جیسے میں نے آپ سے پہلے کہا تھا۔ مگر خدا کی محبت دیکھیے ایمان کی شرائط میں نے آپ کو بتائی تھیں۔ اللہ کے لیے محبت رکھنا اللہ کے لیے نفرت کرنا۔ کیا سعودی عرب والے اللہ کے لیے امریکہ سے محبت فرما رہے ہیں۔ کیا مصر والے اللہ کے لیے محبت فرما رہے ہیں کیا عراق والے خدا کے لیے امریکہ سے نفرت فرما رہے ہیں۔ کیا ہم افریقہ سے اللہ کے لیے محبت فرما رہے ہیں۔ ہم میں ایمان نہیں ہے۔ ہم اپنے دنیاوی تحفظات میں ہیں۔ من جملہ پاکستان کے ہمارا کوئی بھی معتبر صاحب حکومت جملہ عالم اسلام میں خدا کی بندگی اور ایمان کا حق ادا نہیں کر رہا۔ اب آپ کسی سے پوچھو آپ کسی سے کہو جی آپ اچھے مسلمان نہیں ہو۔ وہ کہے گا جاؤ جاؤ اپنا کام کرو ہم تم سے زیادہ صاحب ایمان ہیں۔ ہمیں پتا ہے اسلام کیا ہے۔ ہمارے یہ دعوے ہر انسان کے باطن میں موجود ہیں مگر ترجیحات اسلام سے گریز اور اسلام اس طرح آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔ آپ معجزات طلب کرتے ہیں۔ طالبان کیسا تھ نہیں ہوتے۔ آپ خدا کی مدد تلاش کر رہے تھے۔ اس جدوجہد میں ملوث نہیں تھے۔ آپ خدا کی مدد تلاش کر رہے تھے۔ عراق کو نہیں ملی۔ آپ خدا کی مدد تلاش کر رہے ہو۔ تو اس کی پہلی شرط پوری کرنی ہوگی آپ معجزہ طلب کر رہے ہو آپ کو شرط پوری کرنا ہوگی۔ آپ میں سے کوئی تو صاحب ایمان ہونا ایک تو ہو۔ ایک پر بھی نجات ہے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ

قیامت کب آئے گی۔ فرمایا جب دنیا پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا نہیں رہے گا۔

ایمان کو مستحکم کرنے کا ایک مجرب نسخہ!

سوال: ایمان کو مستحکم کرنے کا کوئی مجرب نسخہ بتائیں۔

جواب: جیسے ابھی دیکھیے میرے یہ دوست فرمارہے تھے۔ کہ جیسے میں نے ابھی آپ کو آخری آیات میں بتایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ لوگ ہیں کہ جو "الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا و علیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموات والارض" (آل عمران ۳-۱۹۱) کھڑے، بیٹھے، کروٹوں کے بل اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ غور وفکر اور علم کی تحصیل کرتے ہیں۔ اور اگر آپ کو ایمان بھی بڑھانا ہے تو یہی وہ طریقے ہیں اور علم میں پھر تمام تر وہ باتیں آئیں گی جیسے اب دیکھیے ایک شخص ہے جو حدیث صرف پڑھتا ہے اور پھر اس کی وجہ سے وہ اا یسے دعویٰ علیت میں جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام کے Basic علوم جو بنیادی شناخت مذہب کے لیے ضروری ہیں وہ آٹھ ہیں۔ قرآن ہے، حدیث ہے، فقہ ہے، سیرت ہے، مغازی ہے، اسماالرجال ہے تو جب تک آپ جستہ جستہ تمام علوم پر تھوڑے سے حاوی نہ ہوں گے۔ یا بقول سید ہجویر جب ان سے پوچھا گیا کہ علوم کی تحصیل کیسی ہے۔ تو فرمایا تمام علوم میں اتنا ضرور حاصل کرو جو خدا کی شناخت اور محبت کے لیے ضروری ہے تو اس سے معلوم تو ایسے ہی ہوتا ہے کہ آج کے دور میں مشرق و مغرب کے تمام علوم کی تحصیل ہمارے لیے ضروری ہے اور ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے Scepticism کے لیے شبہات کے لیے ان چھوٹے چھوٹے سوال وجواب میں نہ پڑیں جن کی Reasoning ہمیں تائل کر لیتی ہے۔ بلکہ خدا انس اور محبت کے لیے ہے اب دیکھیے میں جب امریکہ گیا تھا تو جملہ لوگ مجھ سے ایک ہی سوال کر رہے تھے کہ:

How to know God How to reach God.

سب سے بڑی جو آسٹن یونیورسٹی کے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ نے مجھ سے پوچھا کہ

I tried to find God for fourteen years. I did not find it how did that you find God.

لوگ کہتے ہیں کہ تمہیں خدا نصیب ہے مجھے چودہ سال Research کی وجہ سے کیوں نصیب نہیں ہوا

I just answered in a very simple sentence

میں نے اسے کہا پروفیسر

God is not a by-product of mathematical research it has to be the top priority of the intellectual curiosity.

تو جب تک خدا آپ کی ترجیح اول نہیں بنتا اور کبھی سنی باتیں آپ کی ترجیح! یہ علم نہیں ہے۔ علم یہ ہے کہ آپ یہ جاننے کی کوشش کرو کہ آپ کو کیا نہیں آتا۔ رسول گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ عالم وہ ہے کہ جس کو جو نہ پتا ہو اس کے بارے میں کہے کہ اسے کچھ معلوم نہیں ہے، بجائے اس کے کہ وہ دعویٰ علیت کو اتنا فرخ کرے کہ بہت سارے

شرفا کی پگڑیاں اچھلنا شروع ہو جائیں۔ خواتین و حضرات! اللہ کی طرف علم ہی بڑھاتا ہے جیسے میں نے آپ سے کل عرض کیا کہ خدا خود کہتا ہے۔ "انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" (فاطر: آیت ۲۸) کہ اللہ کی خشیت تو صرف اس کے عالموں میں ہے۔ تصوف میں ایک قول مشہور ہے کہ عارف ضرور عالم ہوتا ہے مگر ہر عالم عارف نہیں ہوتا۔ اس لیے خدا کو جاننے کے لیے علم بہت ضروری ہے۔ اور اس کی تحصیل ہر سطح پر ہو سکتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ کلی عالم ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو موقع مہیا کرے کہ آپ خود استدراک حاصل کر سکیں۔ معین الدین چشتی اجمیری آپ ہی کی طرح تو تھے۔ ایک باغ میں نوکر تھے۔ دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ ادھر سے خواجہ عثمان ہارون کا گزر رہوا۔ انہوں نے بشرہ دیکھا۔ فراست بھی تو بڑا علم ہے نا۔ انہوں نے ماتھا دیکھا چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ کہا کچھ کھانے کو لاؤ۔ آپ نے پلیٹ دھوئی، انگور صاف کیے، حضرت نے سلیقہ بھی دیکھا۔ جب قریب آئے تو۔ تو حضرت نے خوش ہو کر راہِ سلوک پر ڈال دیا۔

ادب میں اقبال اور ملٹن کا مقام

سوال: آپ اپنی گفتگو میں اکثر اوقات علامہ اقبال کا حوالہ دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک بطور شاعر اقبال کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: بات یہ ہے کہ جہاں شاعری کر کے اپنے آپ کو اچھا شاعر سمجھا ہے خوبصورت لہجے والا سمجھا ہے اور جیسے کہتے ہیں ملٹن نے ظلم کیا انگریزی شاعری پر کہ پیچھے کوئی اچھا شاعر پیدا ہونے نہیں دیا تو میں بھی کہتا ہوں کہ اقبال نے بھی ظلم کیا کہ اتنی بڑی شاعری کر گیا کہ اب افتخار عارف صاحب کو مصیبت آن پڑی ہے۔

محمد بھی تیرا جبریل بھی قرآن بھی تیرا مگر یہ حرف شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا۔

آرزو، گلہ اور توقع تو میں کر رہا ہوں اس لیے وہ کہتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ یہ سارا کچھ تیرا ہے پھر بھی میری عرض اور میرا مدعا سنے بغیر تجھے بھی چین نہیں ہے اور میں اپنا مدعا صرف خوبصورت ترین الفاظ میں پیش کرنے کی استطاعت رکھتا ہوں بلکہ حیرت ہے کہ مجھے ان کا ایک شعر یاد رہ گیا ہے۔ مجھے تو اس غزل کا یہ شعر پسند ہے۔

اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا
مجھے فکر جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا ہے

حیات بعد ممات کا فلسفہ!

سوال: مرنے کے بعد انسانی وجود کن کن مراحل سے گزرتا ہے اور اس کی کیا صورتیں ہوتی ہیں؟

جواب: اصل میں بڑا خوبصورت سوال ہے میں نے اس پہ باقاعدہ ایک بہت بڑا لیکچر دیا ہوا ہے سارے معاملات پہ۔ حیات بعد ممات پہ۔ مگر میں آپ کو یہ بتا دوں کہ وجود ختم ہونے کے بعد بھی اپنی آخری منزل کا انتظار کرتا ہے، ہم اس کو برزخ کہتے ہیں۔ تو روح جو ہے تین منازل میں آتی اور تین منازل میں جاتی ہے۔ میں نے آپ سے عرض کیا ہے کہ انسان کی بنیادی Chip Processing ایسی ہے جس میں سارے ریکارڈز ہیں جب اسے کائنات بالا سے لوح

محفوظ کے حکم کے مطابق برزخ میں Shape ملتی ہے Texture ملتا ہے اور اس کو اس کی شکل وشباہت دی جاتی ہے تو اس میں مادہ وزن نہیں ہوتا یعنی روح بنیادی طور پر جب ایک ذرہ حیات کی شکل میں جس میں پوری کی پوری حیات انسانی کے تمام پراسسز لکھے ہوتے ہیں جب برزخ میں آتی ہے تو اس کو لباس دیا جاتا ہے۔ جب وہ برزخ سے آگے بڑھتی ہے تو اس کو مادی وزن دیا جاتا ہے، وجود دیا جاتا ہے۔ جب واپسی ہوتی ہے تو اسی پیٹرن پہ ہوتی ہے کہ پہلے وزن دیا جاتا ہے۔ پھر اس کا تشخص برزخی وجود لیا جاتا ہے پھر اسے قید و بند میں دوسرے وجود دیے جاتے ہیں جو جنت اور جہنم میں دیے جائیں گے جب اس کا برزخی وجود ہٹ جاتا ہے تو اس کو اس کی منازل دکھائی جاتی ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جیسے متعدد احادیث میں فرمایا ہے کہ اس شخص کو جس کے اعمال اچھے نہیں ہیں یا جس نے زندگی میں اچھے کام نہیں کیے یا جو اپنے سوال کے جواب مناسب نہ دے سکا، انٹری ٹیسٹ میں فیل ہو گیا، اس کے لیے جہنم کی منازل کشادہ کی جاتی ہیں، اور وہ شخص جو ابتدائی انٹری ٹیسٹ میں کامیاب ہوا اس کے لیے جنت کی منازل کشادہ جاتی ہیں۔ اگر آپ غور کریں تو یہ جو عذاب قبر کا عرصہ ہے زیادہ Terrible نکلتا ہے۔ آپ کو پتا ہے جاپان والے اپنے قیدیوں کو سزا دیتے تھے تو وہ پانی کی بالٹی کے نیچے ذرا سا سوراخ کر کے پانی کو قیدی کے ماتھے پر گرایا کرتے تھے۔ آپ کے خیال میں یہ کیسی تکلیف ہوگی؟ معمولی سی تکلیف ہوگی۔ ایک قطرے کا بالٹی کے پیندے سے گرنا۔ جب پندرہ بیس قطرے گر جاتے ہیں تو اگلے قطرے کے گرنے کا وہ سائیکک خوف اسے پاگل کر دیتا تھا۔ No-body Survived یا پاگل ہو جاتے تھے یا نروس بریک ڈاؤن ہو جاتا تھا۔ یہ جو سائیک عذاب ہے یہ جاری وساری ہے۔ اس لمحہ تک ان کے پاس پریکٹیکل انسان پہنچے گا اس کی مثال بالکل سادہ سی ہے کہ ایک شخص آپ کو گھر آ کر کہتا ہے کہ آپ کو نیب والے ڈھونڈ رہے ہیں۔ وہ آئیں نہ آئیں آپ تو گئے۔ آپ عذاب قبر میں گئے۔ خواتین وحضرات! اللہ تعالیٰ آپ کو سوچنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، بہر حال

I am very very tankful to you...

مجھے شرمندگی ہو رہی ہے کہ میں نے آپ کو یہاں بہت دیر بٹھایا اور آپ پسینے میں شرابور ہوئے، گرمی بہت تھی۔

مذہب اور سائنس

اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا.

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفونO وسلم علی المرسلینO والحمدللہ رب العلمینO

خواتین وحضرات: آپ کی آمد اور زحمت سماعت کا شکر گزار ہوں۔ کوشش کروں گا آج کے موضوع کو اتنا Explain کر دوں کہ بہت مدتوں کا یہ فساد قلب ونظر جو سائنس اور مذہب کے درمیان ہے یہ کچھ واضح ہو جائے۔ خواتین وحضرات! ایک بات یقینی اور نمایاں ہے کہ کم علم سائنسدانوں اور کم علم تہذیبی رہنماؤں کی وجہ سے سائنس اور مذہب میں اختلاف کی خبریں پیدا ہوئی ہیں۔ ایسا قطعاً نہ تھا۔ بہت زمانہ نہیں ہوا کہ سائنس اپنی اس ترقی یافتہ شکل میں موجود نہ تھی پھر کیا وہ انسان جو دوسری Stone Age سے لے کر تیس ہزار برس تک خدا کے ساتھ رہتا رہا اور ہر زمانے میں اعتقاد، یقین، محبت اور اعتماد سے اللہ کی ذات پر قائم رہا اور کسی نہ کسی شکل میں حتیٰ کہ Taboos کی شکل میں، Voodoos کی شکل میں بھی مذہب کسی نہ کسی صورت میں اس زمانے میں موجود رہا مگر ڈیڑھ دو سو برسوں میں ایک عجیب انقلاب آیا اور وہ انقلاب یہ تھا کہ مذہب کا مالک صرف ایک تھا۔ مذہب کا خالق، صرف ایک تھا۔ وہ اللہ ہو، خدا ہو، ایشور ہو، بھگوان ہو تمام Mythologies ہوں یا تمام مذاہب ہوں اور Mythologies مذہب کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں۔ ان سب میں قادر مطلق اولین حیثیت کی مالک صرف ایک ذات گرامی تھی اور وہ اللہ تھا۔ خدا تھا، ایشور تھا، بھگوان تھا مگر خواتین وحضرات! سائنس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہیں آیا۔ سائنس بذاتہ کوئی شے نہ تھی ایک Institution تھا۔ ایک مظہر تھا۔ ترقی اور ترویج کی ایک کوشش، اس کا اپنا وجود کوئی نہ تھا مگر اس کے خدا بہت تھے۔ مختلف صورتوں میں سائنس کبھی یہ Claim نہیں کر سکتی تھی کہ اس کا مالک ایک ہے۔ تو لیمی بھی اسی کا تھا۔ کوپرنکس بھی اسی کا تھا، گیلیلیو بھی اسی کا تھا، واٹسن بھی اسی کا تھا، ہنری ہرش بھی اسی کا تھا، نیوٹن بھی اسی کا تھا، اور عصر غائب سے لے کر عصر حاضر تک سائنس کے اتنے آقاؤں کی یہ بے چاری لونڈی تھی کہ ان آقاؤں کے نام لینے بھی تاریخ زندگی میں دشوار تھے۔ اس کا حل عجیب وغریب نکلا کہ اتنے سارے خداؤں میں جب Diversions، Cause نہ ہو سکی تو لوگوں نے سائنس کو ایک وجود بخش دیا، سائنس کو ایک ایسی زندگی اور

الوہیت بخش دی کہ اب بجائے اس کے ہم یہ کہیں کہ ڈاکٹر واٹسن مذہب کے خلاف ہے یا آئزک نیوٹن خلاف ہے یا آئن سٹائن خلاف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ سائنس مذہب کے خلاف ہے۔ سائنس جو بذاتہ کوئی اختیار کوئی Authority کوئی وجود نہیں رکھتی، ہم اس کو مذہب کے خلاف قرار دیتے ہیں مگر خواتین وحضرات! ایک اور بھی بڑی بدقسمتی ہے مذہب کے ساتھ۔ اور Sciences میں ایک بہت بڑا اختلاف اور بھی تھا جس کی طرف شاید کسی دانشور کی توجہ نہیں گئی۔ وہ بڑا آسان سا فرق تھا کہ سائنس دانوں نے ایک دوسرے کو اپنا حریف نہیں جانا۔ آج کے سائنسدان نے پچھلے سائنسدان کو تسلیم کیا، اس سے پچھلے سائنس دان نے اس سے پچھلے سائنس دان کو تسلیم کیا۔ اگر چہ ہاکنگ دنیائے حیرت کا آج ایک بہت بڑا نمائندہ ہو مگر وہ تو لیمی کی، حکیم بطلیموس کی اس کوشش سے انکار نہیں کر سکتا جو اس نے پہلے جدول شمسی دے کر کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سائنس بغیر تصادم آگے بڑھتی گئی بغیر جنگ کے، بغیر ایک دوسرے کی مخالفت کے آگے بڑھتی گئی اور ایک ایسی Continuity تھی جس میں کسی وقت بھی کوئی علمی فساد نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس خواتین وحضرات! الہیات آغاز سے ہی تصادم کا شکار ہو گیا۔ خواتین وحضرات اس سلسلے میں سب سے بڑا Role جو ادا کیا قوم یہود نے ادا کیا۔ وہ خداوند کریم جو صاحب کائنات تھا۔ وہ جو مذہب کا خالق تھا مالک تھا۔ ساری کائنات کے لیے تھا ایک ان پڑھ اور جاہل قوم یہود کے بارے میں بڑی غلط فہمیاں ہیں کہ بڑی دانا اور بینا قوم ہے۔ مگر خداوند کریم نے جو قرآن حکیم میں اس قوم کی تاریخ بیان کی ہے شاید عقلاً اس سے کوئی بدترین قوم زمین پر پیدا نہیں ہوئی جس نے اس صاحب کائنات کو اس تخلیق کار کو، اتنی بڑی قوت کو، ایک گھروندے میں قید کرنے کی کوشش کی۔ کبھی بنو اسرائیل کا خدا کہا کبھی اپنے دادا ابا کے Status پر رکھا کبھی اس کو اپنا Uncle بنا لیا اور خدائے مطلق کو انہوں نے اپنے مذہبی لسانی اور مختلف چھوٹے چھوٹے گروہوں میں قید کر کے اس کی آفاقیت کو محدود کرنے کی کوشش کی۔ خواتین وحضرات پہلے Christians بھی یہودی تھے۔ بنو اسرائیل میں سے کچھ نے اس کو قبول کیا تھا۔ اور کچھ عرصہ کی سلامتیٔ ذہن کے بعد وہ بھی اسی تضادِ عقل و ذہن کا شکار ہو گئے اور اب انہوں نے دوسری کوشش کے تحت اس خدا کو مزید بنو اسرائیل کے فکری اور نظری گمانوں کا اسیر کر لیا بلکہ انہوں نے تو اسے مکمل فیملی مین قرار دے کر اس کے بال بچے بھی پیدا کرنے شروع کر دیے اس کی بیوی بھی تخلیق کر دی اور اس کو فرزند بھی مہیا کر دیا۔ خواتین و حضرات اور ایک مذہبی گروہ دوسرے مذہبی گروہ کے خلاف ہو گیا۔ اگر تھوڑا سا بالائے عصبیت جا کر دیکھا جائے اور اس حماقت کو بیچ میں سے نکال دیا جائے تو مذہب جو قرآن کی صورت میں ختم ہوا، اللہ جس نے اسلام کو آخری مذہب قرار دیا اور یہ فرما دیا کہ ان الدین عنداللہ الاسلام اب میرے نزدیک تمام مذاہب جو ہیں وہ ان سے صرف نظر کرو اور صرف ایک ہی مذہب میرے نزدیک رہ راست کا مذہب ہے اور اگر میری کوئی سند چاہتا ہے کہ مجھے کیا چیز پسند ہے اور کیا چیز نا پسند ہے تو پھر صرف میرے نزدیک ان الدین عنداللہ الاسلام اور فرض کرو اگر تم اسلام سے ہٹ کر کسی یوگا سے یا اگر تم کسی اور ذریعے سے مجھ کو پانے کی کوشش کرو یا یہ

Hundred thousand spiritualistic schools.

جو تم نے Create کیے ہوئے ہیں یا یہ Intellectual Concepts کہ خدا ہر شخص کو، ہر مذہب کو ہر رستے سے مل جاتا ہیں اسے یکسر باطل قرار دیتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا اور اب کسی مذہب میں، کسی فرقے میں، کسی گروہ میں،

کسی Christianity میں کسی یہودیت میں خدا شناس نہیں ہوگا؟ Why, why not آخر اتنے بڑے زعیم انسان جو خدا کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں اور اپنے تصرف کے قابل سمجھتے ہیں وہ آخر کیوں اسی خدا کو نہیں پا سکتے۔ فرمایا اب اگر کوئی اسلام کے سوا کسی اور رستے پہ چل کر میرے پاس آیا تو میں قبول نہیں کروں گا۔ خواتین و حضرات! اس کی ایک اور بھی وجہ تھی مذہب ترقی یافتہ ہو رہا تھا۔ اس کے رستے کاٹے گئے، اس پہ پہرے بٹھائے گئے، اس پہ خاندانوں کے تصرف جتائے گئے اور اس سارے تصرف میں، اس میں بادشاہوں کی رضا ڈھونڈی گئی، اس میں تکلم، اس کے انداز، ایسی ایسی چیزیں لائی گئیں کہ خدا اپنی ان کتابوں سے بھی برأت حاصل کر گیا۔ وہ اللہ وہ صاحب تخلیق ان کتابوں سے بھی برأت حاصل کر گیا اور اس نے واضح طور پہ کہہ دیا کہ اب میں کسی کتاب کی کوئی ضمانت نہیں دیتا۔ اب کوئی کتاب میری کتاب نہیں۔ کلام میرا ہے مگر ان الفاظ کی ان فقرات کی میں کوئی ذمہ داری نہیں لیتا۔ اب صرف اگر کسی نے مجھے جاننا ہے یا میری صداقت کو پرکھنا ہے تو اب بائبل اور تورات سے نہیں، تالموس سے نہیں، نغمات سلیمانؑ اور داؤد سے نہیں، اب اگر مجھے تم نے جاننا ہے، پرکھنا ہے، مجھ پہ شک کرنا ہے، میرے وجود کی تصدیق چاہتے ہو، میں کون ہوں، جاننا چاہتے ہو تو تمہارے پاس صرف ایک کتاب ہے جس کے ہر لفظ کی، ہر فقرے کی، ہر جملے کی، ہر زیر کی، ہر زبر کی، مطلق حفاظت خود میرے ذمے ہے۔ ''انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون'' کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ خواتین و حضرات! درمیانی صدی میں وہ بڑا مشہور شعر ہے، اہل اسلام کے لیے تو وہ طعنے کے طور پہ Serve ہوگا کہ

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن

خواتین و حضرات! وہی مسلمانوں کے ساتھ ہوا، ادھر قسطنطنیہ کا Fall ہوا، ادھر قرطبہ کی درس گاہوں میں علم و حکمت کے چراغ جلے اور وہاں سے علم کی ترسیل شروع ہوئی۔ یورپ میں Renaissance اور Reformation شروع ہوئی اور اس ترسیل علم سے دورِ جہالت علمیہ یورپ ختم ہوا۔ نئی آگہی اور نئی روشنی پیدا ہوئی مگر جب نئی آگہی اور نئی روشنی پیدا ہوئی تو مقابل وہ نہ تھے۔ مقابل اسلام نہ تھا۔ مقابل قرآن نہ تھا۔ ذرا غور فرمائیے اس وقت قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں چند ایک تحقیقات ہوئیں ایک مشہور فرنچ پادری نے اپنے بڑے تاریخی جملے میں لکھا کہ مسلمان ایک دیوتا کی پرستش کرتے ہیں جس کا نام محیط ہے۔ خواتین و حضرات! اگر ایک طرف قرطبہ اور بغداد میں بڑے بڑے علماء کا نام روشن تھا۔ بڑے بڑے دانشور تھے بڑے بڑے Sceptics تھے۔ شبہہ کرنا بھی یورپ کو، انداز تحقیق بھی یورپ کو ابن سینا اور فارابی نے دی، ابن رشد نے دی۔ بڑے بڑے پاکستان میں سائنسدان بھی ہو گزرے ہیں، ہود بھائی ہیں افتخار بھائی بھی ہیں خالد بھائی بھی ہیں۔ بڑے بڑے بھائی ہیں۔ خواتین و حضرات! ایک بات سمجھ نہیں آتی۔ جب وہ کہتے ہیں کہ اسلام میں Sciences نہیں تھیں یا اسلام کے لوگ سائنسدان نہیں ہوتے تھے تو بذات خود یہ لوگ اپنے وجود کا انکار کر رہے ہوتے ہیں۔ تم مسلمان اپنے آپ کو مسلمان کہلوانا چھوڑ دو یا اپنے آپ کو اسلامی سائنسدان کہلوانا چھوڑ دو۔ اگر پندرہ سو برس کے بعد ہود بھائی سائنسدان ہو سکتے ہیں تو پہلے بھی تو کئی چھوٹے موٹے ایک دو تو ہوتے ہی ہوں گے۔ اب اگر تم Math کو بھی سائنس کہتے ہو اور الجبرا کو بھی سائنس کہتے ہو تو ابھی تک کیا الخوارزمی کا شروع کیا ہوا وہی نام آج تک دنیا کی ساری یونیورسٹیوں میں مستعمل الجبرا والمقابلہ کے نام سے نہیں۔ کیا وہ Sciences

نہیں۔ کیا Sciences سے مراد صرف Physics ہے، Cosmology ہے کیا Sciences سے مراد صرف وہ علم ہے جو صرف آج کے دور کے لیے مختص تھا۔ اگر بارہویں تیرہویں اور گیارہویں صدی میں ایٹم بم کی ضرورت نہ تھی کہ کردگار کی وجہ سے علم ان صدیوں سے آگے نہیں بڑھا تو کیا اتنے بڑے سائنسدان ہونے کے باوجود ان کو عقل نہیں آتی کہ اس وقت Latest قسم کے صنعت و حرفت کی ضرورت نہ تھی۔ جب ایک موچی اپنے ہاتھ سے سارے معاشرے کی جوتیاں بنا لیتا تھا تو پھر اتنے اتنے بڑے کارخانے بنانے کی کیا ضرورت تھی۔

خواتین و حضرات! یہ سوڈو سائنٹسٹ جو ہوتا ہے۔ سوڈو سائنٹسٹ کی اصطلاح کا ذکر میں اس لیے آپ سے کر رہا ہوں کہ جس کا اپنا Calibre اس سائنس میں کوئی خاص موجود نہیں ہوتا مگر وہ ایک خاص قسم کے Specticism کا اظہار صرف اس لیے کرتا ہے کہ اسے اپنے وجود تحقیق سے باہر کچھ تشخیص کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں آپ کو چند بڑے لوگوں کے مذہب پر احمقانہ Remarks ضرور سناؤں گا۔ Russel جب Christanity کی بڑی شدید مخالفت فرما رہے تھے۔ آپ کو پتا ہے کہ مسلمان کو اپنا تعصب تو بڑا ہے تو کسی مسلمان نے اسے Letter to the Bertarnd Russel میں یہ لکھ دیا کہ اے دانشور زمانہ آخر تم نے قرآن نہیں پڑھا تم نے جو اتنی Bible پر تنقید کی ہے تو تم نے قرآن نہیں پڑھا، تو خواتین و حضرات اس نے جواب دیا All gospel truth is alike, Why Should I? ملاحظہ کیجیے اس سے بدترین علمی بددیانتی کوئی ہو سکتی ہے— کہ All gospel truth is alike, Why Should I? کہ کیوں پڑھوں ساری الہامی کتابیں ایک جیسی تو ہیں اور خواتین و حضرات آپ آج تھوڑا سا آزما کے دیکھ لیجیے۔ بائبل کو تھوڑا سا پڑھ لیجیے تھوڑا سا قرآن کو پڑھ لیجیے۔ ذرا بتایئے تو سہی کہ کیا واقعی Russel سچے تھے۔ کیا بغیر پڑھے ہر اس قسم کی کسی کتاب پر احمقانہ تنقید اتنے بڑے آدمی کو جس کے نام کے ساتھ Century منسوب کر دی گئی جائز ہے؟ ایک بات سنیے جو موصوف ایک بہت بڑے Cosmologist ہیں دانشورانِ عصر میں سے ہیں، خود بھائی کے استادوں میں سے ہوں گے، افتخار بھائی کے استادوں میں ہوں گے، بہت بڑے عالم ہوں گے، کارل سیگاں کا نام کس نے نہیں سنا ہوگا۔ کارل سیگاں فرماتے ہیں اسلام Science کے خلاف ہے۔ اجی بھلا کیوں خلاف ہے۔ اس لیے کہ شیخ نجد شیخ عبدالعزیز نے فتویٰ دیا ہے کہ زمین چپٹی ہے۔ بقول بطلیموس کے، اگر آپ اس پورے واقعے کو پڑھیں جو اس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے تو یورپ کے اس عظیم سائنس دان سے دل چاہتا ہے یہ پوچھنے کو کہ اے بندہ خدا اگر تو اتنا بڑا جاہل تھا تو تجھے مذہب پہ Opinion دینے کی ضرورت کیا تھی۔ فرمایا کہ چونکہ شیخ عبدالعزیز نجدی نے فتویٰ دیا ہے کہ بقول بطلیموس کے زمین چپٹی ہے اور جو شخص زمین کو گول کہے گا اس پہ فتوائے کفر نافذ ہوگا۔ خواتین و حضرات! شیخ عبدالعزیز نجدی کی اس رائے پہ بنیاد کر کے کارل سیگاں فرماتے ہیں کہ اسلام Sciences کے خلاف ہے۔ خواتین و حضرات مسئلہ اک بڑا پیچیدہ سا پیدا ہو جاتا ہے کہ تمام تنقید جو مذہب پہ آ رہی ہے تمام تنقید کا ماخذ کیا ہے اور کیوں آ رہی ہے اور کس لیے مذہب کو Sciences کے خلاف لڑایا جا رہا ہے اور Sciences کو خدائی کا رتبہ کیوں دیا جا رہا ہے وہ چیز اللہ نے قرآن میں بڑی خوبصورتی سے بیان کی ہے۔ فرمایا ہم نے جن و انس میں انسان کو برتری بخشی۔ انسان کو تفوق بخشا۔ انسان کو مسجودِ ملائک کیا۔ انسان کو کائنات کی بہترین مخلوق قرار دیا مگر جب انسان خود ہی اپنے سے کمتر مخلوق کو خدا ماننا شروع کر دے گا جب انسان خود ہی

جنات کے وجود کو حاکم و مالک تسلیم کرنا شروع کردے گا تو پھر ہم کیا کریں۔ بات تو بڑی سچی ہے اللہ کی کہ خداوند کریم فرما رہے ہیں کہ اے حضرتِ انسان میں نے تمہیں عالم بنایا، حاکم بنایا، کتاب دی حکمت دی ابھی تو قاری صاحب پڑھ کے ہٹے ہیں کہ "یؤتی الحکمۃ من یشاء" جسے چاہتا ہوں حکمت عطا کرتا ہوں۔ اور جسے میں نے حکمت عطا کر دی اسے خیر کثیر عطا کر دی۔ اب جب اللہ نے بندے کو خیر کثیر عطا کر دی اور پھر جنات کو رغبت کریں ان کو حاکم سمجھیں اپنا بادشاہ سمجھیں، اپنے نفع و نقصان کا سبب سمجھیں، تو خطا پھر اللہ کے ضمن میں نہیں جائے گی۔ اے حضرت انسان جب تم خود اپنے شرف سیادت کو مجروح کر رہے ہو تو پھر اس میں خدا سے گلہ کیا ہے خواتین و حضرات! خداوند کریم واضح طور پر کہہ رہا ہے کہ باقی کتابوں کی میں سند نہیں دیتا۔ میں ان کو Own نہیں کرتا، وہ میرے لفظ نہیں ہیں۔ یہ اعلان جتنے کے باوجود ان لوگوں نے میرے اس کلام میں تحریف کر دی، ان کی نوعیت بدل دی۔ کسی نے نفع کی خاطر، کسی نے وجاہت کی خاطر، کسی نے اپنی علمیت کی خاطر ان کتابوں میں تحریف کر دی۔ اس لیے اے میرے بندو میں اب ان کتابوں کو Own نہیں کرتا۔ مذہب اب Complete ہو چکا ہے اور میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اگر کوئی کتاب میں تمہارے حوالے کر دوں تو تم اسے تحریف کیے بغیر نہیں چھوڑتے۔ اس لیے میں نے تمہاری حفاظت اٹھالی اور اب جو کتاب تمہیں دے رہا ہوں، یہ جو قرآن تمہیں دے رہا ہوں اب اس قرآن کے لیے تمہاری حفاظت مجھے نہیں چاہیے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ چونکہ زمانے میں بڑے بڑے دانشور آنے والے ہیں بڑے بڑے سائنسدان آنے والے ہیں ان کو بڑا اعتراض ہوگا میری ذات پر ان کو بڑا اعتراض ہوگا میری خلاقیت، پر اس لیے اب اس کتاب کی حفاظت تمہارے ذمے نہیں چھوڑوں گا۔ ہم نے اس کتاب کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

خواتین و حضرات! پندرہ سو برس گئے۔ پندرہ سو برس میں زبان میں کیا تحریف ہوتی ہے کیا تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ کیا ہم پندرہ سو برس پہلے کی انگریزی سے آشنا ہیں۔ آج سے پہلے جو انگریزی پندرھویں صدی میں بولی جاتی تھی وہ چاسر جس کو انگریزی کا فادر کہتے ہیں جس کو ماڈرن انگلش کا استاد کہتے ہیں اس کے اگر چار مصرعے آپ کو سنا دوں تو آپ حیران ہوں گے کہ میں انگریزی بول رہا ہوں یا کوئی طلسماتی زبان بول رہا ہوں۔

حضرات گرامی! جب تک آپ انگریزی ادب کے طالب علم نہ ہوں گے اور قدیم انگریزی ادب کے طالب علم نہ ہوں گے آپ اس میں سے ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکیں گے چہ جائیکہ پندرہ سو برس کی وہ کتاب، وہ خوبصورت کتاب، وہ اعلیٰ ترین ذہانتوں کی کتاب وہ پروردگار کے علم و حکمت کی کتاب آج بھی ایک ایک لفظ ایک ایک حرف سے دلوں میں اترتی ہے دماغوں میں اترتی ہے۔ رب کعبہ کی قسم آج تک پورے انسانوں نے مل کر اتنے آنسو نہیں بہائے ہوں گے جتنے اس کتاب کی تلاوت کے وقت سچے دل والوں نے بہائے ہوئے ہیں۔ خواتین و حضرات! دیکھنا یہ ہے آخر فرق کہاں تھا۔ Sciences کی میں نے آپ سے عرض کی سب سے بڑی حماقت یہ تھی کہ انہوں نے ایسے جیسے میں Science پر گفتگو کر رہا ہوں، میں سائنسدان نہیں ہوں، اس لیے اگر ظاہر ہے کہ کسی نازک طبع پر گفتگو کروں گا تو ہوسکتا ہے کوئی ماہرین سائنس مجھے کچھ تمسخر تاب سمجھے، مضحکہ خیز کوشش سمجھے، ایسے ہی جیسے کوئی

Specialist doctor of neurology.

گزرتے ہوئے سڑک کے کنارے جعلی دوائیاں بیچنے والے کسی شخص پہ ہنس دے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی اپنے Field سے باہر نکلتا ہے تو وہ Quack کا درجہ رکھتا ہے۔ ناقص العقل ہوتا ہے۔ اس کو یہ حق نہیں حاصل کہ وہ اپنی استعداد سے آگے بڑھ کسی چیز کو Discuss کرے۔ میں نے اس دن دیکھا معاف کیجیے گا یہ Particular مثال نہیں کیونکہ پاکستان میں بھی ایسے دانشور موجود ہیں کہ ڈاکٹر ہود بھائی بھی اپنے مذہب کے خلاف مثال دینے کے لیے Islamic University کے ایک استاد کو Quote کر رہے ہیں۔ بھئی بندۂ خدا جس تحقیق و جستجو سے تم نے Housten، Harward کے Corridors میں مارچ کیا ہے تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لیتے قرآن پڑھنے میں۔ خواتین و حضرات کتنی بڑی ستم کی بات ہے اٹھارہ سال لگا دیے Fleming نے ایک Cultural plate پہ اور اتفاقاً Penicillin دریافت کر لی۔ بارہ سال ہیزش ہرش نے لگا دیے اور Frequency of light دریافت کر لی۔ آپ نے کوئی ایسا سائنسدان دیکھا ہے آپ نے کہ جس نے چٹکی بجائی کھل جا سم سم کہا اور ایک سائنسی تحقیق اس کے وجود میں اتر آئی ہو۔ مدتوں غور و فکر کے بعد Snake-tail فارمولا حاصل ہوا یا بیٹھے بیٹھے کسی سائنسدان کے وجدان میں اتر آیا؟ سیب گرنے سے تو نیوٹن کو مقام نظر نہیں نصیب ہوا۔ پہلے بھی بارہ سال وہ اسی چیز پر غور و فکر کر رہا تھا۔ کوئی سائنسی تحقیق ایسی نہیں ہے جس میں غور و فکر اور جستجو کے بغیر، مدتوں راتوں کے چراغ جلائے بغیر، کوئی چیز حاصل ہوئی ہو۔

خواتین و حضرات! میں یہاں اہل سائنس سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ اتنی محنت ریاضی کے ایک فارمولے اور کیچڑ کے اچھلنے کی تربیت پر کر دیتے ہو کہ یہ بھی ایک اصول سے اچھلتا ہے۔ تو کم از کم تم سے تھوڑی سی محنت قرآن پہ نہیں کی گئی۔

خواتین و حضرات سائنس میں اور قرآن میں بہت بڑا فرق ہے، بہت بڑا فرق ہے۔ ایک کتاب تخلیق ہے اور ایک جستجو اور تحقیق ہے۔ کتاب تخلیق اور جستجو اور تحقیق میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اللہ کی کتاب کتاب تخلیق ہے وہ جب کوئی بات کرے گا تو وہ کوئی اٹکل پچو کی نہیں، وہ اٹکل پچو کی بات نہیں کرے گا۔ اس نے چیزیں بنائی ہیں، اس نے تخلیق کی ہیں، وہ آپ کو فارمولے پڑھائے یا آپ کو Quantum اور Relativity بتائے۔ آپ کا تو اپنا حال برا ہے۔ سائنسدان کا! کل نیوٹن کی Gravity لاگو تھی، High Speed پر گئی تو نہیں لاگو رہی، پہلے General Relativity تھی اب Special relativity نکل آئی۔ کل کوانٹم میں بڑی certainity تھی اب Theories of un-certainity نکل آئیں۔ کل ایک جہت تھی، اب شش جہات میں جہات ہی جہات ہیں۔ کل آپ کچھ اور سوچ رہے تھے۔ آج کچھ اور سوچ رہے ہوں گے۔ اس جستجو کو بیکار نہیں کہا جا سکتا۔ Sciences کی تحقیق کو بیکار نہیں کہا جا سکتا، اس کے فوائد بڑے ہیں مگر خواتین و حضرات ایک Toaster دے کر ایک Washing machine دے کر اور ایک بجلی کا لیمپ دے کر اتنے بڑے اعتقاد کو خرید لینا بھی تو سائنس کو Suit نہیں کرتا۔ یہ تو ہم مانتے ہیں کہ ہمیں کچھ سہولتیں سائنس سے حاصل ہیں مگر خواتین و حضرات اتنی چھوٹی چھوٹی قیمتیں دیکر پوری کائنات کے، پورے دین کے، پوری دنیا کے، پورے علم کی Diversion تو آپ کو قبول نہیں ہونی چاہیئے۔ آیئے ہم ذرا سوال کر کے دیکھیں، ہم کہاں جا رہے ہیں۔ کیا کسی سائنسدان نے، کسی ادیب نے، کسی شرقی نے، کسی مغربی نے، کسی Russel نے، کسی Whitehead نے، کسی Kant

نے، کسی Hagel نے، کسی Watson نے، کسی James نے یہ سوال حل کیا کہ زمین پر ہم آزاد ہیں کہ غلام ہیں؟ کیا خوشی کی بات ہوتی، آپ کے سر پر اللہ کا بھوت نہ لٹک رہا ہوتا، کیا خوشی کی بات ہوتی۔ خواتین وحضرات ہماری تو زندگی کا عذاب اللہ ہے، یہ نہ کرو، کیوں نہ کرو جی اللہ۔ یہ نہ کرو اللہ۔ دو گھونٹ نہ پیو، اللہ۔ یہ برا کام نہ کرو اللہ۔ بے ایمانی نہ کرنا اللہ۔ خواتین وحضرات! ہر Accountability کا رخ اللہ کو ہے اور اگر اللہ نہ ہوتا تو کیا آزادی ہوتی۔ میں نے Survive کرنا تھا، آپ کو قتل کر کے ہوتا یا آپ کے ساتھ مل کے، مجھے کیا تھا۔ میں ایک خودغرض انسان ہوں۔ زندگی میں نے ایک مرتبہ بسر کرنا ہوتی ہے۔ مجھے اپنی جان اور Survival کا تحفظ کرتے ہوئے چاہے جو مرضی بھی کرتا میرا کام یہ تھا کہ قبر تک پوری پوری Exploitation اپنی صلاحیتوں کی کر کے پہنچتا، چاہے اس میں، میں آدھی دنیا کو عذاب میں مبتلا کر کے پہنچتا۔ مگر بدقسمتی تو یہ ہے میری نہیں یہ تو ہر مشرقی اور مغربی کی ہے۔ ہر سائنسدان اور ہر مذہبی کی ہے کہ پہلے اس سوال کا تعین تو کر لو میاں، "و قلنا اهبطوا بعضكم لبعض عدوٌ ولكم في الارض مستقر و متاع الى حين" (البقرۃ: آیت ۳۶) کہ کوئی شخص یہ کہہ رہا ہے جاؤ نیچے اترو، تمہیں کیمپ میں ڈال دیا میں نے۔ جاؤ نیچے اترو۔ "مستقر و متاع الیٰ حین" تھوڑا عرصہ تم نے اس میں رہنا ہے تھوڑا عرصہ اور اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ خواتین وحضرات یہاں پھر ایک بہت بڑی بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ اگر آپ مذہب کو جانتے ہو تو وہ خدا زمین پر آپ کے عرصہ حیات کا تعین کر رہا ہے جو Ciences نہیں کر سکتیں۔ Sciences مستقبل پہ رائے نہیں دے سکتی۔ Probabilities کے خواب دیکھ سکتی ہے سوچ سکتی ہے مگر فیصلہ نہیں دے سکتی مگر مذہب، اللہ جو مذہب کا خالق و مالک ہے وہ فیصلہ دے رہا ہے کہ اے حضرت انسان تو یکا نہیں ہے تو عارضی ایک مستقر میں ہے، تو ایک چھوٹی سی جگہ میں ہے، تیرا ایک آغاز ہے، تیرا ایک انجام ہے آغاز بھی میں جانتا ہوں انجام بھی میں جانتا ہوں۔ اس عرصہ حیات کو کبھی مستقل نہ سمجھنا اور خواتین وحضرات سائنس کے وہم وگمان میں نہیں ہے کہ اس زمین کے علاوہ وہ یہ سوچ رہے ہیں کہ یہاں سے ہم نکلیں گے، ہم مریخ پہ آباد ہوں گے۔ اس سے آگے بستیاں بنائیں گے۔ ہم تسخیر کائنات کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ خدائی ہماری ہوگی، پھر ہم خود ہی اللہ بنتے چلے جائیں گے اور جو کوئی بھی مفروضہ خدا اور قادر کا ہے وہ ہمارے پاؤں تلے پامال ہوگا۔ خواب تو بہت اچھا ہے مجھے بھی اچھا لگتا ہے

If there is no God. if there is no such a high power intruder into our personal lives, what a beauty it would be.

میں بھی اپنی زندگی کے لیے زندہ رہوں گا اور مروں گا۔ میں بھی اسی کائنات کو آگے بڑھاؤں گا مگر افسوس یہ ہے کہ مجھے یہ جواب سائنسدان سے چاہیے۔ مجھے یہ جواب ہر اس Meta Physician سے چاہیے تھا جو علم وادب اور سائنس اور فلسفہ کی شاہراہوں سے گزر رہا ہے۔ کہ اے بندگانِ خدا، اے دانشورانِ عصر کوئی تو پندرہ بیس سال یہ تحقیق کرتا خدا کے موضوع پر۔ کوئی تو کہتا کہ میں نے پورے پورے Scientific Instrument استعمال کر لیے ہیں، میں نے اسی پیچیدگی سے اس موضوع کو جانچا پرکھا ہے جیسے میں Penicillin پر کھ رہا تھا یا Mycin کی تحقیق کر رہا تھا یا Rutherford کی طرح ایٹم کی دریافت کر رہا تھا یا Helix کی طرح Watson کی طرح کر رہا تھا۔ کوئی پچیس سال

لگا کے آ کے مجھے اور آپ کو کہہ دیتا، بڑا سوچا، بڑی غرق کی زندگی، بڑی تحقیق کی، خدا کوئی نہیں ہے آزاد پھرو۔ پورے کے پورے علم کو اس تعلیم و تحقیق نے Diversion میں ڈال دیا۔ اللہ نے بڑا سچ کہا تھا اتار دوں گا۔ اس کو Main Question سے نکال دوں گا۔ اس کی Top priority مسخ کر دوں گا۔ چاہے میں Sciences کے ذریعے کروں یا Philosophies کے ذریعے کروں۔ میں اس کو خدا کے رستے سے نکال دوں گا۔ میں اسے تیری طرف نہیں بڑھنے دوں گا۔ یہ شاہراہ پہ نہیں آئے گا۔ یہ پگڈنڈیوں میں جائے گا۔ جنگلوں میں جائے گا۔ اس کو نکہت و نور کے نظارے ضرور نصیب ہوں گے مگر رب کعبہ تیری قسم ہے میں اسے تیرے جلال و جمال تک نہیں پہنچنے دوں گا۔ آج کی تاریخ دیکھی جائے تو شیطان کامیاب ہے۔ یقیناً کامیاب ہے۔ خواتین و حضرات یہ سائنس کی دوسری بڑی کمزوری ہے کہ بغیر تحقیق مذہب پر الزام لگاتی ہے۔ Science is secular نہ Moral نہ Immoral ہے۔ نہ آپ سائنس کو بداخلاق کہہ سکتے ہو نہ ہی اخلاق والی کہہ سکتے ہو۔ یہ عام Moral ہے۔ جو شخص اس کو جس مقصد کے لیے چاہے گا استعمال کرے گا۔ وہ اچھا برا مقصد اس کے استعمال کرنے والے کے ذہن میں ہے۔ سائنس ایسا کچھ شخصی وجود تو نہیں کہ اس کو خدا کا حریف کہوں یا مذہب کا حریف کہوں۔ سائنس کے پیچھے تو بہت سارے خداؤں کا ٹولہ ہے کہ مذہب اور سائنسز ایک دوسرے کا تحقیقی جزو ہیں۔ اللہ کو سائنس سے بہتر کوئی چیز پسند نہیں۔ فرمایا

"یؤتی الحکمة من یشآء و من یؤت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً" (البقرۃ: آیت ۲۶۹) کہ میں نے سب سے بڑی نعمت اگر کوئی انسان کو عطا کی ہے تو حکمت ہے اور جسے حکمت عطا کرتا ہوں اسے خیر کثیر عطا کر دیتا ہوں۔ وہ اللہ بھلا Sciences کا مخالف کیسے ہو سکتا ہے۔ جو اپنے آپ کو علیم و حکیم کہلوانے میں فخر محسوس کرتا ہے، جو آپ کو بار بار اپنے علم اور حکمت کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ جو جہلا کو جانوروں سے بدتر قرار دیتا ہے۔ جو بغیر Enquiry کے لوگوں کو طعنہ دیتا ہے۔ وہ اللہ بھلا جو آپ کو امانتِ علم و عقل سے نواز رہا ہے وہ آپ کو Enquiry سے کیسے روک سکتا ہے۔ یہ ہمارا گمان ہے سائنس کی بدگمانی ہے اور مذہبی علماء کی کم فہمی اور کم علمی ہے اور اس لیے یہ تنازعہ پیدا ہوا کہ:

Pseudo Scientist and pseudo religionist, both are a danger for God and for research.

سوالات و جوابات

مسلمان کے نصیب میں رسوائی کیوں؟

سوال: سر، ایک دوست نے بہت لمبا سوال کیا ہے۔ میں اس کو مختصر کر کے پوچھ رہا ہوں اور وہ خاص Reference دے رہے ہیں جو ابھی Wana کا Operation ہو رہا ہے کوئٹہ کے پاس وہ کہتے ہیں کہ جیسے آپ فرماتے ہیں کہ پندرہ سو سال پہلے ساری باتیں اللہ نے کہہ دیں اور ایک Master Plan بھی دے دیا مسلمانوں کو اس کے باوجود

مسلمان اس ذلت کے Level پر کیوں آ گئے ہیں؟

جواب: بڑی سادہ سی بات ہے Operation والا کا ہو یا گھاٹا کا۔ مجھ سے کسی نے پوچھا تھا کہ

Where do you place the government of this time and the people who are ruling at this time?

میں چونکہ سیاسی بندہ نہیں ہوں، میں ایک Technical سی Opinion دینے کی کوشش کروں گا۔ This is my personal opinion اور اس میں، میں آپ کو شریک نہیں کر سکتا اور نہ ہی شریک کرنا چاہتا ہوں، مگر بہت ساری حکومتیں، بہت ساری دنیا، بہت ساری بصیرت و سیاست کے مطالعے کے بعد، میں ایک بڑے سادہ سے نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس وقت کے حکمرانوں کا Level اور Mental Level بہت Low ہے۔ آرمی میں معیار کے اعتبار سے تین گریڈ ہوتے ہیں، یعنی Average, above average, Well above average مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس وقت کے حکمران Well below average ہیں۔ آپ پوچھیں گے کہ کیوں۔ اس کے لیے میری Reason ہے اور مجھے یقین ہے کہ جب میں یہ Reason دوں گا تو آپ قطعاً اس کا انکار نہیں کر سکیں گے۔ میری اپنی Understanding یہ ہوتی ہے کہ سیاست دان اور مدبر اس کو کہتے ہیں کہ جو ہمیشہ Options کھلے رکھتا ہے۔ ہم مدبر اسی کو کہتے ہیں، سیاست دان اسی کو کہتے ہیں کہ جو کبھی بھی Block hole Create نہیں ہونے دیتا اور بڑے سیاستدان کی تعریف یہ ہے کہ وہ ہمیشہ Options کھولتا رہتا ہے اور یہ کبھی بھی، کسی قوم کی تاریخ میں، جب بھی کوئی اچھا اور بڑا سیاست دان ہوا اس نے کم سے کم دو چار Options اپنی قوم کو ضرور دیے۔ جب سے یہ حکمران آئے ہیں، بدقسمتی سے چوتھا پانچواں سال میں دیکھ رہا ہوں، Option ہی ایک ہے بس اور یہ ان کے Mental Level کی کمی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اتنا Intellectual low calibre میں نے زندگی میں یا پاکستان میں Rule کرتے نہیں دیکھا بلکہ ایک عجیب و غریب بات بتاؤں کہ جب سے یہ لوگ آئے ہیں Schizophrenic Idealist بڑے عام ہو گئے ہیں اور آپ کو پتا ہے کہ دیوانگی جسے ہم Schizophrenia کہتے ہیں،

It is becoming very common in Pakistan.

مگر جب کسی Schizophrenic کو قوت بھی مل جائے تو پھر عذاب الٰہی کے مترادف ہوتا ہے۔

عمل کے انتخاب کی کسوٹی

سوال: کہتے ہیں کہ ہم سوچتے نہیں ہیں، ہم صرف Choose کرتے ہیں۔ یہ آپ نے کہا اپنی تقریر میں یہ وضاحت فرمائیے کہ ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ ہم نے Choice جو کی ہے وہ ٹھیک ہے یا غلط؟

جواب: خواتین و حضرات میں اس کو بھی حتمی نتیجہ قرار نہیں دیتا۔ میں نے آپ کو قرآن حکیم کی ایک Possibility کی طرف اشارہ کیا ہے جو ابھی تک Sciences اور علم کی حدود میں نہیں آئی۔ جہاں تک میں، اگر قرآن کی روشنی سے دیکھتا ہوں تو مجھے بڑی وضاحت سے نظر آتا ہے کہ اللہ نے عقل و شعور اور تدبر چونکہ صرف اپنے بارے میں دیا

ہے اور اس کی Top Priority کو Settle کرنے کے لیے دیا، سوچنے اور سمجھنے کے لیے دیا۔ اس لیے میرا یقین ہے کہنا یہ ہے کہ تمام Situations بالکل ہی بنائی ہوتی ہیں۔ For Example اگر آپ تمام ذہنی امراض کو دیکھیں تو آپ کو پتا لگے گا کہ خیر اور شر کے تمام Attitudes، Family-wise منسلک ہوتے ہیں۔ یعنی ایک برائی اپنی فیملی رکھتی ہے، کوئی خیال شر کے بغیر پیدا نہیں ہوتا اور کوئی خیال بغیر اپنے بال بچوں کے ذہن میں نہیں آتا۔ Suppose you have started Thinking of money تو اس Money کے ساتھ ایک Fixed قسم کی پوری کی پوری فیملی آئے گی۔ اس کے تصورات آئیں گے او تلک (آمانیو) اس کے ساتھ خواہشات آئیں گی اور وہ ہر انسان میں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ اگر آپ نے شہوات کا تصور سوچنا شروع کیا تو اس کی پوری محبت کا سوچا تو اس کی پوری فیملی اسی طرح کی ٹھنڈی آہیں ہیں اسی طرح کا

تیرے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

تو اگر غور کیجیے تو تمام خیالات اپنے خاندان اور فیملی کے ساتھ بعینہٖ ہر انسان پر اسی طرح آتے ہیں جیسے دوسرے انسان پر آتے ہیں۔ یہ جو اشتراک ہے ان کی Activity کا اور یہ جو ہم آہنگی پائی جاتی ہے اس سے صاف پتا لگتا ہے کہ کوئی انسان اپنی علیحدہ سوچ نہیں رکھتا اور یہ تمام خیالات اور تحقیقات انسان Even in Sciences اگر آپ غور کریں تو بہت ساری Sciences کی جو ترقی ہے وہ اتفاقاً ہوئی ہے اور اچانک ہوئی ہے یعنی جب Fleming کو کہا گیا امریکا والوں نے دعوت دی اور کہا کہ اگر تو چاہے تو ہم تمہیں Absolutely Sealed اور شاندار قسم کی Air-Conditioned لیبارٹری دیں جہاں تو بیٹھ کر باقی زندگی کام کرے تو اس نے امریکن گورنمنٹ کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اگر مجھے اس قسم کی لیبارٹری نصیب ہوتی تو میں کبھی بھی Pencilline ایجاد نہ کرسکتا۔ یہ تو اتفاق کی بات تھی کہ میں کسی اور Culture پہ محنت کر رہا تھا ایک بڑھیا نے غصے میں ڈبل روٹی اٹھا کر خاوند کے سر پر پھینکی۔ اس سے اچھلتی ہوئی کھڑکی کے رستے اس کی ایک جو چیز تھی، وہ میری Culture Plate پہ پڑی۔ وہاں جو Fungus پیدا ہوئے اس نے جراثیم مار دیے میں نے Pencilline ایجاد کر لیا۔ تو خواتین و حضرات یہ قریباً قریباً تمام Sciences کی جو کہانی ہے کہ بہت بڑی بڑی ایجادات یا محنت ہم کہتے ہیں وہ قریب قریب کسی زمانے کی بخشش ہوتی ہیں۔ اللہ کی طرف سے جو اُن اذہان کو عطا کرتا ہے، ہاں ایک اصول ضرور ہے اور وہ یہ نہیں ہوسکتا کہ میں گھر بیٹھا ہوا ہوں اور بڑا کٹر مسلمان ہوں اور میں اس بارے میں جدوجہد بھی نہیں کر رہا اور اللہ میاں آ کر اچانک مجھے Transfusion کا یا Fusion of the Element کا فارمولا سمجھا دے۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ ہوگا اسی طرح کہ کوئی مسلمان تحقیق کر رہے ہوں گے خواہ وہ غیر مسلم ہوں یا مسلم ہوں۔ ہر انسان، جب اللہ ان کی لگن، ان کی سعی، ان کی مشقت دیکھے گا تو پھر اپنے حضور سے ایک نکتۂ علم جو ہے ان کی جھولی میں ڈال دے گا۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم برابر ہیں۔ ولقد کرمنا بنی آدم۔ ہم نے پورے بنی آدم کو یہ کرامت بخشی ہے مگر ایک ڈگری آف Knowledgibility میں مسلم اور غیر مسلم میں فرق ہے اور وہ ایک Last Degree of intellect ہے۔ جہاں لوگ عقل کو تین حصوں میں بانٹتے ہیں میں چار حصوں میں بانٹتا ہوں۔

Intelligence is common with a man and animal.

Intellect is born with educations, studies and understandings, then when you concentrate over a certain element of intellectual, you see commutation, you develope an intuition.

Intuition تک ہم اور دوسرے ایک جیسے ہوتے ہیں مگر ایک تیسرا، ایک چوتھا اور آخری صفحہ علم کا درجہ ہے جو صرف اہل قلب اور اہل صفا اور اہل اسلام کو نصیب ہوتا ہے۔ اور وہ الہام ہے۔ الہام غیر معمولی چیز نہیں بلکہ Ultimate refinement of Human Intellect ہے۔

اسلام میں جارحیت کی گنجائش؟

سوال: سوال کرنے والے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں نے دوسرے ملکوں پر جبراً قبضہ کیا اور پھر وہاں لونڈیاں بھی بنائی۔ ایک تو تصور لونڈی بتائیں پھر اگر مسلمان یہ خود کرتے رہے تو آج امریکہ کو برا کیسے کہہ سکتے ہیں؟

جواب: اتفاق دیکھیے کہ یہ میرا خیال ہے، بڑی کم علمی کا مظاہرہ ہے۔ تاریخ میں ایسے بالکل نہیں ہوا بلکہ (بعلبک اور حمص) کی جب جنگ یرموک شروع ہو رہی تھی اور حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو حکم ملا کہ وہ یرموک کے میدان میں Under the command of خالد بن ولید تشریف لائیں تو انہوں نے بعلبک اور یرموک کے پادریوں کو بلایا اور بڑے لوگوں کو بلایا اور کہا کہ ہم نے تم سے یہ تمہاری حفاظت کے لیے پیسے لیے تھے۔ ہم نے یہ پیسے تم سے Protection Tax کے لیے تھے تا کہ ہم تمہیں غیر سے بچائیں اور دشمنوں سے بچائیں، تو اب چونکہ ہم جا رہے ہیں اور ہم میں استطاعت نہیں ہے ہم تمہیں تمہارے پیسے واپس کر رہے ہیں۔ تاریخ عالم میں اس قسم کی حکمرانی کی مثال کوئی نظر نہیں آتی اور انہوں نے جب ان کو پیسے واپس کیے تو یہ تاریخ میں لکھا ہے کہ اس شہر کے پادری، اس کے عمائدین لشکر کے ساتھ ساتھ آئے اور وہ دعا کرتے تھے کہ اللہ ہمارے ظالم بھائیوں سے ہمیں یہ مسلم حکمران بہتر ہیں۔ خواتین و حضرات مسلمان کبھی تلوار کے زور پہ گیا ہی نہیں۔ افسوس یہ ہے کہ تاریخ والوں کو اس Fact کا پتا نہیں کہ دنیا میں اس وقت سب سے بڑی اسلامی مملکت انڈونیشیا ہے اگر میرے کسی بھائی کے علم میں کوئی ایسی اسلامی فوج ہو جو انڈونیشیا اتری ہو تو میں اس کی یادداشت کی داد ضرور دوں گا۔ ماریشس میں کوئی فوج نہیں اترا۔ مالدیپ میں کوئی فوج نہیں اترا بلکہ جہاں جہاں بھی مسلمان تاجر گئے، ان کا کلچر، ان کے کردار کی خوبصورتی، ان کے عہد و پیمان کی پابندی، ان کا حسنِ معاشرت، ان کا حسنِ تکلم، اس درجہ بلند تھا جیسے آج آپ یورپ سے متاثر ہو کر آتے ہو تو اس اثر میں کچھ تو آپ کے احساس کمتری کا دخل ہوتا ہے کچھ یورپ کے طریق معاشرت کا بھی دخل ہوتا ہے۔ جب آپ ان کی صاف ستھری سڑکیں دیکھتے ہو، بے ایمانی کا فقدان دیکھتے ہو جب جائز کام آسانی سے ہو جاتے ہیں، جب ناجائز Against the law ان کو روک لیا جاتا ہے تو آپ کے دل میں حسرت اٹھتی ہے کہ ہم مسلمان جو اللہ کے ماننے والے ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے ہیں، آج بھی اگر پاکستان میں کوئی قانون کی پابندی موجود ہے تو صرف ان مسلمانوں میں جو دلی طور پر اپنے خدا سے

ڈرتے ہوئے قانون شکنی نہیں کرتے، باقی تمام ملک قانون شکن ہے۔ کسی نہ کسی رنگ وحال میں اور خواتین وحضرات اگر Comparison جو ہے پبلک سیفٹی، پبلک معاشرت میں کیا جائے، For example کس نے آپ کو روکا تھا، صفائی پسند ہونے میں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو کہتے ہیں کہ صفائی نصف ایمان ہے۔ اگر آپ نصفِ ایمان سے محروم ہیں تو پھر تو آپ پر یورپ ضرور غالب آئے گا۔ اس کا کلچر ضرور غالب آئے گا۔ پھر آپ مجھے بتایئے کہ جب کسی تعلیم کا اثر ان کی Secularism اور تعلیم کا اثر ان کے اس کلچر میں ہے جو بڑا آپ کو واضح طور پر آپ سے برتر نظر آتا ہے اور آپ کی ادھوری ناقص اسلامیت کا اثر، آپ کے کلچر میں ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ آپ کو نہیں اسلام کو الزام دیتے ہیں۔ اقبالؒ نے بڑی سچی بات کہی تھی کہ مسلمانوں نے کبھی اسلام کی مدد نہیں کی ہمیشہ اسلام نے ہی مسلمانوں کی مدد کی۔ مگر خواتین و حضرات مجھے ایک بات ذرا سوچ کے بتایئے کہ خوبصورت ترین دنیا کا اگر قہوہ یا کافی اگلدان میں، پیش کر دیا جائے آپ کو، تو کیا آپ پئیں گے؟ اگر اس کو تھوک دان میں ڈال کے پیش کیا جائے تو کیا آپ پئیں گے؟ اس کے لیے کچھ پیالی صاف ستھری ہونی چاہیے۔ کچھ نہ کچھ ہمارے کردار کا مظاہرہ ہونا چاہیے، کچھ کچھ Acceptance ہونی چاہیے۔ ہم اسلام سے اتنے بے بہرہ ہیں کہ ہر شخص اسلام کو بطور Refuge اور Excuse اور Escape کے استعمال کرتا ہے۔ ہماری اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کوئی Geniune Committment نہیں ہے۔

And this is the cause of main failure.

اسلام میں غریبوں کی فلاح کا نظام

سوال: روز اخبار میں دو یا تین ایسی خبریں آتی ہیں کسی غریب نے غربت یا بھوک سے مجبور ہو کر خودکشی کر لی ہے۔ کیا اسلام کسی قسم کی سرمایہ کاری یا کوئی ایسا طریقہ کار نہیں بتاتا جس سے پاکستان کو ان چیزوں سے آزاد کیا جا سکے؟

جواب: یہ بات یقیناً اسلام بتاتا ہے، Secular Government نہیں بتاتی۔ اسلام بتاتا ہے مگر موجودہ رائج الوقت طرزِ حکومت نہیں بتاتا۔ یہ ایک تاریخ کا حصہ ہے کہ یورپ میں دو بڑے انقلاب پیدا ہوئے۔ انقلاب روس، جو آج بھی ہو گزرا اور انقلاب فرانس جس کا نام ہی Proletariat انقلاب کہتے ہیں۔

جو بورژوا اور امیر طبقے کے خلاف ایک بہت بڑا احتجاج تھا، رد عمل تھا۔ اسی طرح روس میں جب زار اور زارینہ کا اقتدار بڑھ گیا اور لوگ اس طرح بھوکوں مرے کہ تندور میں روٹیاں لگانے پر بھی ٹیکس تھا، اس کے احتجاج کے طور پر یہ دونوں بڑے انقلاب پیدا ہوئے۔ مگر خواتین وحضرات کبھی آپ نے غور نہیں کیا کہ اسلام میں اس قسم کا کوئی Mass Revolution نہیں آیا۔ اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسلام میں دو Social Security System تھے ایک زکوٰۃ اور ایک صدقہ۔ زکوٰۃ کے ہوتے ہوئے مسلمان معاشرے میں کوئی بھوکا نہیں مر سکتا تھا۔ کوئی ننگا نہیں رہ سکتا تھا، کسی کی تعلیم متاثر نہیں ہو سکتی تھی اور صدقات کے ہوتے ہوئے، اس مسلم معاشرے میں کوئی بے روزگار نہیں رہ سکتا تھا۔ کسی کو پانی کی سپلائی منقطع نہیں ہو سکتی تھی، کسی کی سڑک بننے سے نہیں رہ سکتی تھی، کسی کا کنواں خشک نہیں ہو سکتا تھا مگر خواتین وحضرات آپ اللہ سے مذاق کرتے ہو، ہماری حکومتیں مذاق کرتی ہیں۔ یہ یورپ کے علوم کے دستر خوانوں کے

ریزہ چیں ہیں، ان کو کیا پتا کہ اسلام کیا نعمت ہے۔ آپ اسلام کو صرف نماز سے جانتے ہو۔ آپ اسلام کو صرف روزوں سے جانتے ہو۔ آپ کو یہ نہیں پتا کہ اللہ پروردگار کیا فرماتے ہیں کہ خبردار "یاایھاالذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ" (البقرۃ:۲۰۸) "ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین" (البقرۃ: آیت ۲۰۸) کہ دیکھو جب میرا نظام نافذ کرنا ہے تو خبردار اس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ کرنا ادھر تو آپ یورپین سیکولر نظام نافذ کر رہے ہو، ادھر آپ مسجدوں میں اذانیں اللہ کی دے رہے ہو یعنی یہ کہاں کی تک ہے اور کہاں کا سلسلۂ عقل ہے کہ دنیا کے سارے نظام اپنے اندر کوئی مداخلت برداشت نہیں کرتے، کب Capitalism نے اپنے اندر مداخلت برداشت کی ہے، آپ نے بیسیوں برس ایک Cold war کا مشاہدہ کیا ہے، جس میں کمیونسٹ نظام اپنے اندر Capitalism نہیں برداشت کرتا اور Capitalism اپنے اندر Socialism برداشت نہیں کرتا۔ مگر کیا تعجب کی بات ہے ان ہمارے حکمرانوں کی عقلیں پروردگار نے گھٹنوں سے بھی نیچے کر دی ہیں کہ یہ اسلام میں تمام دوسرے نظاموں کی شرکت کو بڑا لازم سمجھتے ہیں اس لیے کہ یہ اسلام کو سرے ہی سے جانتے نہیں ہیں اور نہ اس کی پہچان سے آگاہ ہیں۔ آپ نے شاید مولوی کو اسلام سمجھا ہے۔ اس بے چارے کو کیا معلوم کہ اسلامی نظام کیا ہے۔ وہ جو اپنی دو وقت کی روٹی کے لیے جدوجہد کرتا ہے اور قرآن پڑھ پڑھ کے اپنے چارے اور روٹی کا بندوبست کر رہا ہے آپ کو اسلامی نظام کیا دے گا۔ وہ آپ کو زکوٰۃ اور سود سے فری سوسائٹی کیا دے گا، وہ آپ کو کیوں کر وہ Social security system دے گا۔ آج بھی دنیا میں کسی نظام کے پاس وہ Social security system نہیں ہیں مگر اسلام میں ہیں اگر آپ پورا نظام لاؤ گے، حکمران خدا ترس ہوں گے تو آپ کو پتا ہے کہ انگلینڈ کے ایک سروے کے مطابق پاکستان میں 70 Billion Rupees سے زیادہ صدقات میں جاتے ہیں۔ ہر سال پاکستان کے لوگ ستر ارب روپے صدقات میں دیتے ہیں۔

خواتین و حضرات! اگر کسی گورنمنٹ پہ اعتبار اسلام ہو گا تو لوگ اس گورنمنٹ کو دیں گے۔ لوگ کوئی بدبخت تو نہیں ہیں نا، لوگ سیانے ہیں۔ ان کو پتا ہے کہ زکوٰۃ دی تھی تو سیاست میں کام آ جائے گی صدقات دیے تو یورپی ٹورز میں چلے جائیں گے۔ ان کو پتا ہے جب تک لوگ Convince نہیں ہوں گے جب تک اجماع مسلمین Convince نہیں ہوتا کہ ہمارا حکمران واقعی مسلمان ہے اور ہماری بھلائی چاہتا ہے اور ہمارے لیے خیر چاہتا ہے۔ اس وقت تک اس ملک میں لوگ بھوکے مرتے رہیں گے، عزتیں لٹتی رہیں گی، کنویں خشک رہیں گے، بچے دودھ کو ترستے رہیں گے، طالب علم تعلیموں کے لیے سسکتے رہیں گے۔

ظہور قدسی کا فکری جائزہ

رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا.
(الاسراء آیت ۸۰)
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفونO وسلم علی المرسلینO والحمدللہ رب العلمینO
(الصافات آیت ۱۸۰،۱۸۱،۱۸۲)

خواتین و حضرات! آج میرے گلے کو بہت اچھا ہونا چاہیے تھا مگر پچھلے دو دن سے یہ گفتگو کے قابل بھی نہ ہو سکا اور آج اس موضوع کی برکت ہے کہ میری آواز آپ تک جا رہی ہے۔ خواتین و حضرات! اسلام کے دو Fundamentals ہیں اور ان دو کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ پہلا Fundamental خدائے واحد کی واحدانیت کا اقرار ہے۔ خدا کی واحدانیت کا تصور مسلمانوں میں اس قدر راسخ ہے کہ برصغیر میں لاکھوں بتوں کے حصار میں رہتے ہوئے اور ہندوؤں کی اس عادت کے زیر اثر کہ ہر فرد عالی کو مقدس تصور کر لینے کے تحت، مہاتما بدھ اور جیناوتر اکو خدا بنا لینے کے باوجود بھی بقول ایک انگریز Analyst کے:

There was such a geometrical precision about the oneness of God in Islam that no mythology was possible.

یعنی خدائے واحد کا تصور اسلام میں اتنا مضبوط، مکمل اور شدید تھا کہ تمام تر ہندوانہ کلچر، رسم و رواج اور Jungle of Gods and Goddesses بھی خدائے واحد کی واحدانیت کو متاثر نہیں کر سکا۔ خواتین و حضرات! اسی طرح دوسرا Fundamental بھی ہے۔ سید کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر فاروقؓ سے پوچھا، عمر تم مجھے کتنا چاہتے ہو؟ فرمایا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنی جان سے کم اور ہر چیز سے زیادہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اس وقت تک ایمان مکمل نہیں ہوتا، جب تک تم مجھے اپنی جان سے بھی بڑھ کر نہ چاہو۔ فرمایا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج کے بعد آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ خواتین و حضرات! یہ اسلام کے دو بنیادی Fundamentals ہیں، اللہ کی واحدانیت کا اقرار اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو ہر چیز پر فوقیت دینا۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی مرضی سے نہیں کہی ہے بلکہ یہ وہ Priorities of the Muslims ہیں جن کا تعین خود اللہ

نے کیا ہے۔ تخلیق کائنات، تخلیق دنیا، تخلیق اسباب اور تخلیق موجودات کے وقت، پروردگار عالم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایسا رتبہ متعین کیا ہے جس کا تصور تک کوئی اور انسان نہیں کرسکتا۔ فرمایا الحمد للہ رب العالمین، خواتین وحضرات ہمیں رب العالمین کی Definition کے وقت ایک بہت بڑا مسئلہ پڑتا ہے۔ ہمارے نزدیک ربوبیت، زندگی کی خوراک کا تعین کرنا ہے۔ مگر ربوبیت سے یہ قطعاً مراد نہیں۔ اگر ہمارا رزق روٹی ہے، پانی ہے تو درختوں کا رزق نائیٹروجن ہے اور مخلوقات میں ہر ایک شے کا رزق جدا جدا ہے۔ یعنی اگر سورج کا رزق اٹھارہ ہزار ایٹم کا پھٹنا ہے تو چاند کا رزق وہ روشنی ہے جو سورج سے اس کے دامن پہ پڑتی ہے یعنی ربوبیت صرف اس کھانے پینے یا رزق پہ محیط نہیں ہے جو انسان اپنی محدود حکمت کے تحت اپنے لیے متصور کرتا ہے بلکہ ربوبیت کائنات میں پھیلے ہوئے وہ لامحدود اسباب اور وسائل ہیں جن پر زندگی کا دارومدار ہے۔ چاہے وہ کشش ثقل ہے یا سورج کی روشنی ہے۔ یہ تمام کے تمام اسباب ربوبیت میں آتے ہیں۔

خواتین وحضرات! پھر ہم عالمین کی کیا وضاحت کریں۔ بقول رازی کے اٹھارہ ہزار عالم ہیں مگر جوں جوں انسان تحقیق وجستجو میں آگے بڑھ رہا ہے جوں جوں کائنات کو پرکھا جا رہا ہے وہ تمام فاصلے مختصر ہو رہے ہیں جو انسان نے اپنے ممکنہ ذہن سے کائنات کی حدود کو پرکھنے کے لیے بنائے ہیں۔ خواتین وحضرات! اس وسیع تر کائنات میں اس وقت تک عالمین کی مقدار جانچی اور پرکھی نہیں جا سکتی جب تک خدا کی حکومت کا پتا نہ چلے، جب تک خدا کی رسائی کا پتا نہ چلے، جب تک تخلیقات کا انجام پتا نہ چلے، جب تک Totality of Creation کا پتا نہ لگے۔ رب العالمین کی وضاحت نہیں ہوسکتی، مگر رب العالمین نے ایک بات عالمین کی تخلیق سے پہلے اور موجودات عالم کی تخلیق سے پہلے قرآن حکیم میں ارشاد فرمائیں کہ میں نے تمام تخلیقات سے پہلے ایک چیز اپنے وجود پر فرض کی کہ میں کسی سے مغلوب نہیں ہوسکتا، مگر میں نے اپنی ہی ایک صفت کو اپنے اوپر غلبہ دیدیا۔ "کتب علی نفسہ الرحمۃ" (الانعام: آیت ۱۲) میں نے اپنے اوپر رحمت کو غالب کرلیا۔ "وما ارسلنک الا رحمۃ اللعلمین" (الانبیاء: آیت ۱۲) اور اے پیغمبر میں نے تجھے نہیں بھیجا زمینوں اور آسمانوں میں مگر تمام ان عالمین کے لیے جن کا میں رب ہوں، ان تمام عالمین کے لیے تو رحمت ہے۔ خواتین وحضرات! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقامات کیا پرکھ سکتے ہیں۔ ہمیں کیا علم ہے۔ ہم تو ایک خودغرض انسان کی طرح زندگی کو آخری سمجھتے ہیں، زمین کو ایک سمجھتے ہیں۔ ہم تو عالمین کے ایک محدود سے نقطے میں قید ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان عالمین میں دنیا کی مثال اس طرح ہے۔ جیسے Amazon کے جنگل میں پڑا ہوا ایک حلقہ، ایک چھلا یا ایک انگوٹھی ہے۔ اس کی حیثیت اور تناسب کیا ہے گا یہ آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔ جیسے اگر دنیا کے سب ریگزار جمع کردیے جائیں تو ان ریگزاروں میں ایک ذرہ ہماری دنیا ہے اور ہم اس معمولی سے مقام، (مستقر) اور قید خانے میں اپنے آپ کو کتنا معزز سمجھتے ہیں، یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ تکبرات بنیادی طور پر انسان کے اوصاف میں شامل ہیں۔ یہ انسان کے ان ناقص اوصاف میں شامل ہیں جو اسے نہ صرف خدا کے حضور گستاخی کے ارتکاب پر آمادہ کرتے ہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقامات کو بھی نظروں سے اوجھل کردیتے ہیں۔ خواتین وحضرات! ہم سے تو اسداللہ خان غالب اچھا ہے تمام عمر سرود وشعر وے میں گزاری، مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باری آئی تو ایک شعر میں بات تمام کردی کہ غالب ثناء

خواجہ بہ یزداں گزاشتم کہ غالب میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف اللہ پہ چھوڑ دی اس لیے کہ میں اپنے آپ کو رسول اللہ کی تعریف کرنے کا حقدار ہی نہیں سمجھتا، کیونکہ تمام تر عقل و معرفت کے باوجود میں اس عظیم انسان کی عظمت و اخلاق و کردار کا ادراک نہیں کرسکتا۔ اس لیے میں ایک مختصر سی بات کہتا ہوں کہ

غالب ثنا خواجہ بہ یزداں گزاشتم

کہ جو اسے جانتا ہے وہی اس کی تعریف کا حق ادا کرسکتا ہے اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ خواتین و حضرات! کمال معرفت انسان ہے کہ وہ دنیا سے لیتا کیا ہے اور دنیا کو دیتا کیا ہے۔ اگر ابتدائے حیات مصطفیٰ دیکھی جائے تو لگتا یہ ہے کہ محرومیوں کا ایک سمندر ہے جس میں وہ متلاطم ہے۔ بچپن کیا ہوتا ہے جس نے باپ کی صورت تک نہ دیکھی، کیا حسرت خیال ہے اس یتیم کا۔ کیا مقدر ہے جس نے کبھی باپ کی شفقت کی نظر نہ پائی۔ ذرا آگے بڑھے تو مادر محترم بھی رخصت ہوگئیں۔ ایک معصوم سے بچے کی سائیکی پر ان شدید محرومیوں کا کیا اثر ہوتا ہوگا کہ جس کسی نے بھی آپؐ کے سر پر دست شفقت رکھا اسی کو خدا نے اٹھالیا۔ دادا رخصت ہوئے، غربت کا یہ عالم کہ باسی روٹیاں، پانی میں بھگو بھگو کر کھاتے ہیں۔ جوانی ایسے گزاری کہ تنگ دستی اپنا مقدر دیکھتی ہے۔ اور ہمیشہ یہ محسوس کرتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر اسے کوئی نظر نہ آتا۔ مگر یہ ساری محرومیاں، سارے دکھ اور ساری اذیتیں سمیٹ کر ذرا غور تو کیجیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو کیا دیا۔ محبت فاتح عالم دوسروں کے غم غلط کرنے، دکھ کم کرنا اور درد سمیٹنا۔ یہی وہ سراپا شفقت اور کلی رحمت ہے جس کی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے۔ کارل مارکس کی زندگی بھی بڑی خراب گزری۔ مارکس کی زندگی بھی بہت عسرت میں گزری، بہت رنج میں گزری، بہت دشواری میں گزری، بہت مسائل میں گزری ہے۔ مگر کارل مارکس نے دنیا کو کیا دیا۔ اینجلز کہتا ہے کہ اس نے Throughout ہر حال میں مارکس کو Support کیا اور عمر بھر اس کی ہر ممکن مدد کی، لیکن جب وہ ذرا فراخ دست ہوا تو سب سے پہلے اس نے اسی کو Neglect کیا۔ اینجلز کارل مارکس کی بے وفائی کا گلہ کرتا ہے۔ مارکس کی بے چینی کا یہ عالم ہے کہ اس نے زندگی کو ایک حل یعنی Reactive فلاسفی سے آشنا کیا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے پایاں ادبار و افلاس، رنج و غم اور کرب و بلا سے گزرنے کے باوجود بھی انسان کو ایک ہی درس دیتے ہیں، بخاری اور مسلم کی متواتر آٹھ احادیث ہیں جن میں فرمایا کہ اعتدال اختیار کرو اور اگر مکمل اعتدال اختیار نہ کرسکو تو اس کے قریب ترین رہو۔ خواتین و حضرات! میں نے پوری زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو پیانہ اعتدال دیکھا ہے اور اگر میں اس حدیث کو دوسرے معنوں میں پڑھوں تو ایک مکمل وضاحت کے ساتھ یہی بات سمجھ آتی ہے کہ جو جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہے یا آداب مصطفوی یا اس انداز زندگی اور خیال مصطفیٰ کے قریب ہے وہ اتنا ہی معتدل ہے اور جتنا انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیٹرن سے دور ہے اتنا ہی غیر معتدل ہے۔ خواتین و حضرات! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے شر کے بارے میں سوال نہ کیا کرو۔ جب بھی مجھ سے پوچھو خیر ہی کے بارے میں پوچھو۔ اس لیے کہ شر، وہم اور وسوسہ، یہ سب تمہارے ذہن کی پیداوار ہیں۔ حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ اسے یہ وسوسہ آتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ وہ جل کر کوئلے کی طرح سیاہ ہو جائے۔ فرمایا عباسؓ خدا کا شکر نہیں کرتے کہ جو مسائل تمہیں حقائق میں پیش آرہے ہیں وہ تمہارے وسوسوں میں گزر جاتے ہیں۔

استاد کے انداز تعلیم اور انداز تربیت کا یہ عالم ہے کہ آقا و رسول کو دنیا کی بدترین کلاس دی گئی ایسی کلاس جو اپنے استاد کے گلے میں پھندا ڈال دے۔ ایسی کلاس جو غلاظت اس کے سر مبارک پہ پھینک دے، ایسی کلاس جو اس کے رستے میں کانٹوں کے انبار لگا دے۔ ایسی کلاس جو زبان سے ہر وہ دکھ اس کو دیتی ہے جو کسی بندے کو دے سکتی ہے اور ایسی کلاس جس کے طالب علم استاد کا سر پھوڑنے سے بھی باز نہیں آتے مگر خواتین و حضرات اس استاد کو آپ نے دیکھا کہ جب اسے کہا گیا کہ اے استاد محترم ان کے لیے بددعا کر دو فرمایا کیا پتا کہ ان میں سے کچھ ایسے لوگ آئیں جن کو میرے اس پیغام کی خبر ہو، وہ اسے قبول کریں۔ اور اللہ کے اچھے بندوں میں ہوں۔

خواتین و حضرات! اس استاد نے زندگی بھر کبھی کوئی ناقص لفظ اپنے شاگردوں کے لیے استعمال نہیں کیا۔ اس نے کبھی چھڑی کو استعمال نہیں کیا اس نے زجر و توبیخ نہیں کی۔ اس نے کبھی کسی کو نسل کا طعنہ نہیں دیا، کسی کو تخریب کا نہیں کہا۔ یہ عالم تھا اس استاد محترم کا کہ کائنات کے بدترین اخلاق کے انتہائی بڑے مجرموں کو اس نے کائنات کے انتہائی محترم اصحاب رسولؐ میں بدل دیا۔ خواتین و حضرات! بہت سارے طریق کار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائے۔ جبریل امین سے پوچھا حضورؐ نے، جبریل! لوگ کہتے ہیں، آسمان کہتا ہے۔ زمین والے کہتے ہیں کہ میں رحمت للعالمین ہوں۔ بھلا تجھے میری رحمت سے کیا ملا۔ تجھے بھی کچھ صلا ملا۔ تجھ تک بھی میری رحمت پہنچی، فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقیناً! پہنچی کہ جب عزازیل نے تکبر کیا۔ اللہ نے اس کو سزا دی جب کہ وہ مقرب ترین مخلوق تھی۔ بزرگ ترین مخلوق تھی۔ اس کا انجام دیکھ کر ہم مقربین، ملائکہ بارگاہ خداوند میں دہشت سے کانپتے تھے۔ خوف سے زرد تھے کہ اگر اتنے بڑے فرشتے کا یہ حشر ہو تو ہم کس قطار و شمار میں ہیں لیکن پھر جب آپ مبعوث ہوئے اللہ نے آپ پر قرآن اتارا تو خدا نے مجھے اس قرآن میں روح الامین کہہ کے مخاطب کیا تب میرا حوصلہ ٹھہرا کہ اللہ اپنی بات کو رد تو نہیں کرتے۔ جب انہوں نے مجھے روح الامین کہہ کے پکارا تو مجھے تسلی ہوئی کہ حضورؐ آپ کی برکتوں سے میں اللہ کے غضب سے محفوظ ہوا اور خواتین و حضرات! اس رحمت بیکراں کے کتنے رنگ ہیں، کتنے اندازے ہیں کہ جب ایک شخص نے کہا، آپ سوچ کے دیکھ لیجیے، یورپ جو جانوروں کے تحفظات میں بڑا آگے ہے، جو سمجھتے ہیں ہر قانون کرم انہوں نے بنایا ہے، مگر پندرہ سو برس پہلے Greeks سے لے کر Plotinus of the Egypt تک بڑے بڑے فلاسفر گزرے بڑے بڑے دانشور گزرے مگر کوئی ایسا نہ نکلا جیسے پندرہ سو برس پہلے محمد رسول اللہ گزرے کہ جب ایک شخص نے ہرن کے بچے اٹھائے ہوئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بڑے تفاخرانہ انداز میں کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے میں نے اس کے بچے پکڑے، جب ماں چیختی ہوئی آئی تو میں جال بھی بچھائے بیٹھا تھا، پھر میں نے ماں کو پکڑ لیا۔ حضورؐ نے فرمایا ماں کتنی آہ و زاری کر رہی تھی کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ جان خطرے میں ہے وہ صیاد کے دام میں الجھ گئی۔ تو اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جانتا تھا اسی لیے میں نے ان بچوں کو پکڑا۔ فرمایا رحم کر ترس کھا اور ان بچوں کو ان کی ماں کو ضرورت ہے تو ان کو اسی جگہ چھوڑ کے آ، جہاں سے تو نے ان کو گرفتار کیا۔ Animal Conduct جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام میں پیش کیا۔ ابھی شاید یورپ کو اس احساس مروت اور محبت تک پہنچتے ہوئے دیر لگے گی کہ جب ایک اونٹ پاس آ کے کھڑا ہو گیا اور اس کے چہرے سے اس کی حسرت نمایاں تھی تو حضورؐ نے اس کے مالک کو بلایا اور کہا اس کی جوانی میں تو تم نے اس سے بہت

فائدہ اٹھایا ہے۔ اب اس کے بڑھاپے میں اسے بھوکا مارو گے۔ اسے اس طرح رسوا کرو گے۔ جاؤ اس کی خوراک کا بندوبست کرو۔ خواتین و حضرات! وہ اشیاء کے لیے باعث رحمت تھے۔ جانوروں کے لیے باعث رحمت تھے۔ مگر سب سے بڑھ کر وہ ہر اس گناہ کے لیے باعث رحمت ہیں جو انسان سے نادانی میں سرزد ہوتا ہے۔ جو انسان سے استقرار کے بغیر سرزد ہوتا ہے۔ اور وہ تمام حدود اللہ جن پر پہنچ کر انسانوں کے باطن سیاہ ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو گناہوں کے ان ضمن میں لاتے ہیں کہ جب قیامت کے دن اللہ کے حضور میں ایسے گناہ گار پیش کیے جائیں گے کہ جو بظاہر گناہ کی صفات سے اوران کی جو سزائیں لکھی جا چکی ہوں گی۔ ان میں بخشش کا Element بھی نہ ہو گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہ خداوند میں عرض کریں گے کہ اے پروردگار عالم آپ نے مجھے رحمت اللعالمین بنایا اور رحمت کا ایک جز و صفات بنایا اور مجھے شفیع المذنبین بنایا اور آپ نے مجھے اجازت بخشی کہ میں اپنے گناہ گار مسلمانوں کے لیے سفارش کرتا تو آج کے دن سے بہتر کوئی دن ہے کہ میں آپ کے حضور سفارش نہ کروں۔ فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ سے کیے گئے وعدے پورے کریں گے، جاؤ اور جہنم میں ان سارے لوگوں کو نکال لاؤ۔ جو آپ کے نزدیک ایسے ہیں۔ اور حضور نکال کے لائیں گے۔ پھر جہنم میں کچھ لوگ بچ جائیں گے۔ خواتین و حضرات یہ مستند ترین بخاری اور مسلم کی حدیثیں ہیں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ کچھ لوگ بچ گئے۔ آپ اللہ کے حضور دوبارہ عرض کریں گے کہ پروردگار ابھی بھی میرے کچھ لوگ جہنم میں باقی ہیں۔ فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اپنے وعدے کو ضرور پورا کریں گے تیری شفاعت اور رحمت قبول کریں گے۔ جاؤ اور ان لوگوں کو بھی نکال لا۔ پھر وہ لوگ نکالے جائیں گے پھر بھی کچھ بچ جائیں گے۔ پھر حضور شفاعت سے باز نہیں آئیں گے۔ بار بار جائیں گے۔ اللہ سے کہیں گے یا میرے مالک اب بھی میرے کچھ امتی رہ گئے ہیں جو دوزخ میں ڈال رکھے ہیں۔ فرمایا میرے رسولؐ جا ان کو بھی نکال لا، میں اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گا۔ جب چوتھی مرتبہ اللہ کے رسولؐ کچھ باقی ماندہ لوگوں کے لیے جائیں گے۔ تو پروردگار کہے گا اے رسولؐ ہم نے تجھ سے وعدہ پورا کیا۔ اب جہنم میں کوئی ایسا موجود نہیں ہے جو تیری شفاعت و رحمت کا مستحق ہو۔ اب تو جن مسلمانوں کو جہنم میں دیکھ رہا ہے ان کو کتاب نے روک رکھا ہے اور خواتین و حضرات! کتاب کا مطلب یہ ہے کہ جو نام کے مسلمان ضرور تھے۔ مگر جنہوں نے خدا کی وحدانیت کا بھی اقرار نہیں کیا اور جو منافقانہ طور پہ اللہ کو مانتے رہے اور اللہ کو کبھی سزا و جزا کا مالک نہیں سمجھا۔ جنہوں نے دنیا میں رہتے ہی کو خدا جانا مگر اسباب دنیا کے خالق کو کبھی اپنا خدا نہیں مانا۔ صرف وہ جہنم میں رہ جائیں گے۔ چاہے ان کے نام کافرانہ ہوں، چاہے ان کے نام مسلمانہ ہوں اور آپ اندازہ کیجیے کہ ہم بندے تو حضورؐ کی شفاعت کی قدر نہیں کر سکتے۔ مگر خدا خود اپنے رسول کو اتنا رحمت عالم اتنا رحیم و کریم پاتا ہے کہ جب اللہ نے قرآن میں ذکر کیا تو اپنے بندے کو عبدالرحیم اور عبدالرؤف نہیں کہا بلکہ براہ راست اپنی صفات کا مظہر بنایا "لقد جاء کم رسول من انفسکم" (التوبۃ: آیت ۱۲۸) یعنی تمہی میں سے ہی، تمہارے جیسا ہی ایک رسول ہے۔ بندہ وہ تمہی جیسا ہے۔ انسان تو لگتا تمہارے جیسا ہے۔ مگر "عزیز علیہ ما عنتم" (التوبۃ: آیت ۱۲۸) مگر یہ کمال کا انسان ہے اور کمال کا رسولؐ ہے کہ تمہاری محبت میں مرا جاتا ہے۔ اس قدر صبح و شام فکرِ امت میں رہتا ہے کہ صبح و شام اس کی زبان سے میرے حضور امتی، امتی، امتی ہی نکلتا ہے۔ جب دیکھو تمہاری فکر کرتا ہے۔ تمہارے تو ماں باپ فکر نہ کرتے ہوں گے۔ تمہاری اور تو اور تم خود اپنی اتنی فکر نہیں کرتے ہو۔ جتنا محمد صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم تمہاری فکر کرتا ہے اور خدا کو اس فکر کو اجاگر کرنے کے لیے جو لفظ استعمال کرنا پڑا وہ Possitive نہیں بلکہ Negetive تھا۔ جب، بعض اوقات تعریف عجیب سے پہلو سے نکلتی ہے۔ ''مارلے'' نے جب تعریف کرنی تھی Helen of Troy کی تو اس نے اس کی خوبصورتی نہیں کہی، اس کے نقش و نگار بیان نہیں کیے۔ الٹا یہ کہا Is this the face کیا یہ وہ چہرہ ہے

Is this the face that lanched a thomal ship and topless town of Ielum burnt the topless.

کہ یہ وہ چہرہ ہے جس نے ایلیم کے اونچے اور بلند و بالا میناروں پر وہ آفت ڈھائی کہ جل کے خاکستر ہو گئے۔ اور Agamemnon کی اور Prince Prime کی دنیا میں اجڑ گئیں، 'یہ وہ چہرہ ہے۔' آپ اندازہ کیجیے، ویسے لاہور والے ابھی جب کسی کے حسن کی داد دیتے ہیں تو بھی ایک چھوٹے سے جملے سے دیتے ہیں کہ بس جی نرا قتل ہی قتل ہے۔ جب وہ داد دیتے ہیں تو وہ بڑی Negatively کہتے ہیں کہ اس کا حسن بیاں، اس کا انداز، اس کا حسن کلام، اس کی حسن صوت کیا، نرا قتل ہی قتل ہے۔

اپنے رسول کو جب Hightend اور Exciting terms میں مبالغے کے انداز میں جب بیان کرتی ہے کہ یہ دیکھو، یہ شخص ہے تو Negative لفظ استعمال کرتا ہے۔ حریص علیکم یعنی حریص تو لالچی کو کہتے ہیں جو اپنی مملکت سے ایک ذرہ بھی کسی کو دینے سے دریغ نہیں کرتا ہے۔ مگر یہاں عجیب بات ہے کہ Possessing کہا ہے۔ محبت امت اور تمام تر Possesstion اپنے احباب کی اپنی امت کی مغفرت کی ہے۔ اور ایک لحہ، ایک ذرہ بھی اس شفاعت اور کرم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی میں کم نہیں ہوتا اور صبح و شام اپنی امت کی فکر کرتے ہوئے اللہ کا یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندگی کی ابتدا فکر امت سے کرتا ہے اور انتہا فکر امت سے کرتا ہے۔ خواتین و حضرات! پھر اگر ایسا پیغمبر کہے، ایسا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہے کہ تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک میں تمہیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔ اس لیے ہم تو اسے صلہ ہی نہیں دے سکتے، اقبال نے کہا تھا کہ یہ درآمدی لٹریچر اور بورژوائی جدید ترین کلچر، ایک غیر پائیدار، غیر مستقل اور سیماب صفت کلچر ہے۔ دراصل یہ ہوا کا کلچر ہے اور اس میں ذرا بھی پائیداری نہیں ہے۔ اس کی تمام تر روشن صفات کا دارومدار اس کے صرف دو پہلوؤں Concept of Democracy اور Concept of Liberty پر ہے اور اسلام کے نظریاتی تخیل کو آج ان ہی دو پہلوؤں کا سامنا ہے۔ خواتین و حضرات! یہ مت سمجھے گا کہ میں Democracy کے خلاف ہوں۔ میں اس ڈیموکریسی کے خلاف ہوں جس میں Moral Culture محفوظ نہیں۔ مگر سیکولر ڈیموکریسی نہ Moral ہوتی ہے نہ Immoral ہوتی ہے بلکہ اگر جمہوریت مل کر فیصلہ کرے تو دنیا کا بدترین گناہ اور دنیا کی بدترین اخلاق سوز حرکت بھی Majority Opinion سے جائز ہو سکتی ہے اور اس کی مثال اس وقت جانور سے شادی کرنے کی ہے۔ لندن میں ایک انتہائی محترم ثقہ رومن کیتھولک پادری نے اپنی شادی باقاعدہ طور پر کورٹ میں اپنی نہایت عزیز اور محترم کتیا سے رچائی ہے۔ یہ وصف تو ڈیموکریسی ہی کا ٹھہرا ہے۔ جمہوریت انسان کو اتنی آزادیاں بخشتی ہے، اتنا اعلیٰ ظرف عطا کرتی ہے کہ کمال ہو گیا کہ کسی نے بھی اس بات کا برا نہیں منایا۔ کیونکہ برا منانا تو Rigidity ہے۔ کلچر

کے اوصاف میں کسی چیز کا براماننا درج ہی نہیں ہے۔ تفنن یہ ہے کہ ایک Individual کی آزادی کا تو اتنا تحفظ ہے کہ آپ ایک لفظ بھی اس کے خلاف نہیں بول سکتے لیکن آپ رشدی کو سزا نہیں دے سکتے۔ اسے آزادیٔ رائے کا پورا تحفظ حاصل ہے۔ اگر رشدی ایک بلین مسلمانوں کی دل آزاری کرے، ان کو گالی دے، ان کے باپ کو گالی دے، ان کی ماں کو گالی دے، ام المومنین عائشہؓ کے خلاف لکھے، سید کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف لکھے اسے پوری پوری آزادی ہے۔ یہ ڈیموکریسی کے متضاد اوصاف ہیں۔ Imoral ہونا اس کی صفت ہے، یہ Imoralism کا ایک ایسا بھیانک نظام ہے جو نہایت خوفناک بحران پیدا کرتا ہے یہ ماضی میں بھی تھا آج کی بات نہیں ہے یہ بڑی پرانی بات ہے کہ ایک دفعہ سپارٹا کی آبادی میں اضافہ ہوگیا تھا۔ سپارٹا کی ہائی کونسل اور ہائی کونسلرز اس مسئلے پر غور وخوض کے لیے بیٹھے اور اس آبادی کی شرح کو روکنے کے لیے کونسلرز نے ہم جنسی کی اجازت دے دی۔ اسی قانون کی روشنی میں آج بھی دنیا میں ایسے قوانین تشکیل دیے جا رہے ہیں۔ حقیقت میں یہ قوانین نئے نہیں ہیں بلکہ سپارٹا میں ان کی کونسل نے سب سے پہلے یہ قانون پاس کیا تھا۔ خواتین وحضرات! اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو کیا دے رہے ہیں۔ Possible highest intellectual Order سے نکلا ہوا یہ دین ایک بات کلیم کرتا ہے۔ اس کلیم کے بعد صرف چالیس برس تک اس بات کو Demonstrate کرتا ہے۔ ایک Pure Islamic آرڈر Demonstrate ہوا جو مستقل نہیں تھا۔ اس کے Choices بلڈ ہوتے ہیں۔ جب آپ اسے اپنے اختیار سے پسند کرو گے تو پھر اسلام کو بحیثیت مذہب چنو گے مگر اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ ''ما انزلنا علیک القران لتشقی'' (طٰہٰ: آیت ۲) اے میرے سردار اے میرے پیغمبر، اے میرے محبوب ''ما انزلنا علیک القران لتشقی'' ہم نے قرآن کو مشقت کے لیے نہیں اتارا۔ خواتین وحضرات! اگر قرآن اور اسلام میں مشقت نہیں ہے تو پھر آپ اتنی مشقت کیوں اٹھا رہے ہیں، کیوں اتنے خوفزدہ ہیں۔ معاشرہ اسلام کو پلٹنے کیلئے کیوں ڈرا ڈرا سا رہتا ہے۔ اس کی نگاہ میں کون سے ایسے قوانین ہیں، کیا آپ نے کبھی اپنے Religious قوانین کی سائیکالوجی سمجھی ہے؟ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ دنیا میں واحد اسلام ایسا قانون ہے جو قتل کے آخری لمحوں میں بھی اس کی برأت رکھتا ہے یہ بدترین جرم جو زمین پہ ہوتا ہے آخری لمحہ حیات میں بھی معاف ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ قصاص اور دیت کے قوانین صرف اور صرف اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ نماز ایک چھوٹا سا لازم ترین حکم ہے مگر اس نماز میں بھی ستائیس Exceptions ہیں۔ اس قانون میں اللہ نے لوگوں کو آسانیاں دینے کے لیے یہ Exceptions رکھے ہیں۔ روزے میں بھی Exceptions ہیں۔ روزہ کتنا سخت ہوتا ہے کتنا Hard ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس کو رکھنے کا بھی حوصلہ نہیں پاتے خدا کہتا ہے نہ رکھو مگر اس کے بدلے میں کم از کم ایک یتیم، ایک مسکین کو کھانا دے دو۔ ''و علی الذین یطیقونہٗ فدیۃٌ طعام مسکین'' (البقرۃ: آیت ۱۸۴) ہم لوگ چونکہ براہ راست مذہب کی آگاہی اور حدیث رسولؐ پڑھنے سے گریزاں ہیں تو پھر ہمیں اس پیغمبر کی عظمت کا کیا پتا لگے گا۔ جسے خدا کہتا ہے ''وبالمومنین رؤف الرحیم'' (التوبہ: آیت ۱۲۸) اللہ خود اپنی زبان سے کہتا ہے کہ وہ رؤف ورحیم ہے۔ مگر وہ رؤف الرحیم اپنی کائنات بالا میں ہے۔ جہاں کسی انسان کی رسائی ممکن نہیں ہے لیکن زمین پر اگر اللہ کی طرح کوئی رؤف الرحیم ہے تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ تمام انسانوں، اہل اسلام، جانوروں اور ہر شے کی

محبت کا آخری شعور رکھتا ہے یہی رؤف الرحیم بندہ ہے اور یہی رحمت اللعالمین ہے اور تم خوش نصیب ہو کہ میں نے تمہارے درمیان میں رحمت اللعالمین کو پیش کر دیا۔ ہر چیز Constitutionalise ہوتی ہے۔ خواتین و حضرات! رحمت کا کیا Concept ہے۔ بائیس سال تک مشقت —— محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بائیس برس تک اصحاب رسولؐ کی مشقتیں، نارچر، ذہنی ابتلا، کرب و بلا، دکھ اور اذیتیں، اتنی بڑی اذیتیں، "ام حسبتم ان تدخلو الجنة ولما یأتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستهم البأساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنوا معهٗ متٰی نصر الله الا ان نصر الله قریب" (البقرۃ: آیت ۲۱۴) "تم گمان کرتے ہو کہ ہم تمہیں جنت میں داخل کر دیں گے۔ بغیر کہے سنے، ہم تمہیں داخل کر دیں گے جنت میں، تمہیں پتا نہیں، تم سے پہلے، بڑی ایسی قومیں گزری ہیں کہ جن کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے سختی سے آزمایا گیا۔ ان پہ ایسی ایسی آزمائشیں ڈالیں۔ آروں سے چیرے گئے۔ گردنیں ان کی قلم کر دی گئیں۔ ان کو آگ میں ڈالا گیا۔ دیکھیے تو سہی سورۃ جس کی شروع ہی اس "والسماء ذات البروج والیوم الموعود O و شاهد و مشهود O قتل اصحب الاخدود O النار ذات الوقودO" (البروج: آیت ۱ تا ۵) میں کن لوگوں کا ذکر ہے جن کو کلمے کی تصدیق کے لیے ایک ایک کر کے آگ میں ڈالا گیا اور کیسی کیسی جرأت آزما آزمائشیں امتوں اور ان کے پیغمبروں پر ڈالی گئیں۔ حتیٰ کہ ایوب بے چارگی میں پکارا ٹھے، "انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" (الانبیاء: آیت ۸۳) کہ "ہمیں عذاب نے چھو لیا ہے۔ اے اللہ اور اگر تو ارحم نہ ہوگا۔ تو اس عذاب سے نجات نہ ہو گی۔ کسی پیغمبر نے پکارا "انی مغلوبٌ فانتصر" (القمر: آیت ۱۰) اے رب کریم! میں تو سراسر مغلوب ہوں، اگر تو حمایت کرے گا تو میں اپنے اوپر اور حالات پہ غلبہ پاؤں گا کوئی اتنا بھوکا، ننگا مجبور ہو کے صحرا کے کنارے درخت کے ساتھ ٹیک لگا کے، بڑے ہی عجز و انکسار سے اللہ کو پکارتا ہے۔ "انی مغلوبٌ فانتصر" (القمر: آیت ۱۰) اے اللہ تو جو بھی نازل فرمادے میں فقیر ہوں۔ اس فقر و فاقہ سے گزرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنی امت کو آگے بڑھائے جاتے ہیں۔ تو اللہ کہتا ہے کہ تم گمان کرتے ہو کہ رحمت آسانی ہے۔ رحمت آسانی نہیں ہے۔ رحمت اس بچے پہ چھپتی ہے۔ جسے استاد شاید چھڑی سے اس لیے مارتا ہے کہ یہ بے قاعدگیاں چھوڑ کر باقاعدہ ہو جائے تو وہ جو چھڑی ہے رحمت کی چھڑی ہے۔ وہ ماں باپ جو کسی بچے کا کھانا اس لیے بند کر دیتے ہیں کہ اس کو کچھ فہمائش ہو۔ یا اپنے انداز اخلاق و اطوار بدلے۔ تو وہ جبر و اکراہ نہیں رحمت ہے تو رحمت میں ایک عنصر جو ہے ایک عنصر سزا کا چھپا ہوتا ہے مگر اس تمام تر سزا کا عندیہ۔ اس تمام تر سزا اور آزمائش کا عندیہ کسی کی زندگی کی Ultimate بہتری ہے۔

عقل یہ ہے کہ آپ ان حالات کو جانتے ہوں۔ جو کسی شخص یا طالب علم کہ اس کا ڈیٹا محدود اور اس کی محنت کم ہے اور اس نے بالآخر فیل ہونا ہے تو میں یہ چاہوں گا کہ اس پہ کچھ جبر کروں۔ اور اس کو کوئی ایسی سزا دوں کہ وہ ان Activities سے گریز کر کے کچھ عرصے کے لیے زیادہ محنت کرنے کے قابل ہو۔ میرا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ امتحان سے پاس ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے استاد تھے۔ خواتین و حضرات! میں آج کتنا بھی محترم ہو جاؤں، مقدس ہو جاؤں، بڑا ہو جاؤں، نیک ہو جاؤں مجھے تو کوئی ٹیچر آ کے تمغہ نہیں دے گا کہ اللہ تجھ سے راضی ہوا اور تو اللہ سے راضی ہوا۔ میں یہ تو کہہ سکتا ہوں کہ میں اللہ سے راضی ہوا۔ مگر مجھے کون سرٹیفکیٹ دے گا کہ اللہ مجھ سے راضی ہوا، یہ تو

جنابِ رسالت مآبؐ کی یونیورسٹی سے پہلے قاعدہ قانون چلا ہی نہیں۔ یہ صرف اور صرف ایک ایسی کلاس تھی۔ جسے اس استاد نے ایسا لکھایا ایسا پڑھایا، ایسا سمجھایا، ایسی Priority ترجیح استوار کی، ایسا انداز زندگی ان کو بخشا، ایسا طریق تکلم بخشا، انداز حیات بخشا، شہادتیں بخشیں، عرفان ذات پروردگار بخشا کہ اللہ نے اس کلاس کو اس کی زندگی میں ہی پاس کر دیا اور کہا۔ "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" (سورۃ : البینہ) کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ اس پورے زمانے میں ایک واحد کلاس ہے جو تین ہزار یا پانچ ہزار لوگ ہیں۔ حدیبیہ میں اللہ نے فرمایا اے پیغمبرؐ! انہوں نے تیرے ہاتھ پہ بیعت نہیں کی۔ انہوں نے میرے ہاتھ پہ بیعت کی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی زمین پر اپنی زندگی ہی میں بخشے گئے ہیں۔ آج بھی دنیا کی بڑی بڑی یونیورسٹیاں ان کے استادوں کے ناموں ہی سے جانی پہچانی جاتی ہیں۔ آپ واسٹر شہر سے گزریں۔ بڑی شاندار یونیورسٹی ہے۔ کریڈٹ! آئن سٹائن یہاں پڑھا ہے۔ آپ آسٹن سے گزریں بہت بڑی یونیورسٹی ہے کیوں بڑی ہے، فلاں فلاں استاد یہاں سے پڑھا ہے۔ علامہ اقبال کو گورنمنٹ کالج نے تین بار مار پیٹ اور جھگڑے کے سبب نکالا تھا لیکن اقبال جب علامہ ہو گئے تو کالج بڑے افتخار سے بتایا کرتا تھا کہ علامہ اقبال ہمارے ہاں پڑھتے تھے۔ Individual سے کائنات مبنی ہے۔ فرد واحد سے کائنات مبنی ہے۔ اس لیے ان تمام افراد کو Follow کرنا جب ابراہیم نے دلائل و براہین سے خدا کو پایا۔ خدا کی شناخت کی، اللہ نے اس Credebility کو پسند کیا۔ فرمایا ایک نعمت میں نے ابراہیم کو بخشی تھی۔ سارے انسانوں کو بخشی تھی اور سارے انسانوں نے اسے کمتر استعمال کیا، استعمال کے باوجود کم تر ترجیحات کے لیے استعمال کیا۔ میں نے انہیں اپنے لیے دی تھی انہوں نے انہیں روٹی کے لیے استعمال کیا، عزتوں کے لیے، وجاہتوں کے لیے، تکبرات کے لیے استعمال کیا اور شناخت کا بنیادی مقصد چھوڑ دیا۔ ابراہیم نے شناخت کو شناخت کے مقصد کے لیے استعمال کیا۔ خدا اور اپنی ذات پر غور و فکر اللہ ہی کے اس قول کے مطابق ہے کہ میں نے عقل و شعور دیا ہی اسی لیے ہے کہ "ان ھدینا السبیل اما شاکرا و اما کفورا" (الدھر: آیت ۲) تمام غور و فکر اس لیے ہے چاہو تو مجھے مانو، چاہو تو میرا انکار کرو۔ ابراہیم نے مجھے جانچا، پرکھا، ستاروں سے گزرا، آفتاب و مہتاب سے گزرا، علامات جہاں سے گزرا اور بالآخر اس نتیجے پہ پہنچا کہ میرا خدا، میرا رب میرا اللہ ایک واحد پروردگار ہے۔ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں وہ حی القیوم ہے۔ وہ تمام علم اسی کا ہے، تمام حکمت اسی کی ہے۔ مگر پھر بھی خدا سے کہا کہ رب کریم کچھ ایسی بات ہے کہ سب کچھ جاننے سمجھنے اور سوچنے کے باوجود میرے قلب میں پھر بھی کچھ وساوس رہتے ہیں۔ فرمایا اے ابراہیم اتنا کچھ جاننے سننے کے باوجود بھی تجھے مجھ پر ایمان نہیں ہے۔ فرمایا اے پروردگار ایسا نہیں ہے۔ "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" (الرعد: آیت ۲۸) فرمایا صرف اطمینان قلب چاہتا ہوں، اطمینان قلب، شہادت سے، واقعات و شہادت سے، جب تک شہادت نہ مہیا ہو، علم تو وضاحت خیال دیتا ہے۔ مگر پھر وہی وسوسہ یقین کے باوجود، جاننے کے باوجود کہ اللہ ہے، وہی زندگی کا خالق ہے، سب کچھ ہے، پھر وہی فتنہ کہ! کیسے، فرمایا صرف ایک معاملہ ہے۔ "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" (الرعد: آیت ۲۸) ٹھیک ہے چار پرندے لے پہلے ان کو اپنے ساتھ مانوس کر لے، کمال ہے اللہ میاں بعض اوقات لگتا ہے کہ بڑے بڑے سائیکالوجسٹ کی کلاس لے رہا ہے۔ بھلا پوچھو آپ کو کیا ضرورت ہے ہلائے ہوئے پرندوں کی۔ تو خواتین و حضرات! وسوسے کا خالق ہے، وسوسے کا توڑ رکھا ہے۔ اگر ابراہیم چار

نئے پرندے لے لیتے، سرکاٹ کے دور دور رکھ دیتے، فرمایا بلا ان کو تیری طرف لپکتے، لپکتے چلے آئیں گے تو ابراہیم کے ذہن میں ایک وسوسہ پیدا ہوتا کہ یہ وہ پرندے تو نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے چار تو میں نے قتل کر دیئے تو اللہ میاں چار نئے پرندے بھی تو میری طرف بھیج سکتا ہے۔ یہ الیوژن نہ ہو۔ اللہ میاں کا ایک چھوٹا سا کرشمہ ڈیوڈ کاپر فیلڈ بھی تو ہے۔ کھڑے کھڑے ایفل ٹاور غائب کر دیتا ہے تو اگر الیوژن اتنا بڑا ہو سکتا ہے تو ممکن ہے کہ یہ بھی کوئی کرشمہ قدرت ہو کہ جو چار پرندے میں نے دیے ہیں شاید یہ وہ نہ ہوں اور یہ چار پرندے دوسرے ہوں۔ بنا بریں اللہ نے فرمایا ان پرندوں کو تھوڑا سا ہلا لے تا کہ تجھے شناخت ہو جائے کہ یہ وہی چار پرندے ہیں جن کی گردنیں تو نے خود کاٹی ہیں اور یہ وہی پرندے تیری طرف لوٹ کے آئے۔ اس قدر پیچیدہ سائیکالوجی اور وساوس کو انسان کی ذہنی سطح کے مطابق ٹریٹ کرنا اللہ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا خوبصورت بات کہی ہے کہ اگر آپ لوگوں کے ذہن میں ہو تو بھی وسوسہ آ ہی نہیں سکتا۔ For Example کالی بلی نے اگر رستہ کاٹا ہے تو آپ اسی رستے پہ جائیں گے جس رستے کو بلی نے کاٹا ہے۔ فرمایا جب وسوسہ آئے تو وہی کیا کرو جس سے وہ ڈراتا ہے یعنی جب وسوسہ آئے تو اس کے الٹ کیا کرو۔ خواتین وحضرات! میں آپ کو اپنا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ مجھے ایک بار لیکچر کے لیے کوئٹہ جانا تھا۔ اتفاق سے وہ دن منگل کا تھا۔ جب میں اپنے گھر کی دہلیز عبور کرنے لگا تو پھوپھی جان محترمہ کی آواز آئی کہ آج منگل ہے کہیں نہ جانا۔ منگل والے دن سفر کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ میں نے کہا یہ جو بے شمار لوگ منگل کو سفر کرتے پھرتے ہیں کیا یہ خدا کے ناپسندیدہ بندوں میں سے ہیں۔ اور کیا منگل کو شیاطین کھلے پھرتے ہیں اور اللہ کے بندے گھروں میں قید ہوتے ہیں۔ مجھے بہت Resist کیا گیا۔ میں ذرا آگے چلا تو ایک دوسری خاتون بولیں۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں منگل کو جانا ٹھیک نہیں ہوتا۔ خواتین محترمات یہ خاص آپ کے لیے ہے! اگر ایک بات دوبارہ یا تیسری مرتبہ کوئی بندہ کہتا ہے کہ منگل کو نہ جانا تو دل میں خیال تو آتا ہوگا کہ سارے لوگ کہتے ہیں منگل کو نہ جانا۔ یقیناً کوئی تو خرابی ہوگی۔ چلو آج منگل کو نہ جاؤ مگر میں نے وہی کیا جو میرے رسول نے بتایا تھا لہٰذا میں نے کہا میں آج تو ضرور ہی جاؤں گا۔ کل جاؤں نہ جاؤں آج ضرور جاؤں گا۔ خواتین وحضرات! جب میں ایئرپورٹ پہنچا تو دو بڑے اعلیٰ درجے کے آفیسر میرے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ میں نے کہا آپ کہاں، کہنے لگے کہ سنا تھا کہ آپ کوئٹہ جا رہے ہیں تو ہم نے سوچا آپ سے ایئرپورٹ پر مل لیں۔ وہ مجھے جہاز تک چھوڑنے آئے۔ میں جب جہاز میں بیٹھا تو ایک شخص کو پتا لگا کہ میں پروفیسر احمد رفیق اختر ہوں پھر دیکھتے ہی دیکھتے قطاریں لگ گئیں اور تمام سفر مسافروں کو تسبیحات دینے میں گزرا۔ جہاز سے اترا تو کئی احباب منتظر تھے۔ یہ پانچ دن کا سفر مسلسل خدا کی یاد، خدا کے کلام اور خدا کی محبت میں گزرا۔ میں نے کہا اگر ایسے منگل ہوتے ہیں تو ضرور آیا کریں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وساوس سے گھبرایا نہ کرو۔ یہ وساوس، سراب اور ذہن کے تصورات ایمان کے لیے خوشی کا سبب بنتے ہیں؟ کیونکہ ہم ان وساوس کے باوجود اپنے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ ایمان رکھتے ہیں۔ ان شیاطین کے باوجود جو ہمیں خیال کے پتھروں سے رجم کر رہے ہوتے ہیں۔ ہم اپنے اللہ اور رسول پہ ایمان رکھتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا جب وساوس آئیں تو یہ ضرور کہا کرو "آمنت باللہ و رسولہ" (مسند احمد) کہ ہم اللہ اور اپنے رسول پہ ایمان لائے۔ اور یہ وسوسہ اسی وقت خارج ہو جاتا ہے۔ خواتین وحضرات یوں تو بڑے بڑے لوگوں نے ثنائے حضورؐ کی مگر ایک دفعہ ایک شاعر نے حضورؐ کی خدمت میں شعر پیش کیا۔ تڑاتا ساہوا آسانوں کی بجلی کی

سی طاقت شعر میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کلام میں بڑی طاقت ہے تو حضرت حسان بن ثابتؓ نے شعر پڑھا تو آسمان سے ایک گونج اٹھی۔ داد ملی اور جبریل امین اترے اور کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شعر کی داد تو اللہ بھی جبریل کو دے رہا ہے۔ اب اگر غور کیجیے تو شعر کے معانی عجب ہیں۔ معانی یہ ہیں کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ نے آپ کو ویسے بنا دیا جیسے آپ نے چاہا۔ "کانک قد خلقت کما تشآء" جیسے آپ کی مرضی تھی، جیسے آپ نے چاہا، بحیثیت انسان آپ زندگی گزاریں۔ جس آدمیت پر آپ فائز ہونا چاہتے تھے یہ بڑا Important نکتہ ہے خواتین وحضرات! بڑی کوشش کی میں نے تہجد پڑھوں، نیکی انسان کے بس میں ہی نہیں ہوتی۔ ایک بڑے صاحب فکر نے کہا کہ یہ غلط حدیث ہے کہ جس نے حی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کے بعد لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا اس پہ جنت واجب ہوگئی۔ غلام احمد پرویز ہمارے پہلے دوستوں میں تھے ان کو اس حدیث پر اعتراض ہوا۔ کہنے لگے۔ سبحان اللہ حدیث ہی نہیں ہے، غلط ہے۔ ایک آدمی تو سخاوت کر رہا ہے دوسرا آدمی اس کے پیسے گن رہا ہے کہ یہ تو جائز ہی نہیں ہے۔ مناسب ہی نہیں ہے۔ کیوں بھئی آپ ایسے کیسے دے دیں گے نجات۔ جنت کیسے دے دیں گے۔ صرف لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنے کے لیے آپ نے حی الصلوٰۃ کہا۔ مگر خواتین وحضرات! ذرا غور تو کیجیے، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب مؤذن نے کہا، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح آؤ خیر کی طرف، آؤ نماز کی طرف تو جواب والے نے کچھ سوچا۔ اس پر شر تو میرا اپنا ہے، شر تو میرے وجود سے تخلیق پاتا ہے۔ میں اسے سوچتا ہوں، شیطان کے ساتھ مل جاتا ہوں۔ وہ مجھے اکساتا ہے، میں اس کی طرف جاتا ہوں اور پھر میں وہ شرارت کر بیٹھتا ہوں۔ مگر خیر کا مالک تو اللہ ہے اور اگر خیر کا ادراک میں کروں اور خیر سارے کا سارا میں کرتا ہوں تو یہ بھی شیطان کا شر ہے۔ اگر قدرت خیر میں Claim کر لوں تو بجائے اس کے اچھی بھلی نیکی کرتے کرتے، نیکیاں ساری کر کے دریا میں ڈال دوں گا اور کسی حاتم طائی کو پھر کسی سفر پہ نکلنا پڑے گا اس نکتے کو جاننے کے لیے کہ خیر اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور جب کوئی انسان دل یا زبان سے کہے کہ پروردگار نہ میری کوئی قوت نہ میرا کوئی ارادہ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ کا یہی مطلب ہے تا کہ نہ میری کوئی قوت نہ میرا کوئی ارادہ جو کچھ ہے تیری توفیق سے ہے۔ اگر تو اجازت بخشے گا، توفیق بخشے گا، رحم فرمائے گا، تو میں نیکوکاروں میں سے ہوں گا، میں نمازیں بھی پڑھوں گا، میں فلاح بھی اختیار کروں گا اور اس اپروچ سے اعلیٰ، صاف ستھری اور نیک اپروچ نہیں۔ اور کوئی شخص جو یہ ذہنی اپروچ رکھتا ہے۔ رب کعبہ کی قسم ہے کہ جہنم اس کو کبھی بھی واغدار نہیں کر سکتی۔ اس لیے کہ تمام ایمان خواتین وحضرات! اعمال کی Conception پہ ہے۔ آپ کا Fore - brain، اس کے رستوں، اور انداز کو کنٹرول کرتا ہے۔ آپ کو حکم دیتا ہے، انداز زندگی دیتا ہے عرفان بخشتا ہے، رفعت خیال بخشتا ہے یہ Fore brain ہے جس کے بارے میں قرآن میں اللہ کہتا ہے کہ میں نے "ما من دآبة الا هو اخذ بنا صیتها" (ہود: آیت ۵۶) کہ زمین میں ایسا کوئی ذی حیات نہیں ہے جسے میں نے اس کے ماتھے سے نہیں تھاما ہوا۔ خواتین وحضرات! ماتھے پہ بالوں سے نہیں اللہ نے پکڑا ہوا، بلکہ یہاں Fore brain ہے جس کا ریموٹ کنٹرول اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ یہ Fore brain پھر دماغ کے دوسرے سسٹمز کو آرڈر دیتا ہے، ان میں سے خلاقیت، تخلیق، عمل پذیری کا ایک سسٹم ہے۔ پھر عمل پذیری کا وہ سسٹم آپ کو عبادات ظاہرہ یا اشکال باطنیہ یا ظاہرہ کا حکم دیتا ہے۔ کیا اللہ کے نزدیک اعمال کی حیثیت اور خیال کی حیثیت ایک ہے؟ قطعاً نہیں۔ بلکہ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ ایمان کیا ہے؟

خواتین وحضرات یہ بات اچھی تو نہیں ہے نا کہ عملیت پسند کتاب سے ہماری رعایت کے سارے قانون ہی نکال دے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دیے ہیں۔ دیکھو نا جب بندہ بوڑھا ہو جائے تو اسے Obstackle Race میں ذرا آگے کھڑا کرتے ہیں اس کو Advantage دیتے ہیں۔ جوان کو پیچھے کھڑا کرتے ہیں تا کہ عمروں کے لحاظ سے اُسے Advantage مل جائے تو کیا خیال ہے خواتین وحضرات! انسانوں کے دماغوں میں تفاوت نہیں ہوتی؟ پڑھائیوں میں تفاوت نہیں ہوتی؟ رُتبہ واعمال میں تفاوت نہیں ہوتی؟ ہر آدمی اور دوسرے آدمی میں عمل اور ذہن کا فرق نہیں ہوتا؟ تو پھر اللہ تعالیٰ نے کچھ Obstacles کی وجہ سے کچھ رعایتیں اناؤنس کی ہوئی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو زبان سے اقرار کرے کہ اللہ ایک ہے اور مرتے دم تک اس اقرار پہ قائم رہے تو تُو نے ایمان چکھ لیا۔ اگر تو زبان سے کہے اللہ ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں اور پھر مرتے دم تک اس عہد پہ پابند رہے تو تُو نے ایمان چکھ لیا۔ خواتین وحضرات! اعمال کا ذکر ہی نہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیحین کی حدیث ہے۔ یہ نہیں کہ اعمال نہ کرو یہ کبھی بھی گمان نہ کیجیے گا۔ یہ میں اعمال کے خلاف بات نہیں کر رہا بلکہ میں نیات کے حق کی بات کر رہا ہوں۔ ان نیات کے حق کی بات جنہیں اعمال زدہ لوگ سرے سے بھول جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قیامت کب آئے گی؟ فرمایا تو نے کب قیامت کے لیے کیا کیا ہے کہ اتنی جلدی قیامت کا پتا پوچھ رہا ہے۔ فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا تو کچھ نہیں کیا۔ کہا تُو نے نمازیں بہت پڑھی ہیں؟ کہا نہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جزوی سی ہیں بس۔ فرمایا روزے بڑے رکھے ہوں گے۔ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی گرمی پڑتی ہے، فدیہ دے دے کے ہی روزے رکھے ہیں۔ اور پھر خیرات وصدقات بڑے دیے ہوں گے۔ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس ہے ہی کچھ نہیں دینے کو۔ میں تو لوگوں سے مانگ کے کھاتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، پھر تو قیامت کے بارے میں کیوں پوچھتا ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے آپ سے بڑی محبت ہے۔ فرمایا پھر قیامت کے دن لوگ انہی کے ساتھ اٹھائے جائیں گے جن سے ان کو محبت ہوگی۔ اللہ بخشے امام ابن تیمیہؒ بڑے سخت تھے۔ امام ابن تیمیہؒ تو آپ سب جانتے ہیں بہت بڑے عالم، بڑے محدث، بہت بڑے فقیہہ مگر مزاج کے سخت تھے۔ سخت! گنجائش نہیں دیتے تھے۔ ہم پھر بھی انہیں پسند کرتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ گنجائش نہیں دیتے پھر بھی اسی زمانے میں قطب الاقطاب سیدنا خواجہ ابوالحسن شاذلی زندہ تھے۔ شاذلیہ آج بھی آپ کو پتا ہے امام مغرب کہلاتے ہیں۔ تمام مغرب میں حضرت شاذلی کا سلسلہ چلتا ہے تو امام ابن تیمیہ نے ایک خط لکھا۔ شاذلی باز آ۔ تو لوگوں کو بڑے محبت کے سبق دیتا ہے۔ بڑی نیات کے عمل سکھاتا ہے۔ اگر اعمال کی بات نہ کرے گا تو تجھے ضرور سنگسار کی جائے گی۔ امام شاذلی نے جواب میں یہ حدیث لکھ کے بھیج دی جو ابھی میں نے سنائی اور کہا بھئی ہم تو اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتے اگر تم لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محدود کرنا ہے تو پھر ہم تمہاری سیادت بھی نہیں مانتے۔ وہ رحمت اللعالمین ہیں۔ تم انہیں محدود اللعالمین لیے جاتے ہو۔ وہ قیامت تک انسانوں کے لیے شفاعت وکرم وجود وسخا کا منبع ہیں اور تم کسی بخیل اور قارون کی طرح انہیں چند صندوقوں کی کنجیوں میں باندھ کے رکھنا چاہتے ہو۔ کیا محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کو رحم کرنے سے پابند کیا جا سکتا ہے؟ ''انما أنا قاسم و اللہ یعطی'' (بخاری) حدیث ہے کہ اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔ خواتین وحضرات نبی ہوتے کس لیے ہیں۔ نبی پر سوال کیا جاتا ہے کہ ان کو غیب کا علم ہے کہ نہیں۔ خواتین وحضرات! غیب کیا ہوتا ہے جس کی انفارمیشن نہ ہو۔ فرض کریں کہ میں نے دس کتابیں پڑھی ہیں اور میرے بھائی نے بیس پڑھی ہیں تو دس کتابوں تک میں اور وہ شہود میں ہوں گے۔ گیارہویں کتاب شروع ہوگی اور میں غیب میں چلا گیا میں نے تو پڑھی ہوئی نہیں ہیں۔ میرے تو شناخت میں نہیں ہیں۔ تو انفارمیشن کی حدود سے غیب وشہود کا تعین ہوتا ہے۔ یعنی جتنی انفارمیشن ہوگی۔ ایک جادوگر ہے، اس کو سحر کاری کی انفارمیشن ہے۔ وہ آپ کو حیران کر دیتا ہے، سراسیمہ اور پریشان کر دیتا ہے۔ ایک عالم جو اپنے علم سے آپ کے دل میں عقیدت، محبت اور عبودیت کا احساس پیدا کر دیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے یہی بات اللہ نے کہی۔ ''عَسٰی ان تکرھوا شیئا ھو خیر لکم'' (البقرۃ: آیت ۲۱۶) کسی چیز میں تم کراہت کھاتے ہو اس میں خیر ہوتی ہے۔ ''و عسی ان تحبوا شیئا وھو شر لکم'' (البقرۃ: آیت ۱۲۶) اور کسی چیز سے تم محبت رکھتے ہو، وھو شر لکم اور اس میں شر ہوتا ہے۔ اگر میں نہ جانتا ہوتا، اللہ کا کہنا یہ ہے، اگر میں نہ جانتا ہوتا، اگر میں تمہارا خیال نہ رکھتا، اگر میں تم پہ مہربان نہ ہوتا تو تم لوگ ضرور میرے لیے نت نئے پاکھنڈ پھیلاتے، اور نئی نئی آفتیں لاتے۔ اس لیے میں تمہیں یہ صاف صاف بتا دوں کہ ''واللہ یعلم و انتم لا تعلمون'' (البقرۃ: آیت ۲۱۶) کہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ خواتین وحضرات! یہ ہر استاد پہ قانون لاگو ہوتا ہے۔ استاد شاگرد کو کہتا ہے کہ یہ سوال غلط ہے۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔ جہاں انفارمیشن موجود ہے وہاں شہود ہے۔ جہاں انفارمیشن نہیں ہے وہ غائب ہے۔ مگر دیکھیے تو سہی غائب ہے کیا۔

جب کیبڈ نیز نے سلطنت اسرائیل تباہ کی تو حضرت دانیال 70 ہزار قیدی ساتھ لے کے گئے اور بنی اسرائیل کی عورتوں کو لونڈیاں بنایا، ان کے جوانوں کو قتل کیا۔ بڑی دیر گزری حضرت عزائیل نے رونا پیٹنا کیا۔ پیغمبران بنو اسرائیل بڑے روئے کہ اس مصیبت کو خدا ٹال۔ پھر حضرت دانیال کا زمانہ آیا۔ حضرت دانیال اک پیغمبر تھے۔ اک نبی تھے اور باقی اس زمانے میں ڈیڑھ سو کے قریب اور بھی نبی تھے۔ حضرت دانیال کے لیے یہ بات ثابت کرنا کہ وہ اصلی نبی تھے بہت مشکل ہوا۔ مگر نبی کی پہچان غیب کی خبر جاننا ٹھہرا۔ اس وقت کے دوران میں حاکم وقت نے ایک خواب دیکھا۔ اب مشکل یہ آن پڑی کہ اس خواب کی تعبیر کون بتائے۔

بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو شخص مجھے خواب بتائے گا پھر تعبیر بتائے گا تو میں اس کو میں نبی مانوں گا۔ اب جو جعلی لوگ تھے وہ بچارے تعبیر تو کر ہی لیتے ادھر ادھر کہیں سے یا تاویل گھڑتے۔ اب یہ کیسے بتاتے کہ بادشاہ نے کیا خواب دیکھا ہے یہ تو بڑی غائب کی بات تھی۔ پھر حضرت جبرئیل امین اترے۔ دانیال کے پاس آئے کہا کہ بادشاہ نے یہ خواب دیکھا اور اس کی تعبیر یہ ہے اگلے روز پھر بادشاہ کے حضور دانیال پیش ہوئے اور کہا بادشاہ تو نے ایک انگلی کو دیوار پہ لکھتے ہوئے دیکھا ہے اور اس نے لکھا ہے تو جانچا گیا، پرکھا گیا اور تخت و تاج سے گرایا گیا۔ بادشاہ کو یقین ہوا۔ اس نے کہا یہی نبی ہے جو غائب کی خبر لاتا ہے۔ اور وہی ہمیشہ نبی کہلاتا ہے۔ اور غائب کی خبر کیا ہے۔ آپ کا خیال یہ ہے کہ غائب کی خبر یہ ہے کہ کسی کے گھر میں کیا پکا ہوا ہے، یہ بتا دینا۔ یہ تو بہت پہلے حضرت عیسیٰؑ کے علم میں تھا۔ ''و انبئکم بما تاکلون و ما

تدخرون فی بیوتکم" (آل عمران: آیت ۴۹) قرآن کہتا ہے کہ ہم نے ملکہ بخشا، استعداد بخشی، "وایدناہ بروح القدس" (البقرۃ: آیت ۸۷) جبرئیل امین کی مدد بخشی، حتیٰ کہ جب یہ لوگ ایک طوائف کو سنگسار کرنے لگے تو حضرت عیسیٰ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے موقع پر فرمایا، اس کو پہلا پتھر وہ مارے جس نے پہلے خود کبھی یہ گناہ نہ کیا ہو اور یہ دیکھ لینا کہ میں تمہارے باطن اور ظاہر کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ "وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم" اور میں بتا سکتا ہوں تم گھروں میں کیا کھاتے ہو اور کیا صندوقچوں میں چھپا چھپا کے رکھتے ہو، سارے ڈر گئے۔ پتا تھا کہ عیسیٰ نبی ہے۔ پتا تھا یہ خبر غائب رکھتا ہے۔ مگر خواتین و حضرات! خبر یہ تو عطا و بخشش ہے۔ اللہ جس کو جو خبر دینا چاہے خبر دیتا ہے۔ لہٰذا ان کا Source دیکھنا چاہیے۔ ایک عام سا Source ہے سکائی لیب ہے یہ ساری دنیا کی خبر رکھتی ہے۔ کل بھی امریکہ دعویٰ کر رہا تھا کہ وہ ہماری میزائل سائنس جانتا ہے۔ وہ جہاز کے اڑنے سے پہلے ہی دیکھ لیتا ہے، وہ تین منٹ میں اسی مقام پر چیز تباہ کر دیتا ہے۔ زمین کا دجال تو بڑے بڑے اعلیٰ کلیم Claim کرتا ہے اور آپ سب مانتے ہیں۔ اور وہ زمین و آسمان کا رب جو کلیم کرتا ہے، آپ کو اس کے ماننے میں کتنا دریغ ہوتا ہے۔ اس کا پیغمبر کہتا ہے، بھئی میں تمہیں غائب کی خبر دے رہا ہوں کہ خدا ہے۔ خدا ہی غائب ہے! خدا کے سوا کون غائب ہے۔ اللہ کے سوا تو کوئی غائب نہیں ہے۔ امنت باللہ، سب سے پہلا غائب خدا ہے، کسی فرد و بشر نے اسے نہیں دیکھا ہوا، نظر میں آج تک آ ہی نہیں سکا۔ کوئی شہادت نظری موجود نہ تھی۔ کوئی چیز ایسی حقیقت نہ تھی۔ ایک ہی غائب تھا، اسی غائب کے توسط سے جنت و دوزخ ہے۔ اسی غائب کے توسط سے عذاب قبر ہے، اسی غائب کے توسط سے سارے غائب ہیں۔ جو آپ کو غائب نظر آتے ہیں۔ مگر جو نبی اللہ کی انفارمیشن دے رہا ہے، اللہ کو غائب سے حضور میں لا رہا ہے، غیب سے شہادت میں لا رہا ہے، "ما زاغ البصر وما طغی O لقد رای من ایات ربہ الکبری O" (النجم: ۱۷، ۱۸) اس کی آنکھوں نے کوئی کجی نہیں کی، اس نے کھلی آنکھ سے اپنے رب کو دیکھا۔ بہت کہتے ہیں بڑا دانشور کہتے ہیں جبرئیل کو دیکھا۔ تو بھئی جبرئیل تو لگے پھرتے ہیں، زمین پر۔ جبرئیل تو وہ فرشتہ ہے پرانے زمانے میں Greek Mythology میں Hermes the Massenger ہوا کرتے تھے۔ لگتا ہے جبرئیل کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ جبرئیل ہی کی بگڑی ہوئی شکل Hermes the Massenger ہے۔ دراصل اللہ کی طرف سے ہر پیغمبر کو ہر حال میں پیغام رسانی کا فریضہ جبرئیل امین دیتے رہتے۔ آدم نے جبریل کو دیکھا۔ شیث نے دیکھا، نوح نے دیکھا، عیسیٰ نے دیکھا، موسیٰ نے دیکھا کون سا ایسا پیغمبر ہے جس نے ہر رنگ میں جبرئیل کو نہ دیکھا ہو۔ پھر جبرئیل کا معراج پہ دیکھنا کون سا وصف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواتین و حضرات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لیے ختم المرسلین ہیں، اس لیے رحمت اللعالمین ہیں کہ جہاں جہاں رب العالمین ہے وہاں رحمت اللعالمین ہیں اور جہاں پروردگار کو شہادت کی ضرورت پڑی، جہاں اپنے لیے ایک واحد شہادت متمکن کی اور اپنے غائب کو شہود میں لانا چاہا، اپنا حضور اسٹیبلش کرنا چاہا، وژن کے بغیر کرنا چاہا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدائے واحد و یکتا کے واحد و یکتا شاہد ہیں۔ اور ان کے بغیر زمین پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا، اللہ کی کوئی شہادت نظری موجود نہیں، شہادت بصری موجود نہیں،

وما علینا الا البلاغ

اللہ تعالیٰ ہمیں عرفان ذات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے۔ایک آخری بات جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش کرتی ہے جو اللہ کو خوش کرتی ہے۔حضرت کعبؓ بہت تسبیح کیا کرتے تھے فرمایا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں درود پڑھا کروں،فرمایا ہاں۔فرمایا ایک تہائی پڑھا کروں؟ فرمایا اور پڑھا کرو۔فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصف پڑھا کروں،فرمایا اور پڑھا کرو۔فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں درود ہی نہ پڑھا کروں۔ فرمایا کفایت کرے گا۔

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

سوالات و جوابات

یاجوج ماجوج کی کہانی!

سوال: یاجوج ماجوج کو ذوالقرنین نے کس مقام پہ قید کر رکھا ہے یہ قومیں کب ظاہر ہوں گی؟

جواب: یاجوج ماجوج کو اس نے کہیں قید نہیں کیا بلکہ یہ ایک قوم تھی کہ جو صحراؤں سے اٹھی تھی اور یاجوج ماجوج دراصل جو لفظ ہے Hagog Magog یہ یورپ میں بھی مستعمل ہے بلکہ فرانس کے Town Hall کے سامنے کبھی ان کے دو مجسمے لگے ہوئے تھے۔ Magog اور Hagog ان کو کہا کرتے تھے۔حضرت نوح کے تین بیٹے سام،حام اور یافث تھے انہی میں سے تھے۔ وحشی جنگلی تاتاری،انہی میں سے منگول تھے انہی میں سے اب ہونز تھے۔انہی میں سے Chinese ہیں۔اور ان کی بربریت مشہور ہے۔تو یہ زمین پہ بڑی کثرت سے ہیں مگر جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پہ ایسا رعب رکھا ہوا ہے بلکہ آپ دیکھیں گے China میں کبھی یہ عادت پیدا نہیں ہوتی کہ اپنے انقلاب کو باہر لائے حالانکہ روس انقلابی تھا تو اس نے ساری دنیا پر Revolution لانے کے لیے Material Dialectics کی کوشش کی مگر چائنا نے اور زیادہ Powerful ہونے کے باوجود بھی کبھی اپنے ملک سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کی ہے۔سدِ سکندری جو ذوالقرنین نے اس وقت اور اس کے علاوہ بھی یاجوج وماجوج کو جس چیز نے قید کر رکھا ہے وہ تقدیر الٰہی ہے اور زمانہ آخر میں جب باقی قومیں مسمار ہو جائیں گی تو یہ زندہ بچ جائیں گے اور یہ نکلیں گے اور آپ سوچ لو ایک ارب انسان جب اپنی خوراک کے لیے نکلے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پوری ہوگی کہ پانی کا ایک ایک قطرہ سمیٹ جائیں گے خوراک کا ایک ایک ذرہ کھا جائیں گے بلکہ زندہ انسانوں کو کھائیں گے اور پھر ایک Virus سے سارے مر جائیں گے ان کی گردنوں کے گرد پھوڑے نکلیں گے۔ Most Probably کتے،بلیاں،چوہے تو اب بھی یہ صاف کر جاتے ہیں اور ان کی عادات تمام کی تمام وہی ہیں جو کتاب ہائے حدیث میں قوم یاجوج وماجوج کی آئی ہیں مگر ان کا Self Check اتنا اچھا ہے کہ اب بھی آپ اگر China کو دیکھیں تو پچیس سال کے لیے انہوں نے کسی قسم کی مداخلت اور جنگ اپنے اوپر بند کی ہوئی ہے تو وہ بڑی سیانی قوم ہے۔آپ بھی سمجھیں کہ یاجوج ماجوج کی شرط پچیس سال میں سے دس گزر گئے ہیں پندرہ باقی ہیں۔

بچوں کی کردار سازی میں اسلام کا کردار

سوال: آج کے دور میں ہم اپنے بچوں کے کردار اور شخصیت کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے لیے کیا اقدام کریں؟

جواب: صرف ذاتی مثل ایک بڑے اچھے Educationist نے لکھا ہے۔ ہم تو مسلمان ہیں مگر اس بڑے Top کے Educationist نے ایک بڑی معقول بات کی کہ لوگ مقدر پرست تو ہوتے ہیں مگر بچوں کے معاملے میں نہیں۔ ہم تو ایسے بڑی بات کرتے ہیں کہ جبر ہی جبر ہے، تقدیر ہی تقدیر ہے مگر جب اپنے بچوں کی باری آتی ہے تو یہ مقدر پرست نہیں ہوتے ان کو کیوں یقین نہیں آتا کہ اس بچے کا مقدر ڈاکٹر بننا نہیں یا انجینئر بننا نہیں یا اس کا مقدر کیا ہے۔ وہ اپنے بچوں کی نشونما اپنے جنون اور آسیب سے کرتے ہیں جس ماں نے کبھی میٹرک پاس نہیں کیا، کیا وہ اس پہ جوتیاں اس لیے لگا رہی ہوتی ہے کہ Beacon House میں فرسٹ آئے اور جس باپ کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شعور نہیں ہوا وہ خواب دیکھ رہا ہوتا ہے کہ میرا بچہ P.hd کر کے یونیورسٹیاں تباہ کرے۔ اور خواتین وحضرات اس قسم کی جبریت ہماری Wishfull Thinking ہے۔ یہ ہماری Ideal خواہش ہے اس کو ہم عقل نہیں کہہ سکتے۔ ہر بچے کی اپنی Capacity ہے اب اگر دیکھو تو یہ انگریزی اور دوسرے سکولوں کے بچے جب چلتے ہوئے نظر آتے ہیں بے چارے ٹانگیں گھسیٹ رہے ہوتے ہیں، کتابوں کے بوجھ تلے اتنا وزنی کتابوں کا تھیلا اٹھاتے اٹھاتے یہ بچے شروع ہی سے تھک جاتے ہیں۔ آگے بڑھ کر ان کو آپ پانچویں میں فرسٹ کرا لو، مائیں سخت ہوتی ہیں، مارپیٹ کرتی ہیں، سرزنش کرتی ہیں پانچویں چھٹی میں فرسٹ کرا لیتی ہیں مگر جب بڑی کلاسوں میں پہنچتے ہیں تو یہ پھر فیل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ Incompetence ہو جاتی ہیں اسی وجہ سے ہے کہ We don't agree with God

ہم اپنے بچوں کی اہمیت جاننے کی کوشش نہیں کرتے، ہم پہ تو جنون سوار ہے کہ یہ فرسٹ کیوں نہیں آرہا۔ سیکنڈ کیوں نہیں آرہا اگر ہم بچوں کو نارمل وقت دیں، ان کی نارمل تربیت کریں اور خدا سے راضی رہیں کہ جو علم جو رتبہ جو مرتبہ جو مال اس نے کسی کو دینا ہے وہی دینا ہے تو ہم اپنے بچوں کی بہت بہتر تربیت کر سکتے ہیں۔

موحد کا خبطی ہونا کیا گناہوں سے برأت ہے؟

سوال: پروفیسر صاحب اس بات کی وضاحت کریں لاالہ الا اللہ کہنے کے بعد خبطی ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ انسان زنا کرے چوری کرتا رہے اس کی پکڑ نہیں؟

جواب: خواتین وحضرات! یہ جو میں نے آپ کو حدیث سنائی اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ دیکھیے بات یہ ہے کہ کچھ افعال ہمارے اس دنیا پہ ہیں اور ہم پر شریعت کے کچھ قواعد نافذ ہیں اور اگر آپ اس کا گواہ رکھتے وہ تمام اعمال جس پہ کوئی گواہ ہوگا وہ West ہو یا East میں ہو وہ خدا کا قانون ہو یا کوئی دوسرا قانون ہو۔ قرآن وشریعت سے مراد یہ ہے کہ دنیا کے جتنے قوانین ہیں جیسے West نے دیئے ہمیں جیسے Civilization American میں ہیں Birtish

Civilizaiton میں ہیں وہاں کے قانون اور ہمارے قوانین سے مکمل اتفاق نہیں کرتے غلطیاں ہوتی ہیں۔ سزائیں ہوتی ہیں پھر جو ثبوت مل جائے جو گواہ مل جائے اگر آپ کی شریعت نافذ ہوگی تو جو ثبوت ملیں گے گواہ ملیں گے اس کا تعلق آپ کے مذہب سے نہیں ہے یہ میں آپ کو بات سمجھانے کے لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ کی خطا آپ کے زنا آپ کی چوری اس کا تعلق آپ کے مذہبی فکر سے نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے شریعت کی صورت میں ایک Safe Area دیا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا ہے کہ اگر میری مرضی کے مطابق معاشرہ ترتیب دو گے تو خدا نے کہا کہ تم بڑے آسان رہو گے "ماآنزلنا علیک القران لتشقی" (طٰہٰ: آیت ۲) میرے سسٹم میں مشقت نہیں ہوگی۔ میرا سسٹم بڑا درست رہے گا، عزت سے رہو گے محبت سے رہو گے اور اس میں قوانین بالکل ویسے لاگو ہوں گے جیسے آج کوئی چوری کرتا ہے He has a punishment، سزا میں فرق ضرور ہے ادھر جیل میں ڈال دیں گے۔ ادھر ہاتھ کاٹ دیں گے اس لیے کہ قرآن اور اللہ کی شریعت Compensation میں یقین رکھتی ہے۔

British Law میں Compensation کوئی نہیں ہے۔ ایک آدمی جس کی بیٹی کا جہیز ہے اور تیار بیٹھا ہوا ہے۔ بڑی مجبوری سے جب اس نے جمع کیا اور چور آکر اس کو لوٹ کر چلا جاتا ہے تو اس کو جیل جانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ آپ کو اس شخص سے پوچھنا چاہیے۔ اور قرآن میں تمام قوانین Compensation کے Law ہیں کہ Maximum Compensation انسان کو کس طرح دی جا سکتی ہے۔ آپ اس غریب شخص سے جا کے پوچھو کہ تو اس شخص کو کیا سزا دینا چاہتا ہے جس نے تیری عزت، بھرا ابھرایا مال، جس نے تیرے مشکل ترین وقت میں تجھے برباد کر دیا ہے تو مجھے یقین ہے وہ کہے گا اس کو قتل کر دو۔ اس کی گردن اڑا دو مگر چونکہ اس نے قتل نہیں کیا ہوتا اس لیے قرآن اس کا ہاتھ کاٹ دیتا ہے کہ اگر یہ ایک انسان کے مکمل بربادی ذہن کا باعث بنا ہے تو Practically کسی دوسرے کی بربادی کا باعث نہ بنے۔ آج تک جتنے قوانین بنائے گئے ہیں یورپ میں اصلاح کے لیے Psychologists وہاں جاتے ہیں۔ مجرمین کی اصلاح کرتے ہیں اس کے باوجود امریکہ میں پندرہ برس پہلے Newyork میں موت کی سزا معطل کر دی گئی تھی اور یہ کہا گیا تھا کہ یہ ظلم ہے جبر ہے مگر پندرہ سال کے بعد Mayor نے Capital Punishment دوبارہ عائد کر دی۔ تو پتا یہ چلا کہ اس عرصے میں تمام اصلاح کے باوجود جو طریقہ کار تھے وہ فیل ہو گئے تو زنا اور شراب کا تعلق انسان کے اعتبار یقین سے نہیں ہے۔ یہ وقتی کیفیتیں ہیں۔ جب ایک وقتی کیفیت ہوگی تو اس کے بعد کی کیفیت ایمان کی ہو سکتی ہے جیسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو زنا کرتا ہے ایمان رخصت ہو جاتا ہے پھر پلٹ آتا ہے چوری کرتا ہے اس کا ایمان رخصت ہو جاتا ہے پھر پلٹ آتا ہے تو ایمان کا تعلق ذہن سے ہے داخلی سوچوں سے ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مطلق ہے کہ باوجود ہر گناہ کے اگر کسی نے اللہ پہ یقین رکھا تو یقیناً جنت میں جائے گا اور اسے دوزخ کی آگ نہیں جلائے گی۔ اس سلسلے میں میں آپ کو ایک آخری حدیث بھی سنا دوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ حدیث قدسی ہے اور مسلم اور بخاری میں ہے کہ اللہ نے جبریل امین سے پوچھا کہ تو نے اس گناہ گار کو دیکھا وہ کیا کہتا ہے تو کہا اے پروردگار یہ گناہ گار تجھ سے گناہوں کی معافی مانگ رہا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اچھا یہ جانتا ہے کہ میں ہوں۔ جبریل امین نے کہا ہاں یہ تو آپ کو اللہ مانتا ہے۔ لہٰذا اللہ نے جبریل سے کہا کہ اسے کہو کہ میں نے اسے معاف کر دیا۔ اس شخص نے پھر

گناہ کیا جب گناہ کیا تو پھر توبہ کی تو اللہ نے کہا جبریل اس نے پھر گناہ کیا اور پھر توبہ کی۔ اس کو تو پکا پتا ہے کہ میں ہوں جا اسے کہہ دے کہ میں نے اسے معاف کیا۔ اس شخص نے پھر گناہ کیا پھر توبہ کی تو اللہ نے کہا جبریل اس کو بالکل پکا ہی پتا ہے کہ میں اللہ ہوں اور بخشنے والا ہوں اس کو کہہ دے جو مرضی کر میں نے تجھے بخش دیا۔ یہ ذہنی Questions ہوتے ہیں۔ اعتبار کی بات یہ ہے کہ میں ہزار غلطیوں کے باوجود اپنے باپ کو باپ ہی جانتا ہوں۔ میں اُس اللہ کا بندہ ہوں۔

غیر متوازن ماحول میں انسان متوازن کیونکر ہو؟

سوال: آپ انسانی زندگی میں توازن پیدا کرنے پر زور دیتے ہیں مگر جب ماحول اور معاشرے کے اندر توازن موجود ہی نہیں اور ہر طرف گھٹن، جبر اور استحصال ہے تو پھر آپ انسان سے کیونکر مطالبہ کر سکتے ہیں کہ وہ اس Indifference ماحول میں اپنے اندر توازن پیدا کرے۔ مثلاً ابھی جبر کے متعلق بات کی ہے کہ مسلم امہ تو ڈکٹیٹر شپ کے اندر رہ رہی ہے یا بادشاہت کے اندر رہ رہی ہے لہٰذا ڈکٹیٹر شپ تو سوچ پہ پہرہ لگا دیتی ہے اور مسلم امہ چودہ سو سال سے اس کا سدِ باب نہیں کر سکی۔ آپ۔ اس سے کیسے توقع کرتے ہو کہ اس کے رویوں میں Extremism، پیدا نہ ہو اور یہ متوازن رہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس سوال کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ سر، وہ لوگ جن کا علم ان کی عقل سے بڑھ جاتا ہے وہ دنیا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں ایسے ہماری تاریخ میں سینکڑوں لوگ گزرے ہیں ان کو آپ کس زمرے میں شامل کریں گے؟

جواب: یہ دونوں سوال جو بڑی دور رور کے ہیں آپ نے دو بڑے کا ئناتی Ends ملانے کی کوشش کی ہے۔ پہلے دوسرے سوال کا جواب دے دوں گا۔ جو لوگ بھی علم میں حد سے بڑھتے ہیں مکمل جبریت کے قائل ہوتے ہیں اس لیے وہ دخل نہیں دیتے مقدر میں اور جو نارمل لوگ ہیں وہ مقدر میں دخل دینے کی کوشش کرتے ہیں ایک بندہ رنجیدہ ہے تو وہ کوشش کرے گا کہ اس میں اس کا رنج اتنا بڑھ جائے کہ وہ ایک اضطرابی کیفیت میں جا کر کسی کے قتل کا باعث ہو جائے کسی سے جنگ کا باعث ہو جائے یا اتنی بڑی امت جو ہے تمام تر اگرچہ ان یورپی دعوے داروں کے سامنے مقہور و مجبور Feel کر رہی ہے ہم اتنے مجبور بھی نہیں ہیں جب تک ہمیں احساس مجبوری نہ دلایا جائے بلکہ عراق میں اس میں چند ایک مجاہدین نے ہمیں سبق دیا ہے تو چند ایک نے اتنی بڑی قوت کو اس بری طرح رسوا کر دیا کہ وہ بھاگنے اور چھوڑنے پہ آمادہ ہو گئے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ ہے کہ جو لوگ مقدر پہ یقین رکھتے ہیں وہ شاید زیادہ تگ و دو کرتے ہیں۔ وہ اپنے افعال کے نتائج مرتب نہیں کرتے اتنی Important بات ہے جو شاید آپ کے مقدر کے ضمن میں نہ سنی ہو چونکہ زندگی میں متحرک رہنا، کام کرنا اس کا تعلق مقدر کے نتائج سے نہیں ہے فرض کرو کہ اگر میں یہ جانتا بھی ہوں کہ مجھے کدھر جانا ہے میرا کیا انجام ہے میرا علم کہتا ہے کہ میں اپنے انجام میں مداخلت نہیں کر سکتا میں کام کرتا چلوں، صبح کروں، دوپہر کروں، شام کروں بغیر اس خواہش کے کہ میرا انجام کیا ہوتا ہے تو یہ ایک بہت بڑے صبر و استقامت کی بات ہے۔ بہت بڑے علم کی بات ہے اس لیے شاید صوفیاء انبیاء یا اللہ کے وہ بندے جو دوسرے بندوں پر سبقت لے جاتے ہیں اور قرآن میں انہیں اصحاب قون کے نام سے پکارا جاتا ہے وہ دوسری طرف جیسے آپ رنج و بلا کی بات کر رہے ہیں یہ عمل اور رد عمل جاری رہتا ہے حتیٰ کہ جب یہ

عمل ان اعمال کو کھا لیتا ہے شاید جب خداوند کریم کا طریقہ Throughout History بھی ہے ہمیں Religious History بتاتی ہے کہ جب ظلم وتشدد گناہ گاری اتنی بڑھ جاتی ہے تو قرآن ایک قانون دیتا ہے کہ بہت ساری قوموں کو ہم نے اس وقت تھام لیا ہے جب اپنی معیشت پہ اترا رہے تھے۔ فرمایا جب ہم قوموں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کے امراء اور روٴسا کو گناہوں کی طرف مائل کرتے ہیں تو قرآن بھی کچھ قانون دیتا ہے جب ہم اس قانون کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آج کے جبار کل کے مظلوم ہیں اور کل کو شاید انہی ظالمین پر آپ کو ترس آئے گا۔ اب بھی میں Feel کرتا ہوں جو کچھ انہوں نے کرنا تھا وہ کر چکے ہیں۔ مگر مسلمان تو سو چکے ہیں ان کی غیرتوں کو وہ اکسا چکے ہیں اور جو Retaliation کا دور اب شروع ہونے والا ہے یہ کوئی نیا نہیں ہے۔ اگر آپ اس کو Historical Parallel لیں تو پہلے بھی تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں بالکل وہی توازن تاریخ اب بھی جاری ہو رہا ہے ابھی اس طرح یورپین آرہے ہیں ابھی ان کے گماشتے اسی طرح مسلمانوں کو ڈانٹ رہے ہیں۔ اب بھی اسی طرح صلاح الدین ایوبی کی طرح ایک بادشاہ گھر گھر جا رہا ہے رو رہا ہے پیٹ رہا ہے کہ خدا کے لیے اکٹھے ہو جاؤ کسی طریقے سے۔ بدقسمتی سے اس وقت ہماری صفوں میں صلاح الدین نہیں ہے مگر ہمارے لوگ Feel کر رہے ہیں کہ ہمیں ایک مقصد کے لیے اکٹھا ہونا چاہیے مجھے یقین ہے انشاءاللہ

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

خواتین وحضرات! میں بے حد وحساب شکر گزار ہوں، میں نے شاید پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ آپ کا صبر آزمایا جائے گا آپ کو بہت سی باتیں سننی پڑیں گی بہت سوال وجواب ماشاءاللہ لا قوۃ الا باللہ آپ نے بڑے حوصلہ اور صبر سے میری باتیں سنیں اور برا منائے بغیر سنیں اور I am very very thankful to you انشاءاللہ تعالیٰ ایسے خوبصورت ماحول اور اتنے پرسکون حالات میں انشاءاللہ پھر بھی ملاقات کی حسرت رہے گی اور میں اور آپ، اب مل کر خدا کے حضور دعا گو ہیں اور انشاءاللہ تعالیٰ العزیز اللہ تعالیٰ ہمیں برکتیں اور کرم بخشے۔ آمین۔